یعنی

دیوانِ شاد

(سید الشعرا خان بہادر نواب سید علی محمد شاد مرحوم عظیم آبادی)

مرتبۂ

حمید عظیم آبادی

مطبوعہ برقی مشین پریس۔ بانکی پور، مرادپور۔ پٹنہ۔

۷۸۶
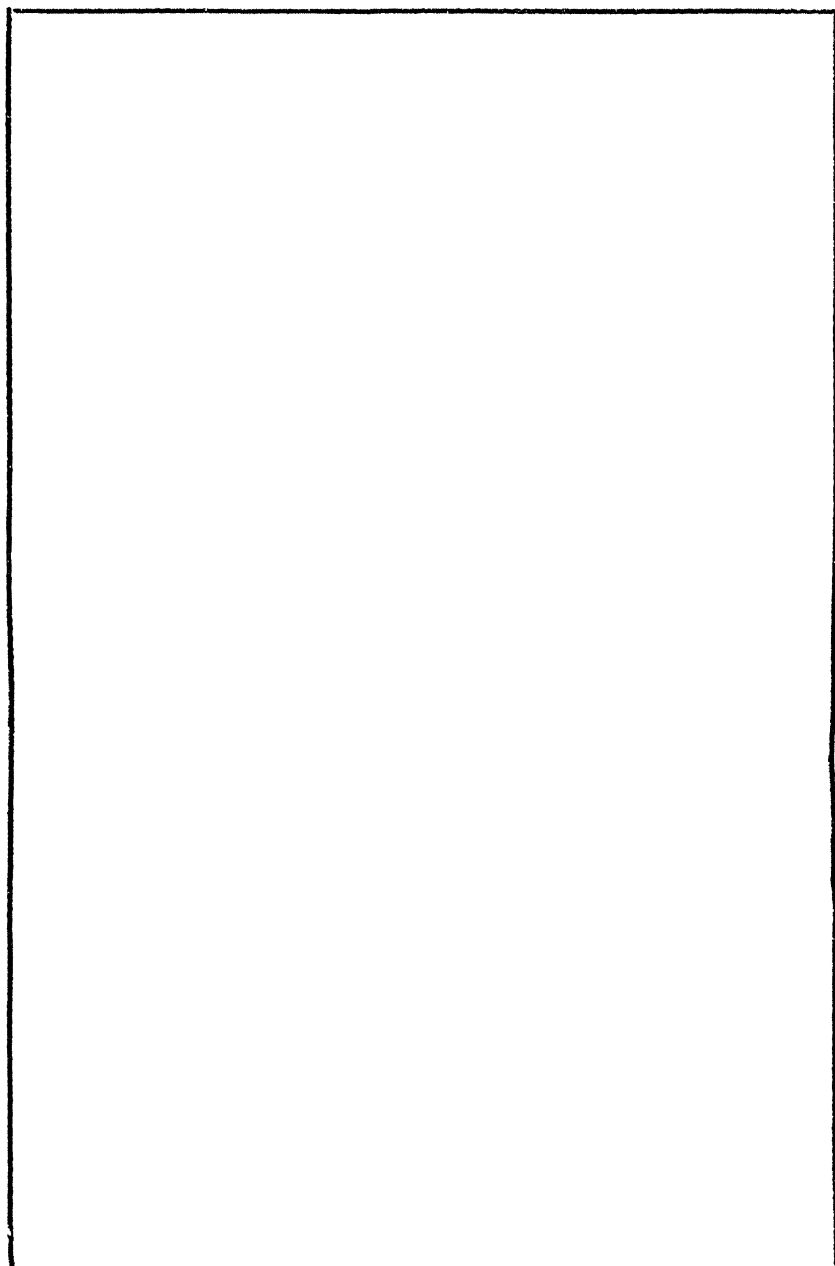
قوم ای قوم! مبارک ہیں وہ قومیں بے شک
اپنے اگلوں کے محاسن جو سدا یاد کریں

شکریہ

شکریہ اُس ایزد متعالٗ تعالیٰ شانہٗ کا جس کا شکریہ بھی فراوانی نعمت کا باعث اور افزونیِ عز و جاہ کا سبب ہے (لَئِنْ شَکَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّکُمْ) اور جس کے سرچشمۂ فضل و کرم کی بدولت آج یہ دیوان شاد مسمّٰی بہ "میخانۂ الہام" تشنہ کامانِ سخن کی پیاس بُجھا رہا ہے!

شکریہ اُس مظہرِ کمالاتِ خداوندی اور منبع صفات سرمدی کا جس کی مبارک ہستی تمام انسانوں کے لئے مژدۂ رحمت اور کُل عالم کے لئے پیغام سکون لے کر آئی، جس کے وجود سراپا محمود کے طفیل میں بندوں نے اپنے بے دیکھے اور بے پہچانے ہوئے معبود کو پہچانا اور جانا، اور جس پیر مغاں نے میکدۂ توحید سے مے نوشوں کو بادۂ معرفت پلایا! اُس روحِ پاک اور اُن کی آل اور اُن کے اصحاب پر ہزاروں درود اور ہزاروں سلام!!

شکریہ اُن حضرات کا جن کی ہمدردانہ معاونت نے اشاعتِ دیوان کی کٹھن منزلیں میرے لئے آسان کردیں، بالخصوص برادر محترم خان بہادر سید ابراہیم حسین صاحب مدظلہٗ العالی کا شکریہ جن کی بزرگانہ شفقت اور ہمدردی نے میری وہ دستگیری کی کہ آج میری محنتوں اور کاوشوں کا یہ بیڑا ساحل مقصود تک پہنچا!!

مَیں نے خیال کیا تھا کہ حضرت نیاز فتحپوری کے شکریہ کی چند سطریں لکھ کر اور معاونین کے اسمائے گرامی درج کرنے کے بعد شکریہ کا باب ختم کر دوں گا لیکن مشیت کا ارادہ کچھ اور ہی تھا۔

مَیں نے اس دیوان کی ترتیب اور اس کے املا میں ہر طرح کی احتیاط کا خیال رکھا ہے لیکن پھر بھی سہو ممکن ہے، لہٰذا سہو اور فروگذاشتوں کی معذرت چاہتا ہوا یہ بھی عرض کر دینا چاہتا ہوں کہ مَیں اپنی خواہش کے مطابق یہ دیوان پیش نہ کر سکا۔ انشاء اللہ نقش ثانی نقش اول سے بہتر پیش کرنے کی کوشش کروں گا۔ ؎ نقاش نقشِ ثانی بہتر کشد ز اول۔

مَیں ہرگز اس کے لئے طیار نہ تھا اور نہ میری خواہش تھی کہ مَیں دیوانِ شاد کو رہا کلامِ شاد کے متعلق کچھ عرض کروں کیونکہ اس کے لئے کافی وقت اور مطالعہ کی ضرورت تھی۔ لیکن اتفاقاً خلافِ امید ایسی صورت آ پڑی کہ مجھے یہ چند سطریں لکھنا پڑیں۔ اسے دیوانِ شاد کا مقدمہ قطعی نہیں سمجھنا چاہیئے پھر بھی اتنا ضرور ہے کہ شاد کی شاعری اور اُنکے مذاقِ سخن کا سرسری طور پر ایک صحیح اندازہ ضرور ہو جاتا ہے۔ احباب کی غلط فہمیوں کے رفع کرنے کے خیال سے میں صحیح واقعہ عرض کئے دیتا ہوں۔

میں نے ستمبر ۱۹۵۱ء میں حضرت نیاز سے نیازمندانہ گزارش کی تھی کہ وہ اُستادِ مرحوم کے دیوان کا مقدمہ لکھیں چنانچہ ۱۱ ستمبر کے گرامی نامے میں آپنے تحریر فرمایا تھا کہ "میں یقیناً کلامِ شاد پر مقدمہ لکھوں گا کیونکہ میری رائے میں اُن سے بہتر غزل گو گذشتہ نصف صدی میں کوئی پیدا ہی نہیں ہوا۔ آپ مطبوعہ اوراق میرے پاس بھیجتے رہیں"۔ میں مطبوعہ اوراق بھیجتا رہا اور مقدمہ کا بے چینی سے انتظار کرتا رہا۔ کل گیارہ مئی کو میرے نیاز نامے کے جواب میں آپنے یہ الفاظ لکھ بھیجے "لیکن اگر مَیں اس خدمت کو کسی وجہ سے انجام نہ دے سکا تو اخیر مئی تک اطلاع دے دوں گا"۔

اب میں کیا کرتا۔ اُدھر معاونین واحباب کا شدید تقاضا کہ جلد از جلد دیوان شائع کر دیا جائے ادھر یہ امیدِ موہوم۔ وقت اتنا کم کہ کسی اور اہل قلم سے مقدمہ لکھنے کی گزارش کرنے کی جراُت بھی نہیں کر سکتا۔ نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن۔

اس میں شک نہیں کہ شاد مرحوم کا دیوان مقدمہ یا تعارف کا محتاج نہیں مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار گوید
لیکن وقت وقت کی روش جداگانہ ہوتی ہے اس لئے شاد کی شاعری اور اُن کے مذاقِ سخن کے متعلق کچھ عرض
کر دینا بھی میں نے اپنا فرض سمجھا۔ بعض بزرگوں کا پہلے ہی سے خیال تھا کہ اس اہم فریضے کو مَیں خود انجام دوں لیکن
مَیں اپنے کو نہ تو اس لائق سمجھتا تھا اور نہ اب سمجھتا ہوں۔ چونکہ مرحوم سے مجھے شرفِ تلمذ حاصل ہے اس لئے میں مرحوم کے
محاسنِ کلام پر روشنی نہیں ڈالوں گا، یہ دوسروں کا کام تھا اور اُن ہی حضرات کے قلم کی زبانی یہ داستان کچھ بھلی
بھی معلوم ہوتی =

مبارک ہے وہ کلام اور مستحسن ہے وہ فن جس کی ابتدا حمد باری تعالےٰ سے کی گئی ہو چنانچہ محققین کے ایک گروہ کا
خیال ہے کہ شاعری یعنی نظم کی ابتدا آئیونا کی اُس جماعت سے ہوئی جس نے لامذہبی کے داغ کو اپنے دامن سے مٹا کر ایک معبود
کی پرستش شروع کی اور یہی نہیں بلکہ اسے اپنا ایک اہم فرض سمجھا۔ اپنی عبادتوں کے لئے بھجن کہنے شروع کئے۔ ان نظموں
کا حال ابوالمؤرخین ہیروڈوٹس کے ہاں بہت کچھ ملتا ہے۔ یہ خیالات رفتہ رفتہ مصر و شام تک پہنچے اور اسی لئے
ملکہ قلوپطرا کے زمانے کی نظموں میں زیادہ تر یہ رنگ نمایاں نظر آتا ہے۔ یہ نظمیں ان کی عبادت گاہوں میں
پڑھی اور گائی جاتی تھیں۔ اسی جماعت کی نَے نوازی نے یہ وحدت کا راگ اہلِ فلسطین یعنی شامیوں کے کانوں تک پہنچایا
جسے بالآخر حضرت داؤد علیہ السلام و حضرت سلیمان علیہ السلام نے باقاعدہ طور پر گانا اور رواج دینا شروع کیا۔ حجاز میں بھی
یہ مقدس خیالات شامیوں کے میل جول کی وجہ سے پھیلے لیکن چونکہ وہاں کا ادب مدائن اور کلدانی خیالات سے کافی طور پر متاثر
ہو چکا تھا، اس لئے اس خزاں نا آشنا پھول کی خوشبو اُن کے مشامِ جاں کو معطر نہ کر سکی۔ یہی وجہ تھی کہ عرب کی شاعری
میں جن جذبات سے کام لیا گیا' وہ روحانیت کے اُس بلند مرتبے سے دور رہا جو شاعری کا ماحصل سمجھا جاتا تھا۔
عربوں نے صرف اُن مشاہدات سے کام لیا جنھیں صرف اُن کی ظاہری آنکھیں دیکھ سکتی تھیں اور اسی لئے
اُن کی شاعری میں صرف مجاز ہی مجاز کی جلوہ گری نظر آتی تھی۔ اسلام نے اسی طرح کی شاعری کو بُرا بتایا تھا
لیکن جہاں بانیِ اسلام نے دنیا سے جہالت کی تاریکیوں کو دور کیا، وہاں اُس کے پاک گھر والوں نے
شاعری کے دامن سے مجاز کے اس بدنما داغ کو بھی مٹایا اور شاعری کو جزویست از پیغمبری ثابت کر دکھایا =

اسلام کے ساتھ ساتھ یہ متبرک خیالات عرب سے ایران اور ایران سے ہندوستان پہنچے، جس کی داستان گو دلچسپ ضرور ہے لیکن طویل، اس لئے نظرانداز کرتا ہوں۔

موجودہ اُردو شاعری کی بنیاد سنہ جلوس محمد شاہی میں پڑی اور اُس وقت سے شعراء نے فارسی کے تتبع میں غزلیں کہنا شروع کیں۔ جس طرح اُردو دو قومیں (موق) کے میل جول سے گہوارۂ وجود میں آئی۔ اُسی طرح تخیئل میں بھی اس سرزمیں کا اثر نمایاں نظر آنے لگا۔ یہ حالت قریب قریب پچاس سالوں تک رہی لیکن نادر کے حملوں کے اثرات نے ہمارے قویٰ کو کمزور ہی نہیں بلکہ بیکار کر چھوڑا اور اسی وجہ سے ہمارے خیالات میں درد انگیز مضامین آنے شروع ہوئے جو اُس وقت کا تقاضا تھا اور یہی وجہ ہے کہ احمد شاہ بادشاہ کے زمانے کے مشہور شاعر میر تقی میرؔ کے درد بھرے اشعار ہمارے دلوں میں نشتر چبھونے لگے اور ہم اُن اشعار کے گرویدہ ہوگئے۔ وہی زمانہ خواجہ میر دردؔ کا بھی تھا جن کی شاعری فلسفۂ اخلاق پر قائم ہوئی تھی۔ ان خواجہ کا کلام بھی اُسی بادۂ تحمید و تمجید سے شرابور نظر آتا ہے جس کا دَور ائمۂ اطہار کے ہاتھوں چلا، اور جس کی ابتدا آیونا کی اُس جماعت سے ہوئی تھی جس کا ذکر کیا جا چکا ہے۔

خواجہ میر دردؔ کے چار مشہور شاگرد تھے جن کی بدولت ہندوستان کے چار کونوں پہ دردؔ کا فلسفۂ شاعری چمکا۔ ان میں اول قائم الدین قائمؔ تھے جن کا اثر دلّی سے پنجاب تک پہنچا۔ دوسرے میر حسن حسنؔ تھے۔ تیسرے خواجہ محمد جان تپشؔ جن کے ذریعہ سے بنگالہ اور بالخصوص مرشد آباد میں خواجہ دردؔ کی شاعری پھیلی اور اُن کے فلسفۂ اخلاق نے رواج پکڑا۔ چوتھے حضرت اشکیؔ تھے جن کے قدموں کی برکت سے بہارؔ خصوصًا عظیم آباد دردؔ کے رنگ سے درد آشنا ہوا۔ حضرت اشکیؔ کا یہ رنگ بہارؔ اور عظیم آباد میں بہت جلد دائر و سائر ہوگیا کیونکہ حضرت راسخؔ عظیم آبادی جو رنگ یہاں چھوڑ گئے تھے، یہاں کے اہل ہوش اُسی رنگ میں رنگے ہوئے نظر آتے تھے۔

شادؔ[۱] بہ یک واسطہ حضرت اشکی کے شاگرد اور خواجہ دردؔ کے اسکول کے جید طالب العلم تھے۔ اُن کے کلام میں بھی وہی اثر نظر آتا ہے جو دردؔ کے مدرسے کے طلبا کا طرۂ امتیاز تھا لیکن کہیں کہیں ان کا کلام اُس لکھنوی مذاق سے بھی متاثر نظر آتا ہے جو اُس وقت اودھ میں رائج تھا۔ جب میر انیسؔ مغفور عظیم آباد آئے تو شادؔ پر اُن کی شاعری اور خصوصاً اُس فلسفہ کا اثر پڑا جو انیسؔ کے بے مثل سلاموں میں پایا جاتا تھا۔ ان سے اثر پذیر ہو کر شادؔ نے اُن چیزوں کو اپنے ہاں داخل کرکے اپنے فلسفۂ شاعری کی ایک ایسی مستحکم بنیاد رکھی جو اُس وقت کی مبتذل شاعری کو روندنے والی تھی۔ مرحوم کا یہ رنگ ۱۸۹۸ء کے بعد سے شروع ہو کر ۱۹۲۶ء تک ایک طرح قائم رہا۔

جہاں تک زبان کا تعلق ہے ان کا طرز ادا انیسؔ سے کسی طرح کم نہیں۔ ہاں! اپنی زبان میں وہ نہ اہل دہلی کے مقلد تھے اور نہ اہل لکھنؤ کے، اور یہی وجہ ہے کہ کسی کسی محاورے اور بعض لفظوں کے استعمال میں ان سے اختلاف نظر آتا ہے۔

مرحوم کا فلسفۂ شاعری فارسی اور ہندی فلسفے کا نچوڑ معلوم ہوتا ہے۔ ان کے کلام کی جانچ کرنا ہو تو محض فارسی کلاموں سے مدد لینا نہیں چاہیئے بلکہ ہندی شاعری اور خصوصاً یہاں کی اُن مقدس کتابوں کے مطالعہ کی ضرورت

---

[۱] شادؔ تخلص علی محمد نام۔ سالِ ولادت ۱۲۶۳ھ / ۱۸۴۶ء سال وفات ۱۳۴۵ھ / ۱۹۲۷ء مولد و مسکن عظیم آباد (پٹنہ سیٹی) تلمیذ حضرت شاہ الفت حسین صاحب فریاد عظیم آبادی مقام دفن۔ شادؔ منزل۔ حاجی گنج۔ پٹنہ سیٹی۔ ۱۲ منہ

ہیں جنھیں میں اگر الہامی کہوں تو بے جا نہ ہوگا لیکن اس کے ساتھ ساتھ نہ وہ خواجہ میر دردؔ کے مدرسے کے سبق کو بھولتے ہیں اور نہ اُس فلسفۂ شاعری کو جو یثرب و بطحا کا بہترین تحفہ تھا۔ اس لئے شادؔ کے کلام کو جانچنا ہو تو اُس کسوٹی پر کسنا چاہیئے جو ایک طرف فارسی کو مع اپنے متعلقات یاد دلاتی، فلسفۂ ہند کو سراہتی اور خمستانِ علیؑ سے جرعہ نوشی پر مجبور کرتی اور بتاتی ہے کہ شادؔ کا کلام فی الحقیقت "میخانۂ الہام" ہے!!

۱	مسٹر سید عبدالعزیز صاحب۔ بیرسٹر	بانکی پور، پٹنہ	صـ۵ـہ
۲	محترمہ لیڈی انیس امام۔ ام۔ ال۔ اے	مریم منزل۔ پٹنہ	صـ۵ـہ
۳	نواب سید علی سجاد صاحب	گلزار باغ۔ پٹنہ	صـ۵ـہ
۴	علامہ ڈاکٹر سید عظیم الدین احمد صاحب	خواجہ کلاں۔ پٹنہ سیٹی	صـ۵ـہ
۵	سر سید سلطان احمد صاحب بیرسٹر	سلطان پیلس۔ پٹنہ	صـ۵ـہ
۶	نواب سید مہدی حسن خاں صاحب	سنگی دالان۔ پٹنہ سیٹی	صـ۵ـہ
۷	خان بہادر سید ابراہیم حسین صاحب	ٹیڑھی گھاٹ۔ پٹنہ سیٹی	صـ۵ـہ
۸	خان بہادر نواب سید محمد اسمٰعیل صاحب	گذری۔ پٹنہ سیٹی	صـ۵ـہ
۹	مسٹر سچدانند سنہا، وائس چانسلر،	پٹنہ یونیورسیٹی۔ پٹنہ	صـ۵ـہ
۱۰	نواب سید احمد علی خاں صاحب	خواجہ کلاں۔ پٹنہ سیٹی	صـ۵ـہ
۱۱	سید محمود علی خاں صاحب۔ صباؔ	کاشانہ سنگی دالان پٹنہ سیٹی	عـ۱۰ـہ
۱۲	حمیدؔ عظیم آبادی	لودیکٹرہ۔ پٹنہ سیٹی	صـ۵ـہ

حمید منزل۔ لودیکٹرہ پٹنہ سیٹی
۱۲ر مئی ۱۹۳۸ء عیسوی

خاکپائے شادؔ
حمیدؔ غفرلہ

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

میکدے میں تو ہی یکتا ساقیا
اِنّما اللہ اِلٰہاً واحدا

کم مُحِبٍّ لا یریٰ شیئاً سِواک
جن کے آگے لفظ مہمل ما سوا

کم عطا رش دیدہ شاں برگفت
اَنتَ ساقِیہم وخیرُ ساقیا

اِنتبہ یا قلبُ و اشرب جُرعۃً
مِن صبوحِیٍّ زُلالاً طیبا

اِنّما الافراحُ میراثُ الھمومِ
صبر تلخ اما بود حبّ شفا

سچ تو یوں ہے ظُلمۃٌ فی ظُلمۃٍ
جب نہ خود سمجھا تجھے سمجھاؤں کیا

استمع یا شادیا شیخ الکبیر
عمر کو فانی سمجھ وہ کانہ کہا

کوئی بھو بچا نہ تا مقصود سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی
کھلا آئینہ دارِ لوکشف پر سِرِّ مَا اَوْحٰی

وُہی پیدا ہی ایسا جس سے ہر ناپید پیدا ہی
مسلّم ہی کہ ناپیدا سے کچھ ہوتا نہیں پیدا

بری حالِ محل سے بھی ہی پھر سب میں وہی وہ ہی
وہ ہی واحد شمار اعداد میں اُس کا نہیں اصلا

محیطِ کُل کے معنی ظاہری گر لیں تو باطل ہی
حدوں سے ہی مبرّا حد کے اندر آ نہیں سکتا

وجود اُس کا ہی واجب عقل و وجداں اس پہ ہیں شاہد
بجز اتنا سمجھنے کے نہ میں سمجھا نہ تو سمجھا

کوئی شی اُس سے باہر کب ہی ہر شی میں وہی وہ ہی
اسی پر متفق دونوں ہیں نابینا ہو یا بینا

یہ حسرت ہو کہ اُس کو دیکھ لوں اُس کی صدا سُن لوں

بہ ایں چشمانِ نابینا بہ ایں اسماع ناشنوا

کیا جو تونے یا رب یا جو اب کرتا ہو سب حق ہو

کرم کی جا ستم بھی ہو تو ہو تیرے لئے زیبا

وہ دولت تونے دی مجکو کہ ہو سب ہیچ آنکھوں میں

خطا پوشا عطا پاشا کرم سازا خداوندا

ریاضت نے مجھے سمجھا دیئے معنی عبادت کے

قوا سے کام لیتا ہوں وہی مطلب ہو جو تیرا

للکدکوب فنا دل نے کیا جب دس حواسوں کو

ہوئی پیدا ترے فضل و کرم سے شکل استغنا

سرورِ محض بن جاؤں جو یک سوئی میسّر ہو

مٹیں سب آرزوئیں دل سے یہ ارماں نہیں مٹتا

سراپا مو قلم بن جاؤں بند آنکھیں اگر کر لوں

اُتاروں صفحۂ خالی پہ تیرا ہو بہو نقشا

مرے شعروں میں جلوہ شاہدِ معنی کا پیدا ہی

نظر آتا ہی لفظوں کا فقط ہلکا سا اِک پردا

نوا سنجو مرے نغموں کا غُل ہی عرش اعظم پر

خوش آوازو سرِ طوبٰی پہ جاتا ہو مرا نالا

مزا دیکھو کہ اس بازار میں سر پر اُٹھائے ہوں

خریداروں کا احساں بیچ کر بے دام کا سودا

نئی بات آج تک ای شاد دیکھی کچھ نہ عالم میں

وُہی گھٹتی ہوئی عمریں وہی مٹتی ہوئی دُنیا

آئینہ ہی لا و الاحسن عالمگیر کا — ایک ہی دیکھو پلٹ کر دونوں رُخ تصویر کا

اک ذرا کھسکا نہ پلہ تول میں تقدیر کا — پھول تھا سنگِ ترازو کیا مری تدبیر کا

بے مروت نے کبھی آنکھیں اوپر تک نہ کیں
نالہ کس حسرت سے منہ تکتا رہا تاثیر کا

شمع پروانوں کے جلنے پر بھلا ہنستی کبھی
سر اُٹھا کر دیکھ لیتی منہ اگر گلگیر کا

دیکھنے والے یہی سمجھے مخاطب ہیں ہمیں
واہ کیا رکھا مصوّر تو نے رُخ تصویر کا

صفحۂ کاغذ پہ کیا جانے لکھا کب تیرا نام
بوسہ اب تک جھک کے لیتا ہے قلم تحریر کا

چشم باطن صاف کر لو دل کا دھو ڈالو غبار
کچھ سمجھ لینا ہے آساں شاد کی تحریر کا

موجِ پیمانۂ تقدیر ہے گیسو تیرا
طاق میخانۂ توحید ہے ابرو تیرا

کون کھولے گا ترے دل کی گرہ بعد مرے
کون سلجھائے گا اُلجھا ہوا گیسو تیرا

مہک اُٹھا چمنِ دہر کا پتّا پتّا
راز چھپنے نہیں دیتی تری خوشبو تیرا

کچھ اشاروں ہی سے کہہ دے تری چتون کے نثار
کس پہ تولے ہوئے تلوار ہے ابرو تیرا

شانہ اُلجھا ہے الگ آئینہ حیراں ہے جدا
پیچ کھلتا نہیں اے زلفِ سمن بو تیرا

کیسی وحشت نہ رہے ایک کے بھی ہوش بجا
چوکڑی بھول کے منہ تکتے ہیں آہو تیرا

گردنیں سب کی جھکا دیتا ہے سجدے کے لیے اس میں بھی طاق ہے ساقی خمِ ابرو تیرا

یاس پر بھی تو ہر اک دل کو تجھی سے ہے امید یہ بھی اعجاز ہے اے نرگسِ جادو تیرا

شاد کیا کیجئے دیکھا نہیں جاتا مجھ سے

چہرا اُترا ہوا، بہتا ہوا آنسو تیرا

ترے جور کا نہ کروں گلہ، کٹے تیغ سے بھی اگر گلا

کہوں وجد میں یہی برملا کہ اَنَا الشَّھِیْدُ بِکَربلا

ترا نور جب سے ہوا عیاں، ہوا آشکار جو تھا نہاں

چمک اُٹھے دشت و جبال و در مُتَشَعشِعًا مُتَزَلِّلَا

مرا سر رہے جو سرِ سناں مرا تن ہو خاک پہ خونچکاں

لبِ زخم سے یہ کروں عیاں کہ اَنَا الْقَتِیْلُ مُرَمَّلَا

مجھے لاکھ سجدہ کریں ملک مرا فرش راہ ہو عرش تک

میں حضیضِ محض ہوں اے فلک فَلِذَا نَزَلْتُ مِنَ الْعُلَا

ہیں نگاہِ شوق میں متحد ترا کوچہ ہو کہ ہو قتل گہہ

تری جلوہ گاہیں ہیں دونوں ہی جو بنا ہو وہ تو یہ کربلا

مجھے خوف ہو کہ اُلجھ کے یہ کہیں راستہ میں نہ رہ پڑے

مری روح عالمِ کون سے جو یوہیں رکھے گی خلا ملا

رہِ عشق میں جو رکھا قدم چلے اس طرح سے بہ شوق ہم

چلیں حاج جیسے سوئے حرم مُتسارِعیاً مُتہروِلا

جو رضا تری ثمر اس کا ہو تو سکون و صبر ہیں اس کے گل

ہو عجیب چیز نہالِ غم، نہ ہمیں کو ہائے مگر پھلا

مِری عمر شاد تمام ترا سی گومگو میں ہوئی بسر

نہ کلام کرنے سے غم گھٹا نہ خموشیوں سے کٹی بلا

ہم سے نہ حق ادا ہوا عشقِ کرشمہ ساز کا — شکوہ کریں تو کیا کریں جانِ بہانہ باز کا

اے دلِ مضطرب ٹھہر وقتِ سوال بھی تو ہو — ہم کو بھی تام یاد ہو اپنے گدا نواز کا

ہو گی جب اپنی آنکھ بند آئے گا ڈھب بھلی کہی — دیکھ سکا نہ جو سماں دیدۂ نیم باز کا

اُن کے پیام کا جواب کس نے کہا کہ نالہ ہے — کوئی علاج کیا کرے ایسے زبان دراز کا

بارِ سبو وہی اُٹھائے جس پہ ہو فضل میفروش — زاہدِ خشک یہ بھی کیا بوجھ ہے جا نماز کا

دیر سے منتظر ہیں وہ عذر نہ کر خدا کو مان — جانِ بلب رسیدہ آہ! کون محل ہے ناز کا

جلوۂ حُسن کی طرف دیکھ تو کچھ پتا ملے — جانے دے ولولہ نہ پوچھ عاشقِ پاکباز کا

خوش تو ہیں یاد حشر سے منتظرانِ سادہ لوح — ہو نہ کرشمہ یہ کسی دلبرِ حیلہ ساز کا

خاک بہت سی چھان کر دشت و جبل سے ہم پھر آئے

تو بھی پتا ملا نہ **شاد** قافلۂ حجاز کا

رہے دل بستگی غم سے بڑھے سوز و گداز اُس کا

گرہ کھل جائے گی دل کی تو کھل جائے گا راز اُس کا

زمانہ چاہیئے دل کو کہ حاصل ہو نیاز اُس کا

بہت دیر آشنا ہو ای جبینِ شوق ناز اُس کا

نگاہِ ناز میں کس کا وقار اُس کے برابر ہو
اُٹھائے لاکھ بازاروں میں ذلّت سرفراز اُس کا

کہاں ہو اُس کا کوچہ، کون ہو وہ؟ کیا خبر قاصد
پر اتنا جانتے ہیں نام ہو عاشق نواز اُس کا

نہ چھوٹے جستجوئے یار خضرِ شوق سے کہہ دو
کسی دن خود لگائے گی پتا عمرِ دراز اُس کا

نگاہِ فتنہ خو کو آج تک بھولا نہیں ہوں میں
وہ سفّاکی وہ بیباکی وہ چالاکی وہ ناز اُس کا

عبث شکوہ کہ موسی جیسز کا واعظ ہو کیوں دشمن
بصیرت جب نہیں بے شک بجا ہو احتراز اُس کا

مبارک ہو کہ وقت نزع وہ بالیں پہ آئے گا
دکھائے گی تماشا دل کو چشمِ نیم باز اُس کا

اب اس کا ذکر کیا قاصد پہ جو گذری گذرنے دو

نہ کہنا اس خبر کو شاد سے دل ہو گداز اُس کا

دل تو بدنام ہو اک عمر سے کیا اس کا گلہ کہتے آتی ہو حیا

یہ تمنّا، یہ اُمیدیں جنھیں برسوں پالا کب مری ہوں گی بھلا

وہ تری کج روشی، کج کلہی، کینہ وری دلبری عشوہ گری

کون غش کھا کے گرا، کون مُوا، پھر کے دیکھا نہ ذرا

بان مارا تری آنکھوں نے جو کی پھر کے نگاہ نہ ملی دل کو پناہ

یار کیا قہر ہی چلتا ہوا جادو تیرا، لاکھ روکا نہ رُکا

رُت پھری، ساری ہری ڈالوں میں پھوٹی کونپل ہو گئے پھول بھی پھل

اک یہ اجڑا ہوا دل ہو کہ نہ پھولا نہ پھلا، اور سوکھا ہی کیا

کالی کالی وہ گھٹائیں وہ پپیہوں کی پکار دھیمی دھیمی وہ پھوار

اب کے ساون بھی ہمارا یوہیں رونے میں کٹا کیا کہیں چپ کے سوا

بوسہ لینے کا مری خاک کو بھی ہے ارماں تابِ اُٹھنے کی کہاں

جامہ زیبی کا بھلا ای صنم تنگ قبا، کچھ تو دامن کو جھٹکا

فتنہ خو، آفتِ جاں سنگدل آشوبِ جہاں دشمنِ امن و اماں

سرورِ کج کلہاں خسروِ اقلیمِ جفا، بانیِ مکر و دغا

رس بھری ہائے وہ آنکھیں تری کالی کالی بے پیئے متوالی

سانولا رنگ نمک ریز جراحاتِ جفا، اُف کہاں دھیان گیا

دیکھنا تیرا انکھیوں سے ہے آڑی برچھی یارا اس کی نہ سہی

کب کو گنتی میں ہے وہ گھاؤ جو اوچھا سا لگا بچ کے پھر دیکھ ذرا

آنکھیں روئی ہوئی آواز ہے بھرّائی ہوئی باتیں گھبرائی ہوئی

اس سے تو اور کسی بھید کا ملتا ہے پتا شاد قسمیں تو نہ کھا

یہاں نہ نشو و نما کا حاصل نہ کوئی ثمرہ ہے رنگ و بو کا

ہنسو گے خود اس چمن پہ غنچو زمانہ آلے ذرا تمو کا

قمار خانہ ہے بزمِ دنیا، بڑے کھلاڑی کا سامنا ہے
گنوائی پونجی گرہ سے اپنی، یہاں ذرا بھی جو چال چوکا
نگاہ و ناز و ادا و غمزہ، شریک سب میرے قتل میں ہیں
رہے گا کوئی نہ پاک دامن جو خون اُبلا رگِ گلو کا
پلانے والا رہے سلامت یہاں تو دل سے یہی لگی ہے
نہ جام و مینا و خُم کا شاکر، نہ سر پر احسان ہے سبو کا
کسی کو آب و ہوا موافق ہوئی نہ افسوس اس چمن کی
ہمیشہ تھی نالہ کش عنادل، گلوں نے تا عمر خون تھوکا
جو دل سے دنیا کو چھوڑ بیٹھے، اُنھیں کے ہیں مستقل ارادے
کہ اس کی جانب سے مُنہ جو پھیرا، تو پھر نہ اس بیوا کو تھوکا
پکار کر وحشیوں سے کہہ دو، خزاں کا بھی دور ہے غنیمت
قبا کے دامن کو ٹانک تو لیں اگر نہ موقع ملے رفو کا

ابھی بہت حسرتیں ہیں دل میں تڑپ کے کمبخت مر نہ جائے
اگر کہیں شاد سے ملو تم، تو نام لینا نہ آرزو کا

ای عشق اب تو نام نہ لے کبر و ناز کا
آخر ہی رات وقت ہی راز و نیاز کا

بدلے شعار اُس نگہہ جاں گداز کا
پردہ رکھے خدا مرے عجز و نیاز کا

اُن کی نگاہِ ناز جو پلٹی تو دیکھنا
مُنہ دیکھتی رہے گی حقیقت مجاز کا

صانع کو دیکھنا ہی تو عالم پہ کر نظر
آئینہ آئینہ ہی خود آئینہ ساز کا

عالم کو خود پسند ہیں نیرنگ سازیاں
اس میں قصور کیا نگہہِ فتنہ ساز کا

دیکھا تو ہو گا ہم نے ازل میں ترا جمال
لیکن وہ کوئی وقت نہ تھا امتیاز کا

اللہ ری بلندیِ بامِ ثنائے دوست
ہی پست حوصلہ قلم سرفراز کا

کچھ دن مجھے بھی خانۂ تن میں جگہ ملی
احساں ہی اس سرائے مسافر نواز کا

غفلت میں زندگی کا زمانہ بسر کروں
خمیازہ کیوں اُٹھاؤں ترے خواب ناز کا

کس طرح دل پہ فتنۂ محشر کا ہو اثر
ہنگامہ یاد ہی تری رفتار ناز کا

شاید صفِ نعال میں تھوڑی سی جا مِلے
ای شادؔ ہم بھی رکھتے ہیں دعوا نیاز کا

ہی ہم مری چشمِ حسرت کا سب درد دل اُن سے کہہ جانا
دانتوں میں دبا کر ہونٹ اپنے کچھ سوچ کے اُن کا رہ جانا
ای یاس نہ مانوں گا تیری بس اب نہ زیادہ دل کو دکھا
سمجھا چکی اُس کی پہلی نظر دُکھ درد جو ہو وہ سہہ جانا
مانا کہ فقط موہوم سہی، ملنے کی ہمیں اک آس تو ہی
دیدار تو ہو لے دیدۂ تر، بہنا ہو اگر تو بہہ جانا
اُف اُف وہ ہتھیلی سے اُن کا شرما کے چھپانا آنکھوں کو
برچھی کا ادا کی چل جانا، اُس تیرِ نگہہ کا رہ جانا
ہم باغ میں ناحق آئے تھے بلبل کی حکایت کیا کہیے
منقار کو رکھ کر کلیوں پر کچھ اپنی زباں میں کہہ جانا

سُن لیں دلِ ناداں کی باتیں بیکار بگاڑیں کام اپنا
ہم پر وہ کریں کتنا ہی ستم اے شاد ہمیں تو سہہ جانا

خرامِ ناز میں کہتا ہے ڈورا اُس کی گردن کا
نہیں اُٹھتا مرے نازک بدن سے بوجھ دامن کا

تہہ شمشیر کیا مشکل ہے رکھنا اپنی گردن کا
مگر آساں نہیں پہچاننا قاتل کی چتون کا

کہاں چھوڑا ہے مجھ وحشی کو قاتل نیمجاں تو نے
وہ کالی رات سنّاٹے کا عالم بولنا رن کا

بلائیں میکدے کی دور، خم آباد، میکش خوش
ہمیشہ جام پر سایہ رہے ساقی کے دامن کا

جُھکے پڑتے ہیں موتی کان کے رُخسار رنگیں پر
خدا حافظ ہے اُس نازک صُراحی دار گردن کا

وہ میکش ہوں حیا سے اُٹھ نہیں سکتیں مری آنکھیں
گوارا کب ہے جُھکنا بزم میں شیشے کی گردن کا

مَیں بے بس ہوں مرا آرام ہے غیروں کے ہاتھوں میں
پھر ای پیری زمانہ آگیا اپنے لڑکپن کا

حسینان جہاں ہر شب مرادیں مانگنے آئیں
ستارہ اوج پر یارب رہے عاشق کے مدفن کا

گلوں پر کیا ہے کانٹوں تک کا مَیں دل سے دعاگو ہوں
خداوندا نہ ٹوٹے دل کسی دشمن سے دشمن کا

خزاں کے ہاتھ سے آسودگی دل کو نہیں ہوتی
ہمیشہ لالہ گوں رہتا ہے گوشہ اپنے دامن کا

بہت جب سوچتا ہوں شاد کچھ کچھ یاد آتا ہے
مزا اس زندگی کا خواب تھا جیسے لڑکپن کا

وہ زلفِ مشکبو لپٹی نہ ہو کانوں کے بندوں سے
سبب کھلتا نہیں ای شاد اپنے دل کی اُلجھن کا

موجِ فنا مٹا نہ دے نام و نشانِ وجود کا
دیکھ حباب کی طرح شوق نہ کر نمود کا

مدرسۂ وجود میں صفحۂ سادہ بن کے آ
پیرِ خرد سے لے سبق مسئلۂ شہود کا

ناز کر ای جبینِ شوق طالعِ ارجمند پر
سنگِ درِ نیاز پر نقش رہا سجود کا

دل کا پتا کہیں نہیں ناشدنی کہاں گیا
ڈھونڈھ چکا ہوں تار تار گیسوئے مشک سود کا

ساقیٔ مہ لقا نے جب خُم سے سبو میں ڈھال دی
مجلسِ مَے میں چار سو شور اُٹھا درود کا

ای شبِ وصل جا تو جا ای شبِ ہجر آ تو آ
دل نے خیال اُٹھا دیا اپنے زیان و سود کا

کاکلِ جانفزا کی بو سونگھ چکی ہی ای صبا
کچھ تو سمجھ کے ذکر کر عنبر و مشک و عود کا

ناپ چکا ہی پائے فکر وسعتِ فرش و عرش کو
تو بھی پتا نہ کچھ ملا شوق ترے حدود کا

شاد کریں نہ شکر کیوں قیدِ لباس سے چھٹے
اب تو گراں ہی تار تار خلعتِ ہست و بود کا

کچھ کہے جاتا تھا غرق اپنے ہی افسانے میں تھا
مرتے مرتے ہوش باقی تیرے دیوانے میں تھا

مسکرا کر جھانکتی تھی کس ادا سے اک پری
چہرۂ ساقی کا شاید عکس پیمانے میں تھا

ہائے وہ خود رفتگی اُلجھے ہوئے سب سر کے بال
وہ کسی میں اب کہاں جو تیرے دیوانے میں تھا

دیکھتا تھا جس طرف اپنا ہی جلوہ تھا عیاں
میں نہ تھا وحشی کوئی اِس آئینہ خانے میں تھا

بوریا تھا، کچھ شکستہ خم تھی یا ٹوٹے سبو
اور کیا اس کے سوا مستوں کے ویرانے میں تھا

ہنستے ہنستے رو دیا کرتے تھے سب بے اختیار
اک نئی ترکیب کا درد اپنے افسانے میں تھا

شاد کچھ پوچھو نہ مجھ سے میرے دل کے داغ کو
ٹمٹماتا سا چراغ اک اپنے ویرانے میں تھا

وہ عالمگیر جلوہ اور وہ حسنِ مشترک تیرا
خدا جانے ان آنکھوں کو ہوا کس کس پہ شک تیرا

بڑا احساں شبِ غم نے کیا ای جاگنے والے!
یہی تیری کھلی آنکھیں مٹا چھوڑیں گی شک تیرا

ترے نقشِ قدم کی گرد تک پہونچا نہ واماندہ
بہت پیچھا کیا ای کارواں کوسوں تلک تیرا

غذائے روح ہی ای حُسن تو اپنی ملاحت سے
ہر اک کے ذائقہ میں ٹھیک ہی آب و نمک تیرا

بہت تو نے جب اپنے پاؤں پھیلائے تو کیا چارہ
ادب کرتی رہی ای اشک مدت تک پلک تیرا

کنارا کر لیا ہمدردیوں سے میری غیروں نے
لیا گھبرا کے ناحق نام میں نے بے دھڑک تیرا
عبث الجھا کے رکھا، اک ذرا انصاف لازم ہو
امیدیں ساتھ دیں گی **شاد** آخر کب تلک تیرا

جہاں ہو مکتب حیرت سبق ہو چپ رہنا
بڑا گناہ یہاں ہو الف سے بے کہنا
ابھر ابھر کے یہ کہتی ہو دل کی بیتابی
برا ہو بات کا جی میں بہت لیے رہنا
فغانِ بلبلِ شیدا نہ جانیے اس کو
عروس باغ کی شادی ہو بجتی ہو شہنا
شبِ فراق میں ہمسائے ڈر کے کہتے ہیں
غضب یہ رات ڈرانی ہو جاگتے رہنا
گلی ہیں یار کی ہو قبر یا خرابے میں
ہمیں تو حشر کے دن تک کہیں پہ سو رہنا
غمِ فراق پہ اے آسماں نہیں موقوف
وہ جو سہائیں غریبوں کو ہر طرح سہنا

مجھی پہ کیا ہو عدو تک ہو معترف بہ خدا
زبانِ حضرتِ **مونس** کا **شاد** کیا کہنا

پوچھو نہ حال چشمِ دل آویزِ یار کا | کھولو نہ راز گردشِ لیل و نہار کا
ناگفتنی ہو شوق دلِ بیقرار کا | خالق نہ دے کسی کو مرض انتظار کا
قدرت ہو اُس کی ورنہ یہ منہ آئینہ کا تھا | جھگڑا چکائے شانہ و گیسوے یار کا
اُس چشمِ نیم خواب سے کس کو یہ تھی امید | جادو جگائے سرمۂ دنبالہ دار کا
ساقی کی چشمِ مست پہ مشکل نہیں نگاہ | مشکل سنبھالنا ہو دلِ بیقرار کا
نافہم دل نے اور بھی مٹی خراب کی | خوگر بنا کے لذتِ ناپائدار کا
پیغام آرہے ہیں تواتر وصال کے | ہر ہر نفس فراق میں قاصد ہو یار کا
ہیں روزِ حشر سر بہ گریباں ترے شہید | بھولا نہیں سماں نگہہِ شرمسار کا
غیروں پہ کیا اسی کا تو مارا ہوا ہوں میں | ای غمگسار نام نہ لے اعتبار کا
آسودگانِ کنجِ قفس چین سے تو ہیں | دیکھ ای صبا کھِلا نہ شگوفہ بہار کا
جو اس گلی کی خاک تھے وہ تو ہوئے تباہ | اک کھیل تھا صبا کو اُڑانا غبار کا
اُس کعبۂ مراد کے عارض پہ دی ہو جاں | شمعِ حرم چراغ ہو میرے مزار کا

کس دم طلب کیا مجھے اُس پردہ پوش نے　　جب نام تک نہیں کفنِ تار تار کا

مرجاؤ شوق سے نہ کرو **شاد** پیش و پس
دِل توڑتے ہو کیوں کسی اُمیدوار کا

اگر مرتے ہوئے لب پر نہ تیرا نام آئے گا
تو میں مرنے سے درگذرا مرے کس کام آئے گا
شبِ ہجراں کی سختی ہو تو ہو لیکن یہ کیا کم ہے
کہ لب پر رات بھر رہ رہ کے تیرا نام آئے گا
کہاں سے لاؤں صبر حضرتِ ایوب اے ساقی
خم آئے گا، صراحی آئے گی تب جام آئے گا
اسی اُمید میں باندھے ہوئے ہیں ٹکٹکی میکش
کفِ نازک پہ ساقی رکھ کے اک دن جام آئے گا
یہاں دل پر بنی ہے تجھ سے اے غمخوار کیا اُلجھوں

یہ کون آرام ہے مرجاؤں تب آرام آئے گا

اُنھیں دیکھے گی تو اے چشم پر نم وصل میں یا میں

ترے کام آئے گا رونا کہ میرے کام آئے گا

یہی کہہ کر اجل کو قرض خواہوں کی طرح ٹالا

کہ لے کر آج قاصد یار کا پیغام آئے گا

گلی میں یار کی اے شاد سب مشتاق بیٹھے ہیں

خدا جانے وہاں سے حکم کس کے نام آئے گا

جب اہل ہوش کہتے ہیں افسانہ آپ کا
سُنتا ہے اور ہنستا ہے دیوانہ آپ کا

کوسوں سے کر رہا ہوں زیارت بہشت کی
آگے نگاہ کے ہے جلوخانہ آپ کا

ناحق ہما ہمی کی نہ لیں شیخ و برہمن
مسجد جو آپ کی ہے تو بتخانہ آپ کا

ہنس ہنس کے ٹال دیں تو کچھ اس کا نہیں جواب
باتیں درست کہتا ہے دیوانہ آپ کا

اے شاد محو ہو گئے اربابِ انجمن
ہے با اثر کلام حکیمانہ آپ کا

سراپا سوز ہی اے دل سراپا نور ہو جانا
اگر جلنا تو جل کر جلوہ گاہ طور ہو جانا

ہمارے زخم داغ دل لگی اچھی نکالی ہے
چھپائے سے تو چھپ جانا مگر ناسور ہو جانا

خیالِ وصل کو اب آرزو جھولا جھلاتی ہے
قریب آنا دلِ مایوس کے پھر دور ہو جانا

جو میں ایسا سمجھتا کچھ تو کرتا فکر جینے کی
مرا مرنا نہ مرنا آپ کا مشہور ہو جانا

نہ دے الزام بدمستی کا اک افتاد تھی ساقی
مرا گرنا بھرے ساغر کا چکنا چور ہو جانا

خدا بخشے دکھا کر اک جھلک یوں ہی سی آنکھوں کو
قیامت ہی جوانی کا مری کافور ہو جانا

بلا سے دل اگر رندوں کے ٹوٹے رنج کیا اس کا
شگونِ نیک ہی شیشے کا ساقی چور ہو جانا

شبِ وصل اپنی آنکھوں نے عجب اندھیر دیکھا ہی
نقاب اُن کا اُلٹنا رات کا کافور ہو جانا

جو سچ پوچھو تو شاد اپنے کیے کچھ بھی نہیں ہوتا
خدا کی دین ہی انسان کا مشہور ہو جانا

دل اپنی طلب میں صادق تھا گھبرا کے سوئے مطلوب گیا
دریا سے یہ موتی نکلا تھا دریا ہی میں جا کر ڈوب گیا

پیری میں جوانی کی باتیں کیا عرض کروں اک قصہ ہے
وہ طرز گئی وہ وضع گئی انداز گیا اسلوب گیا

بے راحلہ و بے زادِ سفر رحمت پہ بھروسا کرکے فقط
دنیا کی سرا سے جو اُٹھ کر اس طرح گیا وہ خوب گیا

طاقت جو نہیں اب حیرت سے تصویر کا عالم رہتا ہے
وہ آخرِ شب کی آہ گئی وہ نعرہ یا محبوب گیا

کوچہ میں ترے اب شاد نہیں اللہ نے کردی پاک زمیں
صد شکر سرائے فانی سے آخر وہ سگِ معیوب گیا

وقار کچھ تو شہیدوں میں رکھ لے تو میرا
دکھا نہ غنچہ کو کھولا ہوا لہو میرا

یہی نہیں ہے کہ ساقی کی گھڑکیاں ہیں نصیب
ہزاروں کھیل بگاڑے گی آرزو میرا

وہ ذبح کرکے یہ کہتے ہیں میرے لاشے سے
تڑپ رہا ہے کہ منہ دیکھتا ہے تو میرا

کراہنے میں مجھے عذر کیا مگر اے درد
گلا دباتی ہے رہ رہ کے آبرو میرا

امید و بیم کے الجھاوے پریشاں ہوں　　بلا کٹے، کہیں جھگڑا ہو ایک سو میرا

ٹھہر ٹھہر کے پھرا کچھ مزا تو لینے دے　　کہاں چھری تری قاتل کہاں گلو میرا

یَں اپنے مرنے کو سمجھا ہوں نعمت ای شبِ غم　　میں اور دھن میں ہوں کیا کر سکے گی تو میرا

کبھی تو تھم کے اِن آنکھوں کو چین دے ای اشک　　خدا کے واسطے پانی نہ کر لہو میرا

کہا یہ روح نے تن سے وداع ہوتے وقت　　مرا سلام ہو اب میں تری نہ تو میرا

ہزار شکر میں ترے سوا کسی کا نہیں　　ہزار حیف کہ اب تک ہوا نہ تو میرا

کہاں کسی میں یہ قدرت سوائے تیغِ نگاہ　　کہ ہو نیام میں اور کاٹ لے گلو میرا

دماغ شورِ عنادل سے ہو پریشاں شاد
بگڑ نہ جائے کہیں طرزِ گفتگو میرا

اُٹھائے ناز کب تک خاطرِ اندوہ گیں تیرا
بہت تنگ آگیا ای آرزو اب میں نہیں تیرا
اب اِس معراج سے بڑھ کر خدا کا نام ہو ساقی

وظیفوں میں کیا کرتے ہیں ذکر ارباب دیں تیرا

تری آغوش میں ہم سا شہیدِ ناز سوتا ہو

نصیب اللہ اکبر کیا بتائیں ای زمیں تیرا

اسے کہتے ہیں خوبی ہم تو اس خوبی کے قائل ہیں

ہوا جب ذکر یکتائی کا نام آیا وہیں تیرا

بہت سرگوشیاں کرنے لگے رستہ میں اب رہرو

بہت چرچا ہو بازاروں میں ای خلوت نشیں تیرا

اثر یوں تو محبت کا تری ای شاد ظاہر ہو

پر اتنا جانتے ہیں ذکر ہوتا تھا کہیں تیرا

خامشی بھی تری طومار ہو گویائی کا
منہ چھپانا ترا آئینہ ہو یکتائی کا

لطف کیا ہیچ میں شبنم کے ٹپک پڑنے کا
داغِ دل دھو نہ دیا لالۂ صحرائی کا

گذری جو تیر شہیدوں پہ وہ گذری قاتل
رہ گیا نام مگر صبر و شکیبائی کا

دل کی یک سوئی نے بے پردہ دکھایا تھا تجھے — بیچ میں مفت قدم آگیا بینائی کا

تن بدن کا نہ رہا ہوش یہ محویت ہے — لوگ منہ دیکھتے ہیں تیرے تماشائی کا

چپ جو رہنا ہے تو چپ رہ جو تڑپنا ہے تڑپ — نام بدنام نہ کر صبر و شکیبائی کا

چار اِدھر چاک گریباں تو اُدھر دشت گریاں — تیرا کوچہ نہیں بازار ہے رسوائی کا

شاد توڑو بھی قلم پھاڑ کے پھینکو کاغذ

نفع کیا سوچا ہے اس قافیہ پیمائی کا

کچھ تعجب نہیں آنکھوں نے اگر مان لیا — دل نے دیکھا نہیں اُس پر تجھے پہچان لیا

خوں کی چھینٹیں جو اُڑیں حلقِ بریدہ سے مرے — اُس نے دامن کو عجب ناز سے گردان لیا

دُرد دیتا ہے جو ساقی تو تردد کیا ہے — جام پر دامنِ تر رکھ کے ذرا چھان لیا

وادیِ غم سے کہیں بھاگ چلا تھا کیا میں — دستِ وحشت نے مرا مفت گریبان لیا

دونوں یکساں ہیں ادا ہو تری قاتل یا ناز — ایک نے جان مری ایک نے ایمان لیا

وہ فرشتوں کی بھی سنتا نہیں اے پیر مغاں — جب کسی دل نے تجھے مان لیا مان لیا

تیغ تیری ہی تو ہو تو تو ہی اپنا قاتل　　سر پہ کیا میں نے کسی غیر کا احسان لیا

زہر کیا چیز ہی اک تلخ دوا ہی ناصح　　میں نے جس بات کو اب ٹھان لیا ٹھان لیا

میں فدا لغزش رفتار پہ اپنی ای شاد
دُور سے دیکھ کے اُس نے مجھے پہچان لیا

لے کے خود پیر مغاں ہاتھ میں مینا آیا　　میکشو شرم کہ اس پر بھی نہ پینا آیا

منہ پہ عاشق کے محبت کی شکایت ناصح　　بات کرنے کا بھی ناداں نہ قرینا آیا

کس طرح ملتے ہیں چھڑوں سے دکھا دیں گے کبھی　　دل میں وہ تیر اگر توڑ کے سینا آیا

آ گئی یاد تری چشم کی گردش ساقی　　جب چھلکتا ہوا آگے مرے مینا آیا

دل نے دیکھا مجھے اور میں نے فلک کو دیکھا　　بچ کے ساحل پہ اگر کوئی سفینا آیا

خوش ہو ای چشم کہ ہی فصل یہی رونے کی　　مژدہ ای ابر کہ ساون کا مہینا آیا

آ گیا تھا جو خرابات میں پی لینی تھی　　تجکو صحبت کا بھی زاہد نہ قرینا آیا

کچھ دکھائی نہ دیا اپنے سوا حیرت ہی　　کیوں میں عالم میں لیئے دیدۂ بینا آیا

زندگی کرتے ہیں کس طرح یہ سیکھو اس وقت

شاد کیا نفع اگر مرنے پہ جینا آیا

ہر ایک شے میں تصوّر ترا جمال کیا
اِن آنکھ والوں کے صدقے کہاں خیال کیا

کٹیں بہار میں شاخیں گلوں کی ای گلچیں
فلک نے وقت سے پہلے شکستہ حال کیا

تری گلی میں رقیب آئیں اور میں دیکھوں
قسم ہے تیرے قدم کی ترا خیال کیا

دل اپنا لا نہ سکا تاب بس کہ نازک تھا
اُن ابروؤں کی کجی نے مجھے حلال کیا

تمھاری راہ میں چل کر ہم ایسے کج رو نے
تمھارے نقشِ قدم تک کو پائمال کیا

طلب کے پہلے ہی جب حکم دے چکا تھا تو
ترے فقیر نے کیا سوچ کر سوال کیا

نصیحتیں نہیں غمخواریاں تھیں ناصح کی
ذرا سی بات کا ای **شاد** کیوں ملال کیا

کعبہ و دیر میں جلوہ نہیں یکساں اُن کا
جو یہ کہتے ہیں ٹٹولے کوئی ایماں اُن کا

جستجو شرط ہے گھبرائے نہ خواہاں اُن کا
گھر بتا دے گا کوئی مردِ مسلماں اُن کا

اپنے مٹنے کا سبب میں بھی بتاؤں ای شوق
کاش چھو جائے مری خاک سے داماں اُن کا

تونے دیدار کا جن جن سے کیا ہی وعدہ
ہائے ری اُن کی خوشی ہائے رے ارماں اُن کا

چھوڑ کر آئے ہیں جو صبح وطن سی شی کو
مرتبہ کچھ تو سمجھ شامِ غریباں اُن کا

چاک کرنے کا ہی الزام مرے سر ناحق
ہاتھ اُن کا ہی میں اُن کا ہوں گریباں اُن کا

جو اس اُلجھاؤ کے ہیں خود متمنی دل سے
کیا بگاڑے گی تری زلفِ پریشاں اُن کا

اِن شہیدانِ محبت میں تو میں صاف کہوں
کوئی اتنا نہیں پکڑے جو گریباں اُن کا

مان لو پاؤں سے زنجیر بھی اتری لیکن
بھاگ کر جائے کہاں قیدیِ زنداں اُن کا

مست جاتے ہیں خرابات سے مسجد کی طرف
راہ مخدوش ہی اللہ نگہباں اُن کا

بیڑیاں کٹ گئیں ای **شاد** نہا دھو کے چلے
چھُٹ گئے قیدِ تعلق سے ہم احساں اُن کا

نہ ہے شکار جو خود اُس نگہ کا صید ہُوا
خوشا اسیر سمجھ بوجھ کر جو قید ہُوا

اب اشک میں ترے آتا نہیں لہو ای چشم
تجھی پہ کیا ہی زمانے کا خوں سفید ہُوا

کدھر خیال ہے دنیا میں کیسی آزادی ‏ قدم بھی رکھنے نہ پایا تھا میں کہ قید ہُوا

پھری رہیں سوئے در بعدِ مرگ بھی آنکھیں ‏ یہاں تلک بھی نہ میں تجھ سے نا اُمید ہُوا

بڑھائے جس نے قدم حد سے جانبِ دنیا ‏ تمام عمر گرفتار مکر و کید ہُوا

وہ اور ہوں گے جو مایوس ہو گئے ای شاد

میں اُس کے فضل سے اب تک نہ نا اُمید ہُوا

غفلت میں ہوئی اوقات بسر ای عمر گریزاں کچھ نہ کیا

تھی فکرِ وصالِ یار بہت لیکن سر و ساماں کچھ نہ کیا

واعظ نے بھرے خم چور کئے، تر کر دی زمیں ای پیر مُغاں

ظالم نے ذرا تیرا بھی لحاظ ای رہبر ایماں کچھ نہ کیا

مَے پینے کا دل میں جوش نہ تھا، ظاہر کی طلب تھی ہوش میں آ

ساقی نے ملایا زہر اگر ای منکر احساں کچھ نہ کیا

اُلٹا نہ عراق و شام و حلب، دُنیا نہ ہوئی ویران تو کیا

جل تھل نہ لہو سے تو نے بھرا تو خونِ مسلماں کچھ نہ کیا

ای ننگِ جہاں ای شاد بتا، کچھ آتی ہی تجکو شرم و حیا

ای جہل مرکب ای حیواں ای بے خبر انساں کچھ نہ کیا

وہ آہ کیا جو زباں تک نہ لائے نام ترا — وہ درد کب ہی جو دل کو نہ دے پیام ترا

عطا کرے جسے تو مے وہ اٹھ کے لے ساقی — ادب شناس کو لازم ہی احترام ترا

مَیں دل سے اُس کے قلم پر نثار ہوتا ہوں — مٹا کے نام کو اپنے لکھے جو نام ترا

بتایا جاتا ہی دل دل میں ہیں بہت گوشے — کھلا نہ حال کہ ہی کس جگہہ مقام ترا

شبِ فراق کے جاگے تجھے مبارک ہو — نسیمِ صبح وہاں لے چلی پیام ترا

سمجھ سمجھ کے بڑھا دستِ آرزو ای مست — نہ میکدہ نہ صبوحی نہ خم نہ جام ترا

کنول ہیں چاند ستاروں کے جا بجا روشن — شبِ وصال میں اللہ رے اہتمام ترا

رہے یہ نعمتِ عظمےٰ نہ خاص تک محدود — اٹھا نقاب کہ کلمہ پڑھیں عوام ترا

نہ مرنے والوں کی آنکھیں نہ دل ہیں قابو میں — یہ کون وقت تھا آیا ہی کب پیام ترا

یہ اختیار تجھے ہی کہ دے نہ دے ساقی   گلہ نہ سمجھتے ہیں ہم بادہ کش حرام ترا

ہزار حیف رسائی ہو شاد کی کیوں کر

کمند آہ سے اونچا بہت ہی بام ترا

تجھی کو ای صنم زیبا ہی دعوئے کج کلاہی کا

تجھی کو حُسن نے خلعت پنھایا بادشاہی کا

دلِ پُر آرزو پر سیکڑوں مُہریں ہیں داغوں کی

لئے جاتا ہوں اپنے ساتھ محضر بے گُناہی کا

نہ پوچھو حال جو دم ہی وہ پیری میں غنیمت ہی

بھروسا ای عزیزو کیا چراغ صُبح گاہی کا

گوارا ہو گی رُسوائی نہ تجکو اپنے بندے کی

تری رحمت نہ موقع دیگی مجکو عذر خواہی کا

گِلہ جلوے کا تیرے کیا کہ عالم آشکارا ہی

ہمیں رونا تو جو کچھ ہے وہ اپنی کم نگاہی کا
نہیں کرتا ہوں ظاہر جرم عشق اعضا پہ بھی اپنے
بچا لینا ہے مجکو ہر طرح پہلو گواہی کا
رہیں اے شوق گھڑیوں اپنی آنکھیں ٹکٹکی باندھے
دیا موقع نہ اُس چینِ جبیں نے عُذر خواہی کا
زبانِ حال سے کہتا ہے ساری داستاں شب کی
رُخِ حسرت زدہ دیکھو چراغِ صبحگاہی کا
تن آسانی نے **شاد** آخر بٹھایا لا کے خلوت میں
بہانہ خوب ہاتھ آیا تجھے یادِ الٰہی کا

غضب نگاہ نے ساقی کی بندوبست کیا
شراب بعد کو دی پہلے سب کو مست کیا
چھری میں آگئی غصہ کے ساتھ برق دمی
مرے تڑپنے نے قاتل کو تیز دست کیا
بہ یک نگہ نہ رہے ہم تو آپ میں ساقی
ہمیں تو رنگ مے لالہ گوں نے مست کیا

بہت سے جام تھے پیر مغاں کے پیشِ نگاہ
کسی کو نیست کیا اور کسی کو ہست کیا

ملے نہ ہم ورِ ساقی سے تا بہ یومِ نشور
بسر زمانے کو اپنے بہ یک نشست کیا

کوئی خفا ہو تو ہو امرِ حق مگر یوں ہو
بتوں کی چال نے سب کو خدا پرست کیا

کسی کے آگے سے ساغر نہ میں نے کھینچا شادؔ
مرے خدا نے نہ مجھکو دراز دست کیا

نہ جاں بازوں کا مجمع تھا نہ مشتاقوں کا میلا تھا
خدا جانے کہاں مرتا تھا میں جب تو اکیلا تھا

گھروندا یوں کھڑا کر تو لیا ہی آرزوؤں کا
تماشا ہی جو وہ کہہ دیں کہ میں اک کھیل کھیلا تھا

ہمیشہ حسرتِ دیدار پر دل نے قناعت کی
بڑے در کا مجاور تھا بڑے مرشد کا چیلا تھا

جہاں چاہے لگے جس دل کو چاہے چور کر ڈالے

زباں سے پھیک مارا بات تھی ناصح کہ ڈھیلا تھا

بہت سستے چھُٹے ہم جان دیکر مل گیا ساغر

یہ سودا وہ ہی جس میں کیا کہیں کیا کیا جھمیلا تھا

کہاں دل اور فسونِ عشق کی گھاتیں کہاں یارب

نہ پڑنا تھا بلاؤں میں ابھی ناداں انیلا تھا

تماشا گاہِ دنیا میں بتاؤں کیا اُمیدوں کی

تنِ تنہا تھا میں اے شادؔ اور ریلے پہ ریلا تھا

کمالِ حُسن کو قدرت نے دل نواز کیا
یہ وہ عطا تھی کہ خود حُسن نے بھی ناز کیا

غریب دل کو محبت نے سر فراز کیا
زہے کرم کہ اُمیدوں سے بے نیاز کیا

نہ خوش ہو کیوں مری مستانہ چال پر ساقی
جو میکدے سے چلا رُخ سوئے حجاز کیا

ہزار شکر کہ میری نیازمندی نے
نگاہِ ناز کو تیری گدا نواز کیا

ہجوم عام میں راحت کہاں نصیب تھی قبر
جگہہ ملی تو ذرا پاؤں کو دراز کیا

زباں پہ آہ جو آئی تو ہنس کے ٹال دیا
کسی کے عشق کا افسانہ میں نے راز کیا

جو بن سنور کے گئی آسمان پہ میری دعا
در قبول فرشتوں نے اُٹھ کے باز کیا

کچھ اس طرح سے چھپائے تھا اپنی مستی شاد
کہ میکدے میں کسی نے نہ امتیاز کیا

کافروں میں تھا نہ ہم سے نامسلمانوں میں تھا
ہاں اگر ایمان تھا تو تیرے دیوانوں میں تھا

لب پہ آیا نام ادھر اور مست گرنے سے بچا
یہ تو ادنیٰ معجزہ ساقی کا میخانوں میں تھا

کیا کوئی قیدی ترا اے جسم چھوٹا قید سے
آج کیوں شورِ مبارکباد دیوانوں میں تھا

یہ کسی اپنے بیگانے کا نہ شکوہ جانئے
جس کو جس کو آزما دیکھا وہ بیگانوں میں تھا

خود پسندی نے جسے روکا بتوں کے عشق سے
ہو مسلماں لاکھ لیکن نا مسلمانوں میں تھا

اس سرا میں کس کی بدنظمی کا شکوہ کیجیے
میزباں کا ذکر کیا جو تھا وہ مہمانوں میں تھا

شاد تف اس زیست پر اور زیست بھی لیلیٰ کے بعد
قیس عاشق تھا مقرر، پر گراں جانوں میں تھا

جی گیا دل دم میں، دم میں مر گیا
مرنے والا زندگی یوں کر گیا

کس بری ساعت سے خط لیکر گیا
نامہ بر اب تک نہ آیا مر گیا

دل تو جانے کو گیا لیکن مجھے
اس بھری محفل میں رسوا کر گیا

حسرتیں تھیں جینے والی جی گئیں
مرنے والا تھا دل اپنا مر گیا

ہر نوالہ اب تو اس کا تلخ ہے
غم نعمت تھی مگر جی بھر گیا

مرنے والے دل تجھے اب کیا کہوں
خیر بخشا میں نے جو کچھ کر گیا

جس گلی میں تھا وہاں تھی کیا کمی ای گدا کیوں مانگنے در در گیا

دل سے نکلا تھا کہ پہونچا عرش پر نالۂ دل نام اونچا کر گیا

میکشو ماتم کرو اب شاد کا

ہائے کیا میخوار رحلت کر گیا

نالوں کی کشاکش سہہ نہ سکا، خود تارِ نفس بھی ٹوٹ گیا

اک عمر سے تھی تکلیف جسے کل شب کو وہ قیدی چھوٹ گیا

تھی تیری تمنا کاہشِ جاں اور درد سے میں دیوانہ تھا

چھالا تھا دل اپنے سینے میں ای وا اَسفا وہ پھوٹ گیا

آیا تو یہی تھا دل میں مرے اور وں ہی پہ کُلّی پھیک بھی دوں

ساقی کا اشارا پاتے ہی میں زہرِ ستم کو گھونٹ گیا

تابوت پہ میرے آئے جو وہ مٹی میں ملایا یوں کہہ کر

پھیلا دیئے دست و پا تو نے اتنے ہی میں بس جی چھوٹ گیا

نازک تھا بہت کچھ دل میرا ای شاد تحمل ہو نہ سکا
اک ٹھیس لگی تھی یوں ہی سی کیا جلد یہ شیشہ ٹوٹ گیا

مسافروں نے بندھے جگ کو اپنے توڑ دیا — قریب گھر کے پہونچتے ہی ساتھ چھوڑ دیا
ہجوم اشک سے دیدار میں خلل نہ پڑے — جو اب کے روئیں تو آنکھوں کو میں نے پھوڑ دیا
یہ دوستی تھیں ایسوں کی شان ہو واعظ — کہ جب کسی کو جگانے لگے جھنجھوڑ دیا
ہزار شکر تری اس عطا پہ ای ساقی — جو ایک جام دیا لاکھ کیا کروڑ دیا
گرا جو ہاتھ سے شیشہ معاف کر ساقی — کسی نے زور سے پنجہ مرا مروڑ دیا
شکستہ جام ہمیشہ شکستہ ہے ناصح — ہزار تو نے مسالا لگا کے جوڑ دیا
لہو کا نام نہیں جوش ہو تو کیونکر ہو — کسی نے داب کے مٹھی میں دل نچوڑ دیا

دل شکستہ سے کیا معذرت کروں ای شاد
مجھے تو ہجر نے اس سال اور توڑ دیا

وہ کیسی لذت تھی ای محبت کہ جس نے ہر نقش کو مٹایا

نہ نیست ہونے کا جی میں دھڑکا نہ ہست کا کوئی لطف پایا
نظر میں ویران ہی بزم عالم بغیر دل کے یہ ہم نے پایا

جو دل پہ الزام ہی گیا کیوں ہمیں نے یاں رہ کے کیا بنایا
امید اور وہ بھی کس کی ای دل وصال سی شوخ کی اُف نہ کچھ کہہ

ہمیشہ دھوکے پہ کھائے دھوکے ہمیشہ رہ رہ کے آزمایا
انھیں جو منظور دیکھنا ہی تو آکے ایسے میں دیکھ جائیں

لیا سہارا مریضِ غم نے چراغ کچھ بجھ کے جھلملایا
کہاں یہ ریشِ سفید اپنی، کہاں جوانوں کی بزم ساقی

عجب بلا ہی یہ شوق کافر ہمیں یہاں تک لگا کے لایا
بتاؤ للہ منصفی سے یہ تذکرہ کر رہا ہوں دل کا

یہی وفا تھی یہی مروت کہ پھر کے شامت زدہ نہ آیا
کچھ اقتضا سن کا بھی تو سمجھو کہاں گلی اُس کی اور کہاں تم

مرے بوئے دل میں شاد آخر کہاں کا یہ ولولہ سمایا

نہ ابرو نے نہ مژگانِ حجاب آلودہ نے مارا
ہمیں ساقی تری چشمانِ خواب آلودہ نے مارا

رُخِ روشن پہ بل کھائی ہوئی زلفوں کا جھک پڑنا
جو سچ پوچھو تو اِس ماہِ سحاب آلودہ نے مارا

نشیلی آنکھ کا ڈورا اٹھا ساقی یا سرو ہی تھی
ترے رندوں کو اس مستِ شراب آلودہ نے مارا

اُمنڈ آنا اچانک چشم حیرت زا میں اشکوں کا
بھری محفل میں اس سیلِ شتاب آلودہ نے مارا

وہ نکہت گیسوؤں کی اور عرق میں تر وہ رُخسارے
سنگھا کر اپنی بو عطر گلاب آلودہ نے مارا

پھنسا رکھا ہمیں اس بے وفا دنیا کی لذت نے

بڑھا کر ذوق زہر شہد ناب آلود نے مارا

سبق اَلسَّعیُ مِنِّی کا بھلایا **شاد** کیوں تم نے
گلہ کس کا تمھیں خود پائے خواب آلود نے مارا

کعبہ بھی ہو ٹوٹا ہوا بتخانہ ہمارا — یارب رہے آباد یہ ویرانہ ہمارا
باطن کی طرح پاک ہو خمخانہ ہمارا — کیونکر نہ اچھوتا رہے پیمانہ ہمارا
جو شمع ہوا کرتی ہو روشن سَر بازار — اُس شمع پہ گرتا نہیں پروانہ ہمارا
ساقی ترا میخانہ رہے حشر تک آباد — بھر جاتا ہو کشکولِ گدایانہ ہمارا
بہہ جائے گا اس بزم میں اک فیض کا دریا — آتا ہو چھلکتا ہوا پیمانہ ہمارا

تاثیر نہ ہو **شاد** تو دینا ہمیں الزام
کچھ دیر تو سُن وعظ حکیمانہ ہمارا

بس چلے کس پہ نہیں تجھ پہ جو قابو اپنا — کس سے امید ہمیں جب نہ ہوا تو اپنا
نکہت گل بہت اترائی ہوئی پھرتی ہو — وہ کہیں کھول بھی دیں طرۂ گیسو اپنا

کون ای طولِ شبِ غم ترا جھگڑا رکھّے — آج قصّہ ہی کئے دیتے ہیں یکسو اپنا

نکہتِ خلدِ بریں پھیل گئی کوسوں تک — وہ نہا کر جو سُکھانے لگے گیسو اپنا

لِلّٰہ الحمد کدورت نہیں رہنے پاتی — مُنھ دھلا دیتا ہی ہر صبح کو آنسو اپنا

غم میں پروانۂ مرحوم کے تھمتے نہیں اشک — شمع ای شمع ذرا دیکھ تو مُنہ تُو اپنا

شاد سمجھاتے ہیں کیوں غیر لیا کیا اُن کا
چشمِ تر اپنی ہی دل اپنا ہی آنسو اپنا

سبو اپنا اپنا ہی جام اپنا اپنا — کئے جاؤ میخوارو کام اپنا اپنا

نہ پھر ہم نہ افسانہ گو ای شبِ غم — سحر تک ہی قصہ تمام اپنا اپنا

جناں میں ہی زاہد ترے در پہ ہم ہیں — محل اپنا اپنا مقام اپنا اپنا

حباب و ہم اپنی کہیں یا تمھاری — بس اک دم کے دم ہی قیام اپنا اپنا

کہاں نکہتِ گل کہاں بوئے گیسو — دماغ اپنا اپنا مشام اپنا اپنا

خرابات میں میکشو آ کے چن لو — نبی اپنا اپنا امام اپنا اپنا

سمجھتا ہی اس دَور میں کون کس کو — کریں رند خود احترام اپنا اپنا

اجارا نہیں **شاد** اس میں کسی کا — زباں اپنی اپنی کلام اپنا اپنا

کیا غلط زعم ہی بعد اپنے کسے غم اپنا — ہاتھ قابو میں ہو کر لے ابھی ماتم اپنا

ٹھان لی ہو کہ ترے کوچہ کی ہو جائیں گے خاک — اک یہی قصد تو پاتے ہیں مصمم اپنا

رات گذری سحر آئی مگر ای گل ہو یہ خوف — کوچ در پیش نہ ہو صورتِ شبنم اپنا

ہم وہ میکش ہیں کہ ساغر کی طرح ای ساقی — سر ہمیشہ تری خدمت میں رہا خم اپنا

ای اسیرانِ قفس کچھ تو شگون اچھا ہو — ہاتھ جاتا ہو گریباں کو جو پیہم اپنا

بخشوا دیں گے ہم اور وں کے بھی ای **شاد** قصور

جدا علیؑ ہو شہنشاہِ دو عالم اپنا

جُنوں ایک ایک تنکا، سر پہ لوں احساں زمانے کا

تن آسانی گراں ہو، نام تک اب آشیانے کا

تکلف تب ہوا ای مشاطہ زلفوں کے بنانے کا

کہ سلجھیں گتھیاں اور بال بیکا ہو نہ شانے کا

ہماری جان صدقے نوجواں قاتل کے غصہ پر
کوئی انداز دیکھے آستینوں کے چڑھانے کا

مرا سب حال کہہ لینا تو قاصد یہ بھی کہہ دینا
خبر کر دی تمھیں، ہو اختیار آنے نہ آنے کا

ستاروں کی طرح پیشانیاں اُن کی چمکتی ہیں
میسّر ہے جنھیں سجدہ تمھارے آستانے کا

نہالانِ کہن پر جب خزاں آتی ہے روتا ہوں
بڑھاپا چین کا ہے وقت یا صدمہ اُٹھانے کا

غضب ہے اُس نے سمجھا قیس و لیلیٰ استعارہ ہے
میں قصہ کہہ رہا تھا یار سے اگلے زمانے کا

جدھر دیکھو نئی شکلیں، نئے نقشے، نیا جلوہ

یہ دنیا بھی ہے اک گوشہ ترے آئینہ خانے کا
چمن کو یاد کر کے گھڑیوں ہی آنسو بہاتا ہوں
کوئی تنکا جو مل جاتا ہے اجڑے آشیانے کا
اس آشفتہ بیانی کو کوئی سمجھے تو کیا سمجھے
سرا تم نے بھلایا شاد آپ اپنے فسانے کا

جام بنتا ہے فلک عشق کے میخانے کا
ظرف دیکھو تو اس الٹے ہوئے پیمانے کا
آکے زنجیر کو آنکھوں سے لگائیں ہشیار
دل سے لازم ہے ادب آپ کے دیوانے کا
آنکھیں مل دیدۂ عبرت سے خرابات کو دیکھ
اک زمانہ تھا اس اجڑے ہوئے ویرانے کا
غم میں جو آنہ سکے دل میں سما جاتی ہے
ظرف دیکھے کوئی اس چھوٹے سے پیمانے کا
قابل مدح ہے تب ولولۂ کسب کمال
دل سے مٹ جائے جب ارمان صلہ پانے کا
حشر میں جھک کے وہ لیتا ہے قدم جھک جھک کر
آج دیکھے کوئی رتبہ ترے دیوانے کا
شاد آخر ہے شب اور پاؤں میں طاقت ہے ابھی
اس سرا سے ہے یہی وقت نکل جانے کا

سہی کس نے ہو کون تیری سہے گا | نہ کوئی رہا ہو نہ کوئی رہے گا
زمانے سے ہم تو گذر جائیں گے خود | زمانہ مگر آپ کو کیا کہے گا
اِن آنکھوں پہ رکھئے نہ دامن اُٹھاکر | یہ دریا ابھی مدتوں تک بہے گا
چلا جاؤں گا مَیں جو محفل سے تیری | کوئی اور میری جگہہ آرہے گا
یوں ہی صبح ہوگی یوں ہی شام ہوگی | یہی رات دن کا تماشا رہے گا
عدم کے مصائب کا دل کو خطر کیا | یہاں سہہ رہا ہو وہاں بھی سہے گا
ترا نام کیوں غیر لے میرے آگے | مرا دل بھی دل ہو کچھ آخر کہے گا

یہ دنیا ہو ای شاد ناحق نہ اُلجھو
ہر اک کچھ تو اپنی سی آخر کہے گا

جب کسی نے حال پوچھا رو دیا | چشمِ تر تو نے تو مجکو کھو دیا
داغ ہو یا سوز ہو یا درد و غم | لے لیا خوش ہو کے جس نے جو دیا
دل کی پروا تک نہیں ای بیخودی! | کیا گیا، پھینکا کہاں کس کو دیا

کچھ نہ کچھ اس انجمن میں حسب حال　　　تو نے قسّام ازل سب کو دیا

شاد کے آگے بھلا کیا ذکر یار

نام اِدھر آیا کہ اُس نے رو دیا

یہ خیال چاہیے ناز کو کہ محل سمجھ لے حجاب کا

مرے شوق کی نہ سنے اگر تو گلہ عبث ہی نقاب کا

تری غفلتوں کا ہی یہ اثر کہ اب آپ دل کو ہی اپنے شک

یہ بیانِ حال ہی واقعی کہ فسانہ کہتا ہوں خواب کا

نہ ستا مجھے بہت ای زباں ہوں خموش عالم شیب میں

تری بات بات ہی مرثیہ مرے مرنے والے شباب کا

کسی غیر کو اگر اپنے گھر اسے دیکھنے کا ہو وہم بھی

تو الٰہی خانہ خراب ہو مری چشم خانہ خراب کا

وہ جو مر گئے ترے دھیان میں وہ ہیں مست اپنے ہی حال میں

نہ کریں گے شکر ثواب کا نہ گِلہ کریں گے عذاب کا

وہ نگاہ خوگرِ خشم ہے، مرے دل کو تاب کہاں بھلا
کوئی فکر کر مری عاجزی کہ تحمل آئے عتاب کا

یہی آرزو ہے ملیں اگر کہیں **شاد** مجلسِ وعظ میں
کہوں اُن سے کان میں جھک کے مَیں کہ یہ حال کیا ہے جناب کا

عرش پہ ہم ہوئے تو کیا، زیرِ زمیں ہوئے تو کیا
میں جو یہاں تو کیا ہیں ہم اور جو نہیں ہوئے تو کیا

دیر و حرم میں گر نہیں، خیر نہ ہوں نہیں سہی
میرے ہی پاس جب نہیں آپ کہیں ہوئے تو کیا

ہم تھے مٹے ہوئے یوں ہی روزِ ازل سے اے اجل
روئے زمیں پہ ہیں تو کیا زیرِ زمیں ہوئے تو کیا

کل تو رگڑ رگڑ کے پھر سادہ بنائے گا فلک

آج اگر یہ اے نام نقشِ نگیں ہوئے تو کیا
جوشِ شباب میں دلا! کفر میں بھی تھا اک مزا
مٹ گئی جی کی جب اُمنگ طالبِ دیں ہوئے تو کیا
چشمِ گہر فشاں مری جبکہ ہوئی نہ کامیاب
مان لیا کہ سب سے آپ بڑھ کے حسیں ہوئے تو کیا
یاد رہے کہ مر کے بھی شاد نہ پاؤ گے نجات
اہلِ جہاں سے ڈر کے تم گوشہ گزیں ہوئے تو کیا

شانہ جب زُلفیں تری سُلجھائے گا
آنکھ والوں سے نہ دیکھا جائے گا

ہم سے صحرا گرد کو چھوڑا ای غبار
تو کہاں تک پیچھے پیچھے آئے گا

کھو گئے ہیں دونوں جانب کے سِرے
کون دل کی گتھیاں سلجھائے گا

مَیں کہاں واعظ کہاں توبہ کرو
جو نہ سمجھا خود وہ کیا سمجھائے گا

باغ میں کیا جاؤں سر پہ ہے خزاں
گُل کا اُترا مُنہ نہ دیکھا جائے گا

میری جاں میں کیا کروں گا سچ بتا دھیان جب اتوں کو تیرا آئے گا

کم نہ سمجھو شوق کو اے شادؔ تم
اک نہ اک دن بڑھ کے آفت ڈھائے گا

میں دل کے داغ کو دنیا ہی سے مِٹا آیا جہاں یہ پھول چُنے تھے وہیں چڑھا آیا
سبق تو مکتبِ الفت میں سب کا تھا یکساں کسی کو شکر کسی کو فقط گِلا آیا
شراب دے کہ نہ دے تجھ پہ میں فدا ساقی مجھے تو بات میں تیری بڑا مزا آیا
سبو کے آتے ہی اللہ ری خوشی اے مست امام آئے رسول آگئے خدا آیا

کچھ اس طرح سے کہی اپنی داستاں اے شادؔ
اُنھیں بھی آج بڑی دیر تک ہنسا آیا

دل اُس گلی میں جا کے نہ یوں بے سبب رہا ذرّے کی کیا بساط کہیں جا کے دب رہا
ساقی شبِ نشاط کو اب سے مرا سلام دن بھر خمارِ محفلِ عیش و طرب رہا
طوفاں کا ظلم ایک طرف موج ایک سمت جس وقت تک حباب رہا جاں بلب رہا

زاہد سے جب سنو تو زباں پر ہے ذکرِ حور | نیّت ہوئی خراب تو ایمان کب رہا
مانگیں مُرادیں جب تو ملیں نامرادیاں | محروم آج تک تو نہ دستِ طلب رہا
ساقی کے فیضِ عام پہ تکیہ رہا اُسے | سب کچھ کہا اُسی نے جو یاں بستہ لب رہا

جانے دو ذکرِ شاد کی باتوں سے کام کیا
دُنیا کی آرزو میں یہ دنیا طلب رہا

تو بھی راحت نہ ملی ترک جو اسلام کیا | کفر شاکی ہے کہ ناحق نے مجھے بدنام کیا
کچھ دنوں تک تو اُمیدوں میں کٹی راحت سے | اُس نگاہِ غلط انداز نے کیا کام کیا
مر گیا دل مگر اب تک ہے وہی نالہ و آہ | مر کے کمبخت نے مرنے کو بھی بدنام کیا
لڑکھڑا کر نہ گرا رقص کناں جو سوئے خم | پینے والوں کو بھی اُس مست نے بدنام کیا
مَیں تو وحشی تھا گریباں کو ادھورا چھوڑا | تو نے اے ہوش! کس آغاز کا انجام کیا
حسرت آمیز صدا آتی ہے یوں قبروں سے | آج آتا جو مرے کام نہ وہ کام کیا
حضرتِ شاد سے کرنی ہے جو فرشتو کیا عرض | چپ رہو غل نہ کرو آپ نے آرام کیا

جمے کس طرح اس حیرت کدہ میں اعتبار اپنا
نہ دل اپنا نہ جاں اپنی نہ ہم اپنے نہ یار اپنا
یوں ہی عادت رہی اُن کو اگر دامن جھٹکنے کی
خدا جانے کہاں تک اُڑ کے پہونچے گا غبار اپنا
کوئی قطرہ بھی خم سے ڈھال لیں بے اذن کیا ممکن
یہ میخانہ ہے ساقی کا یہاں کیا اختیار اپنا
خطر کیا کشتیِ مے کو بھلا موجِ حوادث کا
ادھر گھبرا کے یا ساقی کہا بیڑا اٹھا پار اپنا
معاذ اللہ فرقت کی ہیں راتیں قبر کی راتیں
ابھی سے یاں ہوا جاتا ہے سُن سُن کر فشار اپنا
گلوں کی سُرخ رنگت جسم میں لُوکے لگاتی ہے
دکھاتی ہے تماشا کس کی آنکھوں کو بہار اپنا

چھپائے گا کسی دن عرش تک کو اپنے دامن میں
دکھا دے گا تماشا پھیل کر مشتِ غبار اپنا
نہیں کرتا گوارا راہ رو کے دل پہ میل آنا
اُڑا کرتا ہے رستہ سے الگ ہٹ کر غبار اپنا
کسی صورت سے جلد ایجادؔ تک اے شاد جا پہونچیں
وہ شاید راستہ میں کر رہے ہیں انتظار اپنا
بہت کچھ مختلف خبریں ہیں کیوں صیاد کیا ہوگا؟
یہ قیدی پھر مقید ہوگا چھٹ کر یا رہا ہوگا
تمنّائیں مری ایام طفلی کے گھروندے ہیں
تمھیں کو پھر بنانا ہے مٹا دینے سے کیا ہوگا
یہ سمجھاؤ اُسے دل میں ہو جس کے مدعا کوئی
کہ ترک مدعا کرنے سے حاصل مدعا ہوگا

بھلا دیں گی عتاب آلودہ آنکھیں مستیاں ساری
ندامت سے سر اپنا پائے ساقی پر جھکا ہو گا

لگی لپٹی نہ رکھے گا کھری کہہ دے گا رندوں کو
وہ میکش جو تری محفل میں ساقی بے ریا ہو گا

نہ دے بھر بھر کے ساغر ہم سے کم ظرفوں کو اے ساقی
خراباتِ مغاں کا راز ناحق برملا ہو گا

یہاں تو جا و بے جا بندشیں ہر ہر قدم پر ہیں
وہ کیسی سرزمیں ہو گی جہاں سب کچھ روا ہو گا

یہی بس ہے کہ اک کافر ادا نے مار رکھا ہے
اگر ہم نام بھی لیں گے تو اے قاصد گلا ہو گا

ترے در پر ہے اے پیرِ مغاں مجھ سا گدا کب سے
سخی داتا مرا کشکول بھی بھر دے بھلا ہو گا

نہ پوچھو اُس کی حالت جس کو دشمن ہر طرف کھینچیں
دلِ نامطمئن خود منتشر ہو اس سے کیا ہو گا

تم اپنے شعر میں ای **شاد** رکھو باطنی خوبی
اب ایسا کیا کہ سب کا ذہن اتنا نارسا ہو گا

میں دم میں خاک ہوا وہ غریب آب ہوا
سب اک قماش کے تھے میں ہوا حباب ہوا

ہر اک کا وقت جدا ہی ہر اک کی شان جدا
سب اُسکی دین ہی پیری ہوئی کہ شباب ہوا

بتا تو ای شبِ غم آج دل ہی کیوں بشاش
ضرور نالۂ شبگیر باریاب ہوا

کسی کو تم میں سے رخصت کہاں ٹھہرنے کی
گلو! بہار ہوئی تم ہوئے شباب ہوا

ہزار شکر دیا زندگی نے صاف جواب
ہزار شکر اُمیدوں کا سدّباب ہوا

نہ مجکو دیکھ کے حیرت زدہ ہو ای پیری!
مجھی پہ کیا ہی زمانے کو انقلاب ہوا

اگر کسی کی بُرائی بھی دل میں آئی **شاد**
ہمیں تو اپنی ہی نیت سے خود حجاب ہوا

پکڑ کے صید کو ٹوٹے قفس میں بند کیا کسے گلہ یہی صیاد نے پسند کیا

لپٹ کے کاکل جاناں سے ناز کر شانے! خدا نے عرش سے رتبہ ترا بلند کیا

خوشا وہ صید جو پھنس کر نہ دم میں تڑپا زہے شکار جسے بستۂ کمند کیا

ملے جو خاک میں آنسو تو اس کا رونا کیا کر اس کا شکر کہ نالوں کو سر بلند کیا

دوبارہ دی مجھے بھر کر شراب ساقی نے ادائے شکر نے حصہ مراد و چند کیا

جو بل کی لیتے تھے ہم وحشیوں سے اُن کو بھی تمہارے عنبر گیسو نے مشکبند کیا

تم ایسے دل سے ہو بیزار شاد حیرت ہو
یہی وہ دل ہے جسے درد نے پسند کیا

ترے کماں کی حد کب کوئی بشر سمجھا اُسی قدر اسے حیرت ہو جس قدر سمجھا

کبھی نہ بند قبا کھول کر کیا آرام غریب خانہ کو تم نے نہ اپنا گھر سمجھا

پیام وصل کا مضموں بہت ہی پیچیدہ کئی طرح اسی مطلب کو نامہ بر سمجھا

نہ کھل سکا تری باتوں کا ایک سے مطلب مگر سمجھنے کو اپنی سی ہر بشر سمجھا

اِسی نے شاد کیا راہ سے مجھے بے راہ
غلط کیا جو دلیلوں کو معتبر سمجھا

ساغر ہمارا میناہمارا — جنت ہماری طوبیٰ ہمارا
آنکھوں پہ بیکار دامن نہ رکھئے — امڈا ہوا ہے دریا ہمارا
داتا کے در سے لیکر پھریں گے — بھر دے گا اک دن کاسا ہمارا
لب تشنہ مرنا احساں سے بہتر — دیکھا کیا منہ دریا ہمارا
مے پر کسی کو خُم پر کسی کو — ساقی پر اپنے دعوا ہمارا
ہم کو ستا کر خود تھک گئیں تم — صبر اے بلاؤ دیکھا ہمارا

بستی سے مطلب کیا بے نوا کو
کچھ کم نہیں شاد صحرا ہمارا

نہ اپنا آپ میں مالک نہ شادی اور نہ غم میرا
مجھے اے زندگی آزاد کر گھٹتا ہے دم میرا

پڑھے منکر بھی کلمہ دیکھ کر طرز رقم میرا
عصا موسیٰ نبیؑ کا، تیغ حیدرؑ کی قلم میرا

بڑھا یا کس مبارک راہ میں پائے طلب میں نے
کہ اپنے نقشِ پا کو چوم لیتا ہے قدم میرا

رہیں یا جائیں دونوں حالتیں یکساں ہیں کیا پروا
میں بیگانہ ہوں دونوں سے نہ شادی اور نہ غم میرا

اُٹھائے جس قدر مزدور بوجھ اُتنا ہی دیتے ہیں
عجب کیا ہے مجھی کو خود گرا دے بارِ غم میرا

وہ زلفیں بے محابا آئینے سے جھک کے کہتی ہیں
کہاں دیکھا ابھی اے آنکھ والے پیچ و خم میرا

تصوّر وہ بھی میری طرح کر لے روئے زیبا کا
نہ دیکھے اس طرح حسرت سے مُنہ شمعِ حرم میرا

نہیں کم نعمتِ دارین سے نعمت مضامیں کی
ترے سجدے کو جھک جاتا ہے رہ رہ کر قلم میرا

کسی معجز نما آنکھوں پہ میں ایمان لایا ہوں
کرے گا خود طواف آ آکے آہوئے حرم میرا

نہ کیوں کر ہو خوشی دل کو کہ مرنا ہے بڑھاپے کا
عزیزو دوستو! تم کو ستائے گا نہ غم میرا

مجھی پر شاد پڑتی ہیں نگاہیں نکتہ سنجوں کی
وطن خوش نام ہے جس وقت تک باقی ہے دم میرا

ہمدمی کے لئے شاید دمِ فریاد آیا
کدھر اے اشکِ تواتر میں کدھر یاد آیا

ذرہ ذرہ پہ گمانِ شجرِ طور ہے کیوں
کس کے کوچہ سے یہ خاکستر برباد آیا

اے قیامت مجھے بیکس نہ سمجھنا حاشا
دیکھنا کوئی نہ کوئی پئے امداد آیا

ہائے کس کس سے نہ شرمندہ ہوئی اپنی نگاہ
تو جو ہنگامۂ محشر میں مجھے یاد آیا

شبِ غم سونگھ گیا سانپ مؤذن کو بھی آج جلدی سے نہ کافر کو خدا یاد آیا

حق پرستی کے یہ معنی ہیں تو زاہد میں باز جب بتوں پر نہ چلا زور خدا یاد آیا

شاد ایسے میں نہ توڑا تھا بھلے کو میں نے
پھول پر ہاتھ بڑھایا تھا کہ دل یاد آیا

اب بھی اک عمر پہ جینے کا نہ انداز آیا زندگی چھوڑ دے پیچھا مرا میں باز آیا

لے رہا ہو درِ میخانہ پہ سن گن واعظ رند و ہشیار کہ اک مفسدِ پرداز آیا

اشک آنکھوں میں مری دیکھ کے ہنس دیتے ہیں سب دوستو مجکو خجل کرنے یہ غماز آیا

چین دے گا نہ مجھے تازہ اسیری کا خیال دھیان اس کا نہ تجھے حسرتِ پرواز آیا

رند پھیلائے ہیں چلو کو تکلف کیسا ساقیا ڈھال بھی دے جام خدا ساز آیا

اک خموشی میں گلو تم نے نکالے سب کام غمزہ آیا نہ کرشمہ نہ تمھیں ناز آیا

کہتے ہیں شعر کسے بزم پہ کھل جائے گا
شاد آیا نہ کہو حافظِ شیراز آیا

دنیا و دیں کے حال سے دل بے خبر نہ تھا لیکن کھلا نہ حال کدھر تھا کدھر نہ تھا

آیا تو دل میں تھا کہ جھکا دیں جبینِ شوق لیکن وہاں کی خاک کے قابل یہ سر نہ تھا

رہ رہ کے مجھکو آتی ہے اپنی امید کی بیکس کی لاش پر بھی کوئی نوحہ گر نہ تھا

صدمہ ترے فراق کا میں کیا کروں بیاں بس انتہا تو یہ ہے کہ مرنے کا ڈر نہ تھا

کیا پوچھنا عدم میں اُمید وصال کا اس ملک میں بہانہ شام و سحر نہ تھا

پایا نہ میں نے بزم میں خالی کسی کا جام ساقی پہ میں فدا متوجہ کدھر نہ تھا

کیوں شاد اس میں رہ کے بسر کس طرح ہوئی
جس گھر میں چار سمت تھی دیوار در نہ تھا

بہت دنوں پہ مری چشم میں نظر آیا اے اشک خیر تو دل کی ہو تو کدھر آیا

ہزار شکر کہ مدت پہ یہ اثر آیا لیا جو نام ترا دل میں تو اُتر آیا

گواہیاں ہوئیں اعضا کی حشر میں مقبول وہ پاک ہو گئے الزام میرے سر آیا

ہجومِ غم نے سکھانے کی لاکھ کی کوشش ہمیں تو آہ بھی کرنا نہ عمر بھر آیا

لحد میں شانہ ہلا کر یہ موت کہتی ہے
لے اب تو چونک مسافر کہ اپنے گھر آیا

ہزار شکر ہوا آفتاب حشر طلوع
بڑی تو بات رہی یہ کہ تو نظر آیا

نظر ملی کہ ہوا دل میں جاگزیں وہ بت
یہ نقش صفحۂ خالی پہ جلد اُتر آیا

زباں پہ آتا ہے نالہ بھی سو کرشموں سے
کہاں سے آپ کے انداز کا اثر آیا

اسی کو شعر سمجھتے ہیں شاد اہل مذاق
ادھر پڑھا کہ دلوں میں ادھر اُتر آیا

صدا کل شام سے الفت کا آزاری نہیں دیتا
نقاہت بڑھ گئی شاید دل اب یاری نہیں دیتا

رگڑواتا ہے برسوں ایڑیاں بیمار اُلفت سے
یہ عشق کینہ خُو دو دن کی بیماری نہیں دیتا

کوئی تو نفع بھی دنیا کا آخر سوچ لیتا ہے
کسی کو بے سبب اللہ سرداری نہیں دیتا

شبِ غم تا سحر جیتا ہوں تو جی سکتا ہوں مر کھپ کر
سمجھ کر جان دیتا ہوں بہ ناچاری نہیں دیتا

شفائے دردِ دل سے یاس آزاری کو ناحق ہے
دوا جس کی نہ ہو خالق وہ بیماری نہیں دیتا

چلوں دُنیا سے پشتارہ اُٹھائے آرزوؤں کا
اجازت اس کی بھی شوقِ سبکباری نہیں دیتا

ازل سے ہر ادا و ناز کی فطرت میں خوں ریزی
کسی کو حُسن خود حکمِ جفاکاری نہیں دیتا

شبِ فرقت نے اب کے زور سارا لے لیا اپنا
کروں نالے مگر اے شادؔ دل یاری نہیں دیتا

آنکھوں میں آ کے خونِ دل اپنا ٹپک پڑا
کافی ذرا سی ٹھیس تھی ساغر چھلک پڑا

دل سے اور اُس کے ناوکِ مژگاں سے چھیڑ تھی
اے زخم تو تو بیچ میں ناحق ٹپک پڑا

ساقی نے آنکھ بھر کے جو دیکھا رہی نہ تاب کانپا یہ اپنا ہاتھ کہ مینا چھلک پڑا

تو ہوگی اور دور بدری ای شبِ فراق سویا کروں گا چین سے میں حشر تک پڑا

ای شاد تھا خموش زمانے سے ہمصفیر
نالہ مرا سُنا جو یکایک چہک پڑا

دے کے تہی سبو مجھے صبر کا حوصلا دیا جس کی طلب تھی ساقیا اُس سے کہیں سوا دیا

ہل نہ گیا ہو ساقیا درد کہیں نہ لال سے تو نے ہلا کے جامِ مَے دل کو مرے ہلا دیا

بخش دیا تھا عشق کو صبرِ گریز پا اگر حُسن کو تو نے کس لیے غمزۂ دل رُبا دیا

پیرِ مغاں نے مغبچو تم کو دیا تھا جو سبق تم نے اُسی کا حرف حرف نامِ خدا بھلا دیا

اور تو کچھ گلہ نہیں شکوہ یہ ہی کہ دے کے شوق دشمنِ جانِ آبرو ساتھ مرے لگا دیا

سچ ہی کہ اس سے جو نہ ہو کم ہی وہ ای جمالِ یار خوب کیا جو عشق کو طالعِ نارسا دیا

پیرِ مغاں کا بھی ادب بھول گیا وہ مے پرست جس نے بھرے سُبو کی قدر خاک نہ کی لُنڈھا دیا

میرے غریبِ دل تجھے بھائی مسافرت کی شام صبحِ وطن کو شامتی چھوٹتے ہی بھلا دیا

تھے وہ سرھانے جلوہ گر محو تھا دل نیاز میں ــــ تو نے تھپک کے اے اجل مفت ہمیں سلا دیا

کچھ نہ کھلا کہ ہے پسند کیوں اُسے بے تعلقی ــــ جس نے تعلقات میں دل کو مرے پھنسا دیا

اب نہ پلٹ کے آئے گی عمرِ عزیز شاد حیف

دولتِ لازوال تھی تو نے جسے گنوا دیا

ہر طرف ہے وہی ہر شے میں ہے جلوا اُس کا

ترکِ نعمت جو کروں ترک ہے گویا اُس کا

چشمِ بینا میں کہاں چُھپتی ہے دو دن کی بہار

گل جو کھلتے ہیں تو ہنس دیتا ہے شیدا اُس کا

نہ مِلے گا وہ کبھی یوں نہ کہو نامہ برو

ڈھونڈھ لے گا کسی تدبیر سے جُویا اُس کا

مسلکِ عشق جدا، جادہ اور اک جدا

اس دوراہے سے کدھر جائے شناسا اُس کا

اپنی ناکامی کا کیا غم ہی، مگر حشر کے دن
کیا قیامت ہی کہ منہ دیکھے گی دُنیا اُس کا
ہو خفا اُس سے تو جائے کدھر اُس کا عاشق
باغ اُس کا ہی جو اے **شاد** تو صحرا اُس کا

جنت سے خوش نہیں ہی طلبگار آپ کا
ہی اصلِ مدعا وہی دیدار آپ کا
حرماں نصیب پھرتا ہی بازارِ دہر میں
نقدِ وفا کو لے کے خریدار آپ کا
آنکھوں میں ہو جو نور تو حاصل ہی آج بھی
کچھ کل پہ منحصر نہیں دیدار آپ کا
گردن میں طوق ہو کہ سلاسل میں ہوں قدم
آزاد ہر طرح ہی گرفتار آپ کا
کرتے تھے یاد غیض و غضب سے جو شاد کو
حاضر ہی سامنے وہ گنہگار آپ کا

چارہ گر کون زمانے میں ہی چارا کس کا
آپ تو اپنا سہارا ہی سہارا کس کا
آکے ماتھا درِ جاناں پہ رگڑتا ہی کون
ہم بھی دیکھیں کہ چمکتا ہی ستارا کس کا

کارفرما تو ہیں عالم میں یہی موت و حیات
کون سمجھے کہ ہے در پردہ اشارا کس کا

سب تو عاشق ہیں نظر کیوں نہیں یکساں سب پر
اُن سے پوچھے سبب اس فرق کا یارا کس کا

نظرِ مہر نہیں ایک کی بھی دل پہ مرے
ہو رہے آہ یہ تقدیر کا مارا کس کا

کم سہی پھر بھی تو ملتا ہے خوشی کا حصہ
صرف غم کھانے سے ہوتا ہے گزارا کس کا

اس سرا میں کسی مہمان کی خاطر نہ ہوئی
شاد جی چاہے گا آنے کو دوبارا کس کا

تڑپ کے رو کے بہر حال دن تمام ہوا
پھر آج رات کا سونا مجھے حرام ہوا

نہ دل لگا نہ کوئی حسبِ خواہ کام ہوا
امید و بیم میں قصہ مرا تمام ہوا

یہ تیرا فیض ہے ساقی کہ اپنی حالت میں
ہر ایک مست ہے مینا ہوا کہ جام ہوا

مسافرانِ رہِ عشق خود نہیں واقف
کہاں سے کوچ کیا تھا کہاں مقام ہوا

تری زباں بھی اُسی کی زبان ہے قاصد
خدا کی شان کہ وہ ہم سے ہمکلام ہوا

عدم میں یاد کروں گا ترا کرم ساقی
کہ عمر ختم ہوئی اور تہی نہ جام ہوا

چلی جو روح تو یوں جسم سے کہا مڑ کر — کہ حسب خواہ نہ مہماں کا احترام ہوا
کوئی مراد تو بر آئے گی غریبوں کی — اسی امید میں دن آج کا بھی شام ہوا
ترے پسینے کی بو باس یا صلِّ علیٰ — کسی شمیم سے تازہ نہ پھر مشام ہوا

ملی نہ شاد کو افسوس کوئی نعمت خاص
بس انتہا ہو کہ مرنا تلک بھی عام ہوا

قدم اٹھا کے مرا تلملا کے رہ جانا — نظر جھکا کے ترا مسکرا کے رہ جانا
دلا بہت نہ الجھ نامہ بر کو کیا میں نے — سکھا دیا تھا کہ جانا تو جا کے رہ جانا
شہیدِ ناز کی بھولی نہیں ہمیں صورت — تری طرف وہ نگاہیں پھرا کے رہ جانا
وہ بزمِ غیر میں ہر بار اضطراب مرا — بہ مصلحت وہ ترا سر جھکا کے رہ جانا
ٹھہر تو جا رخِ جاناں پہ اے نظر کچھ دیر — سند نہیں فقط آنسو بہا کے رہ جانا
نگاہِ ناز سے ساقی کا دیکھنا مجکو — مرا وہ ہاتھ میں ساغر اٹھا کے رہ جانا
کسی طرح تو یہ جسم کثیف پاک ہو شاد — گلی میں یار کی جانا تو جا کے رہ جانا

کرے نگاہ کسی اور پر نہ شک تیرا — کہیں فریب نہ دے حسنِ مشترک تیرا

کسی طرح نہ سُنی دردِ دل نے نزع کے وقت — زباں پہ آہی گیا نام بے دھڑک تیرا

جہاں کی جان تو ہی تو نہ کیوں کرای محبوب — رواقِ عرش پہ کلمہ پڑھیں ملک تیرا

جواب ہی کہیں اس حد کی بدگمانی کا — کہ مٹنے والے مٹے اور مٹا نہ شک تیرا

دہانِ زخم نہ دیں کس طرح دعا قاتل — تمام عمر تو کھایا کیے نمک تیرا

کبھی قیامتِ کبریٰ سے کم نہیں ای دوست — ہجومِ عام میں آنا وہ بے دھڑک تیرا

پھرے نہ مُنہ تری جانب سے مرنے والوں کے — مٹا خیال دلوں سے نہ حشر تک تیرا

اجل کا زور کہ بس اب الف سے بے بھی نہ کہہ — زباں کو دھن کہ رٹے نام حشر تک تیرا

مقامِ خوف ہی کیوں کر تجھے پکارے شاد

بہت سے ناموں سے ہی نام مشترک تیرا

اتنا رٹا کہ نقش ترا نام ہو گیا — دل مطمئن ہی اب کہ بڑا کام ہو گیا

کس مستِ شوق نے ارنی کہہ دیا جو آج — آئینہ جمالِ در و بام ہو گیا

پھندے کہیں ہیں شک کے کہیں حلقہ ہائے وہم | اک مرغِ عقل بستۂ صد دام ہوگیا
موہوم سی امید بھی امید ہے کوئی | خوش اتنے ہی ہیں عاشقِ ناکام ہوگیا
کچھ اور میرے واسطے تجویز کیجیے | مرنے میں کوئی لطف نہیں عام ہوگیا
دیکھا کفن شہید کا تیرے جو خوں چکاں | برپا ہجومِ حشر میں کہرام ہوگیا

کیوں شاداب وہ کفر پرستی کدھر گئی
لے تو بھی اب تو قائلِ اسلام ہوگیا

کوئی تری بھی نوائے نالۂ حزیں سنتا | سنا رہا ہے کسے جب وہی نہیں سنتا
پکارنے کی طرح اے پکارنے والے | پکارتا اگر اُس کو تو بالیقیں سنتا
ہر اک کلام پہ صدقت اے زباں کہہ دے | کہ حسنِ یار کسی کی نہیں نہیں سنتا
خموش ہے ترے نالوں پہ یہ غنیمت جان | اگر جواب میں کہہ دے کہ میں نہیں سنتا

ترے سبب سے ہی مجبور، ورنہ اے فن شعر
کسی سے شاد ملامت نہ آفریں سنتا

چند نالے شبِ غم لب پہ مرے آئے تو کیا
چند قطرے مری آنکھوں نے جو برسائے تو کیا

کان میں اور ہی کچھ پھونک رہی ہو وحشت
چند کلمے مجھے ناصح نے جو سمجھائے تو کیا

سینے میں جو بہا خونِ جگر وہ تو بہا
اس ریاضت کے ثمر بعد کو گر پائے تو کیا

جو کلی سوکھ گئی وہ تو کھلے گی نہ کبھی
باغ میں فصل بہار آئے تو کیا جائے تو کیا

جو اثر دل پہ کرے شعر وہ پڑھیے اے شاد
آپ اس طرح میں دفتر کئی کہہ لائے تو کیا

دور کرے اگر غبار عشق تری نگاہ کا
کاسۂ واژگونِ فقر تاج ہو فرق شاہ کا

اس کی قبائے سرمئی گوشۂ دامنِ حیات
رشتۂ جاں ہی تار تار اس نمدی کلاہ کا

دھوم ہے جن کی خلق میں ہاں یہ انھیں کی شان ہے
پوچھیں نہ مرتے وقت بھی وعدہ کریں نباہ کا

دل کو ہی میرے بے خودی جام کہیں چھلک نہ جائے
پیش ہی سامنا مجھے ساقی کج کلاہ کا

پڑھ لے درود تب لگا ہاتھ سبو و جام کو
کر لے وضو تو نام لے ساقی خوش نگاہ کا

سُرمۂ چشم حور ہی ذرۂ خاک تک وہاں
قصرِ بہشت نام ہی یار کی وعدہ گاہ کا

حالِ گذشتہ ہم نشیں دل کو کرے نہ مضمحل
مجھ سے تو ذکر بھی نہ کر پہلے کی رسم و راہ کا

جز شبِ ہجر عشق میں، کون سی چیز ہی بُری
سب سے زیادہ دل کو ہی ڈر اسی روسیاہ کا

شاد بھلا یہ کیا مجال حکم سے برخلاف ہو
سکہ ہی چار دانگ میں عشقِ جہاں پناہ کا

پھر آج شام سے ناصح ہے غیر حال اپنا
تجھے خیال ہے اپنا مجھے خیال اپنا

نوید عید سے کچھ کم نہیں ہے تیرا جمال
ادھر نگاہ ملی مٹ گیا ملال اپنا

وہ چاہے اُن کی توجہ ہو اس طرف کہ نہ ہو
ہم اب کہیں گے نہ اپنی زباں سے حال اپنا

شراب خانہ سے ٹلنا محال ہے واعظ
بکا ہوا ہے اسی گھر میں بال بال اپنا

ہزار حشر میں دیدار کی تمنا ہو
نگاہِ شوق کو روکے گا انفعال اپنا

طریق زہد میں پوچھو نہ حال دنیا کا
وہاں بھی جا کے بچھایا ہے اس نے جال اپنا

ہماری موت امیروں کی موت کب ہے شاد
ہمیں تو روئے گا اک عمر تک کمال اپنا

ادب سے نزع میں بھی ورد تیرا نام کیا
تمام عمر میں بس اک یہی تو کام کیا

شراب خلد کی نعمت ہے اس پہ میں صدقے
مجھے تو سوچ یہ ہے کیوں اسے حرام کیا

ہوا نہ حشر میں بھی ختم قصۂ شب غم
بیاں سحر سے یہ افسانہ تا بہ شام کیا

جو مسکرا کے نظر کی تو جی گئے عاشق
نگاہ پھر جو پھرائی تو قتلِ عام کیا

خبر ملی تھی کہ آئیں گے آج شام کو وہ
ہمیں سمجھتے ہیں جس طرح دن تمام کیا

نظر جو مل گئی ساقی کی مست آنکھوں سے
پھر التفات بھی ہم نے نہ سوئے جام کیا

پڑے گی چہرۂ تاباں پہ ہر طرح کی نگاہ
خدا نہ کردہ جو دیدار اُس نے عام کیا

خدا گواہ ہے بالکل غلط مسمّٰے تھا
عبث زمانے نے مشہور شاد نام کیا

زباں پہ مرتے ہوئے اُس کا نام آ ہی گیا
جو اک لگاؤ سا تھا اپنے کام آ ہی گیا

اسی کا ذکر تھا یادش بخیر محفل میں
ہزار شکر کہ بر وقت جام آ ہی گیا

سمجھ کے شیخ سے کرنی تھی گفتگو رندو!
غضب ہے ذکر حلال و حرام آ ہی گیا

کسی کا راز مرے درد دل نے کھول دیا
ہزار ضبط کیا لب پہ نام آ ہی گیا

وصال شاد مبارک ہو ہے شب وعدہ
کٹا پہاڑ سا دن وقت شام آ ہی گیا

جفائے یار کا دل کو ملال آ ہی گیا
ہزار دھیان کو ٹالا خیال آ ہی گیا

نحیف و زار تھا اُٹھتے ہی بیٹھتے آخر — تری گلی میں ترا پائمال آ ہی گیا

ذرا سی ٹھیس بھی شیشہ کو تھی بہت رندو — ہزار تم نے بچایا تھا بال آ ہی گیا

صبا ہوئی جو بغل گیر آ کے پھولوں سے — ترانہ سُن کے عنادل کا، حال آ ہی گیا

ہزار بستہ زبانی نے ہم کو روکا شاد
مقام سرزنش و قیل و قال آ ہی گیا

فقط شورِ دلِ پر آرزو تھا — نہ دنیا تھی نہ مَیں تھا اور نہ تو تھا

جگہ دامن میں ہم کیوں کر نہ دیتے — کہ طفلِ اشک اپنا ہی لہو تھا

نہ پوچھو مرنے والے دل کا احوال — خدا بخشے ذرا دیوانہ خو تھا

نہ پوچھ احوال ساقی میکشوں کا — سبو تھے ہاتھ میں آنکھوں میں تو تھا

عدو تھے ساقیا سب میکدے میں — یہی اک آس تھی پلّے پہ تو تھا

جہاں پہونچے اُسی کا نور پایا — جدھر دیکھا وہی خورشید رو تھا

چلے ہم باغ سے اے شاد کس وقت — بہار آنے کو تھی وقت نمو تھا

موئے پر غمِ جا و دانہ یہی تھا — یہی کشمکش تھی زمانہ یہی تھا

نگہہ کا تری ساتھ چھوڑا نہ دل نے — کہیں تیر جائے نشانہ یہی تھا

کٹا زندگی کا زمانہ قفس میں — یہی تھا چمن آشیانہ یہی تھا

ترے گیسوؤں کو نہ بھولے کبھی ہم — شبیں مختلف تھیں فسانہ یہی تھا

پھنسانے کی شکلیں مگر مختلف تھیں

یہی دام تھا شاؔد دانہ یہی تھا

اسی بہانے سے دل کو انھیں دکھا دینا — یہ چیز کیسی پڑی ہو ذری اُٹھا دینا

یوہیں تھا مد نظر خاک میں ملا دینا — تو کیا ضرور تھا دل دیکے حوصلا دینا

اسی دریچہ سے ہر ایک کی ہو آمد و رفت — ادب سے دور رہو آنکھوں میں تجکو جا دینا

کبھی نہ حشر تلک میکشوں کو بھولے گا — سبو کو ناز سے ساقی ترا ہلا دینا

بہار شبنم و گل تیرے اختیار میں ہو — کہیں کسی کو ہنسانا کہیں رلا دینا

اندھیری رات ہو ٹھوکر لگے نہ رہرو کو — کوئی چراغ مری قبر پر جلا دینا

کیا تباہ اسی نے غریب کو ہر طرح
غضب تھا شاد کو جینے کا حوصلا دینا

زیست ہو نام تیری فرقت کا — کچھ ٹھکانا ہو اس مصیبت کا
ہاتھ جانے لگا گریباں تک — پاؤں پھیلا ہماری وحشت کا
زندگی بھی لقب اسی کا ہو — نام مرنا بھی ہو محبت کا
بے نشانی نشاں بتا دیگی — وہ نشاں تک مٹائیں تربت کا
زردیِ رخ کی وجہ کیا کہئے — یہ بھی اک رنگ ہو طبیعت کا

عیش و عشرت کے دن سدھارے گئے
اب میں تیلا ہوں شاد حسرت کا

یا میں عنایتوں کا سزاوار ہی نہ تھا — یا مجھ سے آپ سے کوئی اقرار ہی نہ تھا
مجھ سا تو ہجر میں کوئی بیمار ہی نہ تھا — وہ آگئے تو پھر کوئی آزار ہی نہ تھا
کس بات کی سزا ہو الٰہی نہ کچھ کھلا — عاشق تو اپنے فعل کا مختار ہی نہ تھا

اُلجھا نہ اس چمن میں مرا دامن خیال　　　سب پھول تھے نظر میں کوئی خار ہی نہ تھا

ای شاد یوں نکل گئی روح اپنے جسم سے

گویا کبھی کا اس کو سروکار ہی نہ تھا

ساقی سے طلب ساغرِ زر فام کیے جا　　　جس کام کو تو آیا ہی وہ کام کیے جا

اپنی سی ہمیشہ دلِ خودکام کیے جا　　　تو چین سے خود رہ مجھے بدنام کیے جا

اس ذکر سے کچھ تو تجھے آرام ملے گا　　　ای دل طلبِ راحت و آرام کیے جا

اُلجھے ہوئے گیسو میں ہیں نالان دلِ عشاق　　　تدبیر اسیرانِ تہِ دام کیے جا

آخر تو سمجھ لے گا کوئی نکتہ رس اک دن

حاسد سے کہو شاد کو بدنام کیے جا

مرے دل کو بتوں نے خوب تاکا　　　مثل سچ ہو کہ سیدھا گھر خدا کا

ہماری انتہا ایسی نہ ہوتی　　　جو قصہ یاد رہتا ابتدا کا

گرہ میں باندھ لاتی بوئے گیسو　　　بگڑتا اس میں کیا بادِ صبا کا

اُن ایسوں کی سزا کیا ای ستمگر　　جنھیں اقرار ہی اپنی خطا کا

جہاں بیٹھے وہیں گھر ہو گیا شاد
ٹھکانا کیا ہم ایسے بے نوا کا

مری طرف سے حرم میں نہ کچھ صبا کہنا　　سلام زہد کو اور عشق کو دعا کہنا
خطاب کس کی طرف ہی سمجھ تو ای واعظ　　تجھے نہ ہو مجھے مشکل ہی یا خدا کہنا
وہی نہ چاہیں تو دل حشر تک کھچیں نہ اُدھر　　ذرا سمجھ کے حسینوں کو بے وفا کہنا
اُمید و بیم کے ہی بیچ میں ہر اک مطلب　　غرض کہ کھیل نہیں اپنا مدعا کہنا

کسی کو بد نہ کہا میں نے آج تک ای شاد
میں سچ کہوں نہ مجھے آتا نہیں بُرا کہنا

بتوں کا ذکر وظیفہ ہی صبح و شام مرا　　یہ سب درست مگر دور سے سلام مرا
ہوں بے نوا مرا گھر کارواں سرا سمجھو　　وطن ہی بے وطنی کوچ ہی مقام مرا
شب فراق کی آمد ہی خیر کر یا رب　　کچھ آج یاس سے مُنہ تک رہی ہی شام مرا

جو بے چلے سوئے خمِ میکشو وہ ہادی ہے   دکھائے راہ جو سیدھی وہ ہے امام مرا

لگاؤ کچھ تو مسمّٰے سے چاہیے آخر
مجھی کو خود نہیں بھاتا ہے شادؔ نام مرا

گھٹ گھٹ کے قیامت ڈھاتا ہے رہ رہ کے دلِ ناکام مرا
آتے ہیں نظر آثار بُرے کیا دیکھئے ہو انجام مرا

کمبخت بھلا ہو یا کہ بُرا کہنے کے لئے اک مونس تھا
دل جب سے سدھارا پہلو سے دنیا سے گیا آرام مرا

مشتاق بہت تھے اہلِ وفا، دن رات دعا تھی بہرِ لقا
ایما ترے جلوے کا یہ ہوا دیدار نہ ہوگا عام مرا

مانا کہ بمشکل نکلے بھی ای حضرتِ دل جاتے ہو کہاں
کہتی ہیں وہ زلفیں لہرا کر ہر سمت بچھا ہے دام مرا

اِس صحبتِ عشرت میں رندو، کیا ذکر ہے دل کا یوں سمجھو

اک ٹھیس لگی تھی، ٹوٹ گیا مینائے مے گلفام مرا

راتوں کو پڑھیں گے شعر مرے لے لے کے مزے سب پیر و جواں

چونکائے گا سونے والوں کو یہ نالۂ بے ہنگام مرا

جو فعل کریں وہ جائز ہے جنت تو بنی ہے اپنے لئے

افسوس یقیں اب ہے یہ مرا اے شاد یہی اسلام مرا

دل بھچک کر صورتِ آئینہ حیراں رہ گیا
ہاں نقاب اُٹھی پہ تو آنکھوں سے پنہاں رہ گیا

جام پر کن از صبوحی قبل ان یاتی الصباح
موت ہے ساقی اگر پینے کا ارماں رہ گیا

کچھ وہی اس کو سمجھتا ہے کہ شب کیونکر کٹی
تھک کے رستہ میں جو اے شام غریباں رہ گیا

ہائے رے جادو بھری آنکھیں وہ کافر چتونیں
وہ بڑا مومن تھا قائم جس کا ایماں رہ گیا

صحبت اس بدکار کافر دل کی اور مجھ سا بشر
سخت حیرت ہے کہ میں کیونکر مسلماں رہ گیا

سخت بچتے جھونکے ہوائے دہر کے پر شکر ہے
داغ دل مثلِ چراغ زیرِ داماں رہ گیا

کیوں خلش ہے تجھکو اے غم! اپنی شرم ہے
اشک ظاہر ہو کے ٹپکے درد پنہاں رہ گیا

کس بُری ساعت سے اُجڑا کیا کہوں اپنی بیکسی　　آج تک مایوس دل ویراں کا ویراں رہ گیا

دستِ وحشت اِتار دامن نے تجھے الجھا لیا　　ہائے کس حسرت سے منہ تک کر گریباں رہ گیا

تیرے گھر کی میہمانی میں ہے کیا ایسا مزا　　جو یہاں آیا وہ اے گورِ غریباں رہ گیا

کچھ نہ پوچھو شاد ان ناچیز مضمونوں کا حال

دل میں اپنے تازہ تر کہنے کا ارماں رہ گیا

نالوں کا ہجوم آہوں کا سماں، یہ بھی نہ رہا وہ بھی نہ رہا

دل اور جگر کا خون ہوا، یہ بھی نہ رہا وہ بھی نہ رہا

دل تھا وہ گیا اُس کوچہ میں اور دم نے عدم آباد کیا

اے یاس بس اب اک تیرے سوا یہ بھی نہ رہا وہ بھی نہ رہا

آرام سدھارا دل سے مرے اور نور کو آنکھیں رو بیٹھیں

جب سے میں ہوا ہوں اُن سے جُدا، یہ بھی نہ رہا وہ بھی نہ رہا

دو اُن کی ہتھیلی پر تھے نشاں اک خون کا مرے اک قبضہ کا

افسوس کیا کیا تو نے حنا یہ بھی نہ رہا وہ بھی نہ رہا

اے شادؔ میں شوق و ارماں کو باتوں میں لگائے جاتا تھا

آیا جو مجھے پیغام قضا یہ بھی نہ رہا وہ بھی نہ رہا

ہمارا دوست تھا واعظ یہ آج غیر ہوا
غضب یہ ہے کہ خدا واسطے کا بیر ہوا

جو آئی نزع میں ساقی نے آ کے منہ میں شراب
ہزار شکر مرا خاتمہ بخیر ہوا

پیامبر کو نہ کرنا تھا صاف صاف بیاں
بلاکشان محبت کا حال غیر ہوا

پلائی شیخ کو دم دیکے اپنے حصہ کی
یہی تو ہم سے بس اک روز کارِ خیر ہوا

کبھی نہ منہ ترا دیکھوں گا ای فراق کی رات
سفر جو شہر خموشاں کا شب بخیر ہوا

ہمیں تو دونوں جگہہ شادؔ سر جھکا دینا

ادب ہے فرض مرا، میکدہ کہ دیر ہوا

جب قتل ہوا میں تڑپا بھی چھینٹیں بھی اُڑائیں مان لیا

الزام خود اُس پر کیا یہ نہیں دامن کو نہ کیوں گردان لیا

جس ہاتھ سے مجکو قتل کیا، اُس ہاتھ کا کلمہ پڑھوایا
لی جان تو خیر احسان کیا قاتل نے مگر ایمان لیا

اقسام تھے یاس و حسرت کے، اصناف امید بے حد کے
جب چلنے لگے ہم دنیا سے ساتھ اپنے بہت سامان لیا

اِس گھر میں کرم جب تو نے کیا کچھ دن تو ٹھہرا ای تیر نظر
بوسہ ترے قدموں کا دل نے کس شوق سے ای مہمان لیا

ای شاد عبث ہو اس کا گلہ وہ ہجو کرے یا تجھ سے پھرے
تا حشر رہا شاگرد ترا استاد تجھے جب مان لیا

تا عمر مرتکب نہ ہوا دل گناہ کا
خالق بھلا کرے تری ترچھی نگاہ کا

تنہا مزا اُٹھاتا ہو دل رسم و راہ کا
بینا ہو اور بس نہیں چلتا نگاہ کا

ڈھوئے کہاں تلک تنِ خاکی کے بوجھ کو
اب روح کو مِلے کوئی گوشہ پناہ کا

رونا جو ہو تو رولے بس ای چشم وقتِ نزع
آب آج خاتمہ بھی ہو روز سیاہ کا

اظہار غم کیا تو یہ اُس نے دیا جواب — چہرا گواہی دیتا ہے جھوٹے گواہ کا

کیا جانے تلاشِ اثر میں کہاں گئی — اب تک کہیں پتا نہ لگا میری آہ کا

اُن تک کی قدر شاد نہ کی اہل شہر نے

قصہ سنا ہے راسخ غفراں پناہ کا

خم و شراب و سبو و مینا، ہر اک میں آخر کلام نکلا

بتائے مستی کی وجہ مجھکو کسی سے اتنا نہ کام نکلا

رٹے گئے یوں تو رٹنے والے مری طرح لاکھ زندگی بھر

حصول مطلب ہوا نہ دل سے زباں سے کوئی نہ کام نکلا

مچی تھیں جس آستاں کی دھومیں جہاں تھا آزادیوں کا شہرا

کُرید کر خاک اُس جگہ کی ہٹا کے دیکھا تو دام نکلا

خبر سُنی ہے کہ روز محشر سنیں گے وہ عرض عاشقوں کی

بڑا غضب ہے بڑا ستم ہے جو یہ بھی شورِ عوام نکلا

جلو میں پیر مغاں سا رہبر بغل میں ساقی سا فیض گستر
بڑے تکلف سے آیا ساغر بڑے تجمل سے جام نکلا
میں تلخ کامی کا آرزو کی گلہ کروں شاد کس زباں سے
گماں تھا اپنا کہ ہوگا پختہ مگر یہ میوہ بھی خام نکلا

نہ چھوٹا آستانہ اُس حسیں کا | ہے احساں اپنے سر اپنی جبیں کا
نسیمِ صبح لائی نکہت گل | قفس میں در کھلا خلد بریں کا
فراقِ یار میں رونے کی حد کیا | سمندر ہے کنارا آستیں کا
وہ نعمت دی کہ بالاتر ہے سب سے | بجا لا شکر الفت آفریں کا
نہ اُٹھوں گا صدائے صور سے بھی | کہ ہوں کشتہ نگاہِ شرمگیں کا
مری مایوسیوں کو کچھ نہ پوچھو | نہ دُنیا کا بھروسا ہے نہ دیں کا

خدیوِ کشورِ وحشت ہوں اے شاد
انا المجنوں ہے نقشِ اپنے نگیں کا

تری زلفوں میں دل اُلجھے نہ کیونکر حق پسندوں کا
حرم تک سلسلہ پہونچا ہوا ان مشکیں کمندوں کا

حسینوں کا نظر آتا ہی بندہ دیکھئے جس کو
ترقی پر زمانہ ہوا انھیں اقبال مندوں کا

گرایا ہی بتوں نے گر کرم پرور نگاہوں سے
تو کچھ پروا نہ کر آخر خدا ہوا اپنے بندوں کا

چمن میں سرو تن کر کچھ دنوں تک خودسری کر لیں
رہے گا حشر تک کیا بول بالا سربلندوں کا

وفا کو عیب جانیں، ظلم کو حسنِ عمل سمجھیں
نرالا ہی دھرم دنیا سے ان زنار بندوں کا

مریضانِ محبت کی خدا آساں کرے مشکل
کئی راتوں سے منہ اُترا ہوا ہی دردمندوں کا

ہو اگر لگ گئی اے **شاد** میدانِ معانی کی
قلم رو کے رُکے گا پھر نہ ہم مشکل پسندوں کا

نت نیا حال ہے ہر شب ترے آزاری کا
کچھ ٹھکانا ہے اس الجھی ہوئی بیماری کا

ساد گی چاہیے اشکوں میں کہ پیری کے ہیں دن
اب زمانہ نہ رہا چشم کی خونباری کا

آنکھیں تا عمر رہیں بند ترے کوچے میں
حال کھلنے نہ دیا دل کی گرفتاری کا

دل کا ہوتا ہے تصور سے جدائی کے یہ حال
جس طرح خوف ہو مہلک کسی بیماری کا

شاد دل میں تو صداقت کا کہیں نام نہیں
نام بے فائدہ کیوں لیتے ہو دینداری کا

زباں ہلانے کی بھی اجازت نہ دے گا شاید وقار اُن کا
حیا سے گردن کو خم کیے ہے خموش ہے شرمسار اُن کا

جہاں کی نیرنگیوں کا عالم عیاں ہے محفل سے عاشقوں کی
کسی کو ہے یاس کوئی بے خود کسی کو ہے انتظار اُن کا

نظر پھر آئے گی جن سے کل تک کرگی جن کو جہاں میں رُسوا
لپٹ کے لیتی ہے آج بوسہ عبث نسیم بہار اُن کا

کچھ اُن کا مشکل ہے ذبح کرنا تو کیا نہیں جانتے وہ اتنا
چھُری جو رہ رہ کے پھیرتے ہیں سمجھ کہ یہ بھی ہے پیار اُن کا

کبھی نہ باز آئیں گے جفا سے کریں گے دونوں ہلاک سب کو
شکیب دشمن ادا وہ اُن کی وہ غمزۂ جاں شکار اُن کا

یہی تو اک شے ہے آدمی میں اسی پہ انسانیت ہے ساری
زباں کا بھی پاس ہو نہ جن کو تو **شاد** کیا اعتبار اُن کا

ساقیا تو نہ مرے شکر کا مطلب سمجھا
تب تو پیمانۂ خالی کو لبالب سمجھا

میرے مطلب کو نہ دل اور نہ مرا لب سمجھا
چپ ہوں میں جس کے اشارے سے وہی سب سمجھا

بے ادب لیتے ہیں نام اُس کا اگر لینے دے
راز چپ رہنے کا اوروں کو نہ ای لب سمجھا

کاش پہلے ہی سمجھتا کہ سمجھ قاصر ہے
جب سمجھ سے نہ چلا کام کوئی تب سمجھا

نامہ بر وصل کا اقرار کریں وہ خط میں
اس عبارت کا ذرا پھر مجھے مطلب سمجھا

ٹھیک سمجھا تری باتوں کو بھلا کب واعظ
آپ جیسا ہو اُس طرح کا مطلب سمجھا

خاک ہوتے ہی مٹا دیدۂ خود بیں کا غبار
میرے مٹنے میں جو تھا راز وہ میں اب سمجھا

شادؔ اُس شوخ طبیعت کے کنائے بہ خدا
میں نہ سمجھا کہ میں نافہم ہوں تو کب سمجھا

میں اپنے دل کی حسرت کیا کہوں کچھ کہہ نہیں سکتا
یہ ہے کس کی بدولت کیا کہوں کچھ کہہ نہیں سکتا

شہیدِ ناز کے لاشے کا نقشہ ہے نگاہوں میں
کھلی آنکھوں کی حسرت کیا کہوں کچھ کہہ نہیں سکتا

کہیں قصہ بڑھا دینا، کہیں جھگڑا چکا دینا
ان آنکھوں کی حکایت کیا کہوں کچھ کہہ نہیں سکتا

بہ ظاہر چند قطرے سرخ ہیں ساغر میں اے زاہد!

نگران کی حقیقت کیا کہوں کچھ کہہ نہیں سکتا

کسی کا نام لینا **شاد** دل کو کب گوارا ہی
یہ تھی کس کی حکایت کیا کہوں کچھ کہہ نہیں سکتا

تیری یکتائی میں نقصان بتا کیا ہوتا | تجھ سا ہوتا جو کوئی وہ بھی تجھی سا ہوتا
جسم خاکی کے تعلق نے گراں بار کیا | کاش میں راہ میں تیری تنِ تنہا ہوتا
مژدۂ وصل میں ای دل تجھے دیتا تو ہی | تجکو مجھ پر تو مجھے کس پہ بھروسا ہوتا
جلوہ گر تو نہ ہوا ناز نے کیا کام کیا | میں ہوں جس طرح یوں ہی تو بھی تماشا ہوتا
وہ تو کہئے نہ کیا آنے سے اُس نے انکار | اور جو ای دل یہی تقدیر کا لکھا ہوتا
یوں نہ جاتی کبھی آئینے کی حیرت بیکار | کاش ہر دم کسی معشوق کو تکتا ہوتا

درد الفت سے قوی ہوتی ہیں جس تن میں
اور بڑھتا یہ مرض **شاد** تو اچھا ہوتا

کسی کے ہم نہ کام آئے نہ کوئی اپنے کام آیا

تعجب ہی کہ تو بھی زمرۂ انساں میں نام آیا

نہ سمجھو اور کا آنا اِسے ساقی کا آنا ہی

اُٹھو تعظیم کو رندو! ولی آیا امام آیا

ترا میخانہ ہی ساقی کہ اندر کا اکھاڑا ہی

پری تخت رواں پر آئی یا کشتی میں جام آیا

تجھے ای روح کیوں ہی بیقراری کچھ بتا ظالم

کہاں سے آگئی تیری طلب کس کا پیام آیا

بزرگوں میں بھی بیٹھے **شاد** اک مدت تلک لیکن

ادب سے بیٹھنا آیا نہ آداب کلام آیا

کسی کو حُسن دیا اور کسی کو مال دیا　　غریب جان کے اُس نے مجھی کو ٹال دیا

طلب کروں جو میں تجھ سے تو میری کیا تقصیر　　سوال کرنے کو تو نے لب سوال دیا

کہیں پیامِ زبانی خطوں سے بہتر ہی　　یہ حرف کان میں قاصد کے میں نے ڈال دیا

عجب طرح کی ہوئی اپنی روح کو راحت ۔۔۔ تعلقات کو خاطر سے جب نکال دیا

پہونچ چکی تھی شب غم کہ تو نظر آیا ۔۔۔ ترے نثار کہ آئی بلا کو ٹال دیا

غریب عاشقِ بیکس کے دل کی قیمت کیا ۔۔۔ کسی نے راہ میں کوڑا سمجھ کے ڈال دیا

وہ بادشاہ ہے خود اپنے ملک کا اے **شاد**

عطا کیا اُسے سب کچھ جسے کمال دیا

نہ کیوں بازو پکڑلے لغزشوں میں ہم سے مستوں کا

بڑا حامی ہے خود پیر مغاں ساغر پرستوں کا

یہ ممکن ہے کہ لکھی ہو قلم نے فتح آخر میں

جو ہیں اربابِ ہمت غم نہیں کرتے شکستوں کا

زمیں پھر کھینچ کر لاتی ہے اپنی سطح پر آخر

فلک رتبہ بڑھانے کو بڑھا دے لاکھ پستوں کا

کب اُترے بام سے اُس کے ڈھلا جب دن قیامت کا

ٹھکانا ہی کہیں ای ذوقِ صحبت ان نشستوں کا

ہی منزل ہر طرح سے ایک کل اللہ والوں کی

غضب ڈھاتا ہی ای شیخ و برہمن پھیر رستوں کا

نگاہِ نازِ ساقی کی نہ دلوا یاد ای ہمدم

خدا جانے کہاں ہی دھیان ہم ساغر بدستوں کا

کسی دن چھیڑ دیکھو **شاد** میدانِ معانی میں

ہوا سے بات کرتا ہی قلم ہم تیز دستوں کا

اُلفتِ لالہ و گل نے جو نہ گھیرا ہوتا | کیوں پھر اس باغ میں صیاد بسیرا ہوتا

نہ کرے اب کوئی دل کو مری جانب منسوب | میرے کہنے میں نہ ہوتا جو یہ میرا ہوتا

ناتوانی وہی اب ہم ہیں کہ اللہ اللہ | کوچۂ یار کا برسوں نہیں پھیرا ہوتا

لو چلو باغ سے ای زمزمہ سنجانِ بہار | کٹ گیا نخل وہی جس پہ بسیرا ہوتا

بے رخی کا گل و بلبل کی عبث شکوہ **شاد** | آخر اس باغ میں تھا کون جو تیرا ہوتا

کسی کو کیا خبر اے صبح وقتِ شام کیا ہوگا
خدا جانے ترے آغاز کا انجام کیا ہوگا

گرفتارانِ گیسو پر نہیں کچھ منحصر ناصح
پھنسا ہے جو تعلق میں اُسے آرام کیا ہوگا

یہی ٹوٹے سبو مٹی کے کافی ہیں قناعت کو
بلوریں جام مرا اے رندِ مے آشام کیا ہوگا

تقرب جن کو ہے اُن کو بھی ہے یک گونہ مایوسی
یہ حالت ہے تو پھر دیدار تیرا عام کیا ہوگا

سحر فرقت کی ہے اور غش پہ غش آتے ہیں عاشق کو
ابھی سے جب یہ حالت ہے تو پھر تا شام کیا ہوگا

وہی رہ رہ کے گھبرانا وہی ناکار گراہیں
بجز اس کے بتا تجھ سے دلِ ناکام کیا ہوگا

زمانہ شاد کیوں بیگار میں آخر پھنساتا ہے
اپاہج کر دیا پیری نے تجھ سے کام کیا ہوگا

بُلایا کوہ پر شیریں کو ای فرہاد کیا کہنا
بڑے پتھر کو پانی کر دیا اُستاد کیا کہنا

تری مضمون نگاری نکتہ سنجی شاد کیا کہنا
بنائے سیکڑوں اُستاد ای اُستاد کیا کہنا

سُنا کرتے تھے جو جو ظلم ہم اپنے لڑکپن میں
نئے کر کے دکھائے ای ستم ایجاد کیا کہنا

قیامت کر چلے جس وقت نالے ہم صفیروں کے
ہمیں کو حکم خاموشی کا ای صیاد کیا کہنا

یہ اُردوئے معلی فارسی پر اب ہی چشمک زن
بلاغت کا فصاحت کا تری ای شاد کیا کہنا

نہ نکلے دل سے ارماں ای خدا پرہیزگاروں کا
دعائے زیر لب کھولے نہ راز امیدواروں کا

زرِ گل مفت لٹتا ہی خزاں کی میہمانی میں
الٰہی خیر کر وارا نیارا ہی ہزاروں کا

شہیدانِ وفا کی خاک کیا اکسیر سے کم ہے
نہ ہاتھ آئے قدم بوسہ تو لے جا کر مزاروں کا
جہاں کی تھی وہیں پھر رہ گئی ای خاک تو آخر
نہ کہتے تھے کہ پیچھا کر نہ ان چابک سواروں کا
اگر نالوں کی سنتے ہیں تو صبر آنکھیں دکھاتا ہے
غضب اس گومگو میں دل پھنسا بے اختیاروں کا
نہ چھیڑو داستانِ عشق یوں دیوان محشر میں
خدا کے واسطے پردہ نہ کھولو شرمساروں کا
صبا نے خاک کے ذرّے اڑا کر اُس کے کوچہ سے
نشاں بتلا دیا ہم مٹنے والوں کے مزاروں کا
عدو ناحق بنے ہیں حسرت و ارماں امیدوں کے
اُن ایسوں سے خدا سمجھے بُرا چاہیں جو یاروں کا

بہت توڑے ہیں جی تکمیل میں ای شاؔد مدت تک
کیا نقصان اپنا، کیا بگاڑا ہم نے یاروں کا

میں جو حاصل ترے کوچہ کی گدائی کرتا
چین سے بیٹھ کے تا عمر خدائی کرتا

ذرے ذرے کو ترے کوچہ میں تھا مجھ سے غبار
میں جو کرتا بھی تو کس کس سے صفائی کرتا

معتکف جو ترے کوچہ کے تھے اُٹھتے نہ کبھی
کعبہ خود آکے اگر ناصیہ سائی کرتا

سوچ ناحق ہوا اسیرانِ قفس کے دل کو
کیا پڑی تھی جو کوئی فکرِ رہائی کرتا

شاؔد دشمن کی شکایت کا وظیفہ بیکار
کیا غرض تھی کہ مرے ساتھ بھلائی کرتا

مرا دل ازل سے تھا بے خبر اسے کب سے سوئے مزاج تھا
جو عدم سے بھیج دیا ادھر مری غفلتوں کا علاج تھا

مری قبر پر اگر آؤ تم، مری خامشی پہ نہ جاؤ تم
کہ وطن میں رہ کے ہوں بے وطن مرے ملک کا یہ رواج تھا

تجھے اختیار ہے ہم نشیں اسے سچ سمجھ کہ غلط بتا
کبھی میں بھی رکھتا تھا سلطنت کبھی میں بھی صاحب تاج تھا

شبِ غم میں **شاد** لٹا دیا نہ کیا خیال کہ کیا کیا
دُر و لعلِ اشک کو کم نہ کہہ کئی سلطنت کا خراج تھا

مدعا بھی ہے ترا دستِ دعا بھی تیرا
آستاں بھی ترا اے حسن! گدا بھی تیرا

میں تو شرمندہ ہوا بیچ میں پڑ کر ناحق
کہ دعا بھی تھی تری دستِ دعا بھی تیرا

کون ہم گوشہ نشینوں کا بھلا دھیان کرے
اب تو لاتی نہیں پیغام صبا بھی تیرا

ناز نے تیرے خدا جانے کیا کیا جادو
کلمہ پڑھنے لگی اب میری وفا بھی تیرا

عرض مطلب پہ برا مان کے غصہ کیسا
شاد دیوانہ بھی تیرا ہے گدا بھی تیرا

کہیں تو کیا کہیں ہم ماجرا نہ مانے کا
سرا ہی جب نہ رہا یاد اس فسانے کا

فقط اثر ہے چمن میں خزاں کے آنے کا
کہ اب عزیز ہے تنکا تک آشیانے کا

خوشی بہار کی دھڑکا خزاں کے آنے کا
گلو! فقط یہ الٹ پھیر ہے زمانے کا

تری نگاہ کے ناوک جبھی سے ہیں دلدوز
کہ نام تک بھی نہ تھا جب کہیں نشانے کا

ہنوز پر بھی نہ تولے کہ دام میں آئے
ملا نہ وقت ہمیں ہمت آزمانے کا

رگڑ رہا ہوں درِ میکدہ پہ اپنی جبیں
ارادہ داغِ ندامت کے ہے مٹانے کا

کسی شہید کے خوں کا اثر ہے رگ رگ میں
عدو سے شاد نہ لوں گا عوض ستانے کا

حائل ان آنکھوں کا اک ہلکا سا پردا ہو گیا
کیا بتاؤں تو ہی تھا یا مجکو دھوکا ہو گیا

سچ بتا نازک مزاجی کو تری کیا ہو گیا
غیر کا ارماں جو عالم آشکارا ہو گیا

بات کرنے کی اجازت گو کہ حیرت نے نہ دی
جس جگہہ پہونچا ترا دیوانہ میلا ہو گیا

پوجے تیرے قدم کو اے مبارک انتظار
قیس کو ہر نخل پر لیلےٰ کا دھوکا ہو گیا

میری لغزش دیکھ کر ساقی نے پکڑے میرے ہاتھ
جرم میرا، میری بخشش کا وسیلا ہو گیا

دل کی وسعت کو بڑھایا یار تیرے دھیان نے
تھا تو قطرہ اس قدر پھیلا کہ دریا ہو گیا

اللہ اللہ یہ دورنگی شاؔد اور تجھ سا ولی
تو بھی دھوکا کھا گیا دنیا کا بندا ہو گیا

لطف کیا ہے بیخودی کا جب مزا جاتا رہا
یوں نہ مانوں میں مگر ساغر تو سمجھاتا رہا

طاق سے مینا اُتار لایا وُں میں لغزش ہوئی
کی نہ ساقی سے برابر آنکھ، شرماتا رہا

نوجوان قاتل کو اچھی دل لگی ہاتھ آگئی
جب تلک کچھ دم تھا بسمل میں وہ ٹھکراتا رہا

مجھ سا ہو مضبوطِ دل تب میکشی کا نام لے
محتسب دیکھا کیا مجبور جھلّاتا رہا

شاد وقت نزع تھا خاموش لیکن دیر تک

نام رہ رہ کر کسی کا زیرِ لب آتا رہا

خدا جانے سُنا کانوں نے کیا آنکھوں نے کیا دیکھا

ترے جلوے کے آگے ہوش اپنا کب بجا دیکھا

یہی ہے ہمدمی؟ معنی یہی ہمدردیوں کے ہیں؟

مصیبت میں ہمیشہ ہوش کو دل سے جُدا دیکھا

نہ دردِ دل گیا اپنا، بہت دن صبر میں کاٹے

بہت اشکوں کا دریا بھی ان آنکھوں سے بہا دیکھا

نگاہوں میں تو اپنی یار تیرا پاک نقشہ تھا

قسم لے گر کسی کو آنکھ نے تیرے سوا دیکھا

بڑی امید تھی لیکن نہ پایا مر کے بھی تجھکو

یہ پردہ بیچ میں حائل جو تھا یہ بھی اُٹھا دیکھا

کبھی کی اپنی آزادی جو یاد آئی بہت روئے

کسی بدمست کو گر راہ میں ہم نے پڑا دیکھا

خراباتِ مغاں کی مجلسوں کا شاد کیا کہنا

وہی میخوار تھے ایسے کہ جن کو بے ریا دیکھا

ہزار مجمعِ خوبانِ ماہ رو ہوگا نگاہ جس پہ ٹھہر جائے گی وہ تو ہوگا

خوشا وہ دَور کہ ہر رند باوضو ہوگا زباں پہ نام ترا ہاتھ میں سبو ہوگا

ہر ایک قطرے کو گن گن کے خاک کھا لیگی نہ اُس گلی میں مرا رائگاں لہو ہوگا

کبھی ملیں گے نہ وہ ای خیالِ محرومی! شریکِ حال جو تو وقتِ جستجو ہوگا

پکارتا ہی یہ پیری میں اپنا جامۂ تن ہزار ٹکڑے ہوں جس کے وہ کیا رفو ہوگا

درشت لفظوں سے توڑے کسی کا دل واعظ! وہ کوئی رند نہ ہوگا ضرور تو ہوگا

میں اپنے ساقیِ مہوش کے ہاتھ کے قرباں کہ جس میں ساغرِ صہبائے مشکبو ہوگا

جہاں جہاں مجھے جانا ملیگا جاؤں گا کہیں تو پاؤں گا تجکو کہیں تو تو ہوگا

کبھی تو قاتل عالم سے ہوں گی چار آنکھیں
کبھی تو تیغ کے نیچے مرا گلو ہو گا

خم شراب کے سجدے کا حکم دے ساقی!
وہ مست کون ہے ایسا جو بے وضو ہو گا

کبھی تو آپ کے حسرت زدہ بھی خوش ہوں گے
کبھی تو موقع اظہار آرزو ہو گا

خزاں کے دور کا ہر بونا اے خدا کی پناہ!
جو سرخ رو ہے وہی پہلے زرد رو ہو گا

ابھی سے عید ہے دل کو خوشا وہ دن اے شاد
بغل میں دفتر غم، یار رو بہ رو ہو گا

چست کمر کا کیا سبب، تنگ قبا کی وجہ کیا
ہم تو کہے ہیں دل نثار ہم سے ادا کی وجہ کیا

خاک میں جو ملا ہو خود اُس پہ ستم سے فائدہ
حُسن کی یہ سرشت ہے ورنہ جفا کی وجہ کیا

مشرب عشق میں دلا کفر ہے یار سے ریا
دل کو ہے گر بتوں سے عشق ذکر خدا کی وجہ کیا

روح وجسد کا سابقہ کتنے دنوں سے ہو بھلا

دونوں کی خو جُدا جُدا پھر وفا کی وجہ کیا

روئے ہو شاد تم ضرور جب تو ہو لب پہ آہ سرد

مینھ نہ برس گیا تو پھر ٹھنڈی ہوا کی وجہ کیا

خفا نہ ہو جو ہے رات دن خیال ترا ۔۔۔ مَیں آدمی ہی تو ہوں بھا گیا جمال ترا

ہو ایک لمحہ کا جینا وبالِ جاں مجکو ۔۔۔ خدا نہ کردہ جو تسکین دے خیال ترا

اُٹھا نہ دے کوئی ٹھوکر لگا کے ڈرتا ہوں ۔۔۔ پڑا ہو کوچہ میں تیرے شکستہ حال ترا

یہ بھید بھی ترے کوچہ کے چھاننے سے کھلا ۔۔۔ کہ سرفراز دو عالم ہو پائے مال ترا

کچھ آج کل تجھے پاتا ہوں مضمحل اے شاد

بیاں تو کر کہ مری جان کیا ہو حال ترا

کہوں آہ طوالتِ عمر کو کیا کہ وہ تن نہ رہا وہ بدن نہ رہا

وہ زباں نہ رہی وہ بیاں نہ رہا وہ دہن نہ رہا وہ سخن نہ رہا

مجھے عیش و نشاط سے کام نہیں مرے دل میں سرور کا نام نہیں
ہنسی آئے تو ضبط کروں نہ ہنسوں مرا قابل خندہ دہن نہ رہا

یہی آتی ہی دل میں کہ نوحہ کروں کہ ہر ایک نہال ہزار روز بول
مجھے سیر بہار ہی کاہش جاں کہ وہ گل نہ رہے وہ چمن نہ رہا

نہیں حاصل شعر و سخن بہ خدا نہیں شاد زمانہ میں اس کا مزا
لب ناطقہ سی لیں بس اب شعرا کہ وہ رتبۂ صاحب فن نہ رہا

نالہ ہر رات بے ہراس کیا کچھ کسی کا نہ دل نے پاس کیا
عقل سے اور بڑھ گئی وحشت ہوش نے اور بے حواس کیا
ای خیال بتاں ہزار احسنت تو نے اس دل کو حق شناس کیا
بلبلوں نے خزاں میں چھوڑ کے گھر اور بھی باغ کو اوداس کیا
نقد الفت ہی اب نہ درہم داغ
سب کچھ ای شاد تو نے ناس کیا

جو رستہ میں نہ تیرا ساتھ ای عمرِ رواں ہوتا
خدا کو علم ہے اب تک کہاں سے میں کہاں ہوتا

برابر کب اُترتے حسن و عشق ای شوق! میزاں میں
جو یہ پلہ سبک ہوتا تو وہ پلہ گراں ہوتا

کتابوں میں تو بے شک صبر کی تاکید ہے ناصح
سبق سب بھول جاتا تو جو تیرا امتحاں ہوتا

فلک ہاں پیر ہے پیری میں دیکھو اس کی چالاکی
نہیں معلوم کیا کرتا جو یہ ظالم جواں ہوتا

کبھی تو پاس کرتا نام کا بھی **شاد** تو اپنے
کبھی تو خوش تجھے پاتے کبھی تو شادماں ہوتا

نہ ہے شرف ترے در پر بسر زمانہ ہوا ۔۔۔ خوشا نصیب کہ مَیں خاکِ آستانہ ہوا
سیاہ بختوں کا آغاز جب فسانہ ہوا ۔۔۔ خموشِ اول شب سے چراغ خانہ ہوا

خدا بُرا کرے اس نیند کا یہ کیسی نیند　　کُھلی کب آنکھ کہ جب کارواں روانہ ہوا

چھپی نہیں ہے کوئی شئے نگاہ والوں سے　　وہ بے بصر ہے جسے عشق غائبانہ ہوا

تمام رات جو گذری تھی مے پرستی میں　　خلوص دل سے ادا صبح کا دوگانہ ہوا

غضب کیا ترے جانے نے بزم سے ساقی!　　بلند چار طرف شورِ عامیانہ ہوا

بہت ضعیف ہوا ای شاد رہ نہ جاؤ کہیں

بڑھاؤ تم بھی قدم کارواں روانہ ہوا

اداؤں میں کرامت نازمیں اعجاز ساقی کا

نہ بھولے گا ہمیں ای میکشو انداز ساقی کا

تھکے وہ لب مذمت جس سے نکلے ساغرِ مے کی

خدا رسوا کرے اُس کو جو ہو غماز ساقی کا

کسی دن میکشوں کا مسندِ عز و شرف ہوگا

یہی عرشِ معظم فرشِ پا انداز ساقی کا

بجز پیرِ مغاں کے کس نے کی تعظیم ساقی کی
وہی کچھ جانتا تھا میکشو اعزاز ساقی کا
ملائک سے بھی اُس کی منزلت ای شاد برتر ہی
خوشا وہ مست جو دل سے رہا دمساز ساقی کا

ساقی سبب آخر تری خاموش لبی کا | غصہ تو نہیں میری زیادہ طلبی کا
دل سینہ میں رہ رہ کے جو گھٹتا ہی تو گھٹ جائے | ای آہِ رسا! قصد نہ کر بے ادبی کا
بے وجہ ہنسے پڑتے ہیں گل میں نے یہ مانا | آخر تو سبب ہی کوئی اس بے سببی کا
دریا میں رہے بھر نہ سکے کاسۂ خالی | ثمرہ ہی حبابوں کو زیادہ طلبی کا
لے نام اگر پیرِ مغاں کا کوئی ای شاد
کر وِرد بافدیک و اُمّی و ابی کا

دیدۂ شوق سے بے وجہ ہی پردا تیرا | کس نے دیکھا نہیں ان آنکھوں سے جلوا تیرا
قدر ہوگی نہ کسی ایک کی ویسی بہ خدا | حشر میں آئے گا جس شان سے رسوا تیرا

چین ہے شہر خموشاں میں ہر اک سوتا ہی　　آسرا سب کو ہوا ہی وعدۂ فردا تیرا

وہی رنگت وہی خوشبو وہی نازکبدنی　　پھول نے نقش اُتارا ہو سراپا تیرا

شاد غزلیں نہیں آیاتِ زبورانِ کو سمجھ

لحن داوٗد سے کچھ کم نہیں نغمہ تیرا

ریاضت کھول دے پردہ جو حسنِ پاک داماں کا

حقیقت کا مرقع ہر ورق ہو میرے دیواں کا

لہو کی جا فقط بیم و رجا کے داغ پائے گا

کلیجہ چیر کر دیکھے کوئی ارباب ایماں کا

قدم پر تولنے والے کے جھک جائیں بجنے والے

برابر بھی اگر رہ جائے پلہ تیری میزاں کا

اسیرانِ کہن گھبرا گئے طولِ اسیری سے

بجز صیاد کے دروازہ کھولے کون زنداں کا

نکلنا شرط ہے اس دام سے اے مرغِ جاں تیرا
بیک پرواز تو ہی تو ہے اور گوشہ گلستاں کا

خوشا وہ عہد جب ہو درس گاہِ شوق رونق پر
ادب آموز اک طفل ہو اپنے دبستاں کا

خدا رکھے بتان خوبرو اے شاد ابھی ہیں
کہاں ویسے جو توڑیں کفر مجھ سے نامسلماں کا

ہوا نگاہ کے پردے میں جلوہ گر کیا کیا
نہ پوچھ کہہ گئی وہ شرمگیں نظر کیا کیا

جو بے نوا ہیں تری راہ میں انھیں سے پوچھ
کہ دل کو ہوتی ہیں خوشیاں لٹا کے گھر کیا کیا

کہاں وہ پھول کہاں وہ ہری بھری شاخیں
لگے لگائے اجاڑے گئے شجر کیا کیا

تڑپ کے ہجر کے ماروں کی خیر رات کٹی
پڑی ہے یہ کہ دکھاتی ہے اب سحر کیا کیا

غریب شمع کو اے صبح یوں نہ ہنس کے جلا
اسی نے رات کو روشن کیے تھے گھر کیا کیا

نہ کس طرح میں ضرورت کہ دوں دعا اے شادؔ
بتائے ہیں اسی استاد نے ہنر کیا کیا

زلفِ شب کی ہر گرہ میں سر بسر تو ہی تو تھا
نورِ رخسارِ دل آویزِ سحر تو ہی تو تھا

تو نے جب جب ناز سے پوچھا کہ تھا پردے میں کون
آنکھ والوں کی پکار اُٹھی نظر تو ہی تو تھا

وہ جو تسکیں کی جھلک سی تھی ہر اک کے درد میں
اُس جھلک میں بھی ہی جاں جلوہ گر تو ہی تو تھا

کہنے والوں نے کہا اور سُننے والوں نے سُنا
جان اِن سارے فسانوں کی مگر تو ہی تو تھا

محو کر لیتا دلوں کو **شاد** سا کج مج زباں
ان لبوں پر اے کلامِ با اثر تو ہی تو تھا

اُمید وصل کو دل سے مرے اکھاڑ دیا
فلک نے مفت بنے کھیل کو بگاڑ دیا

جفا و ظلم کا شکوہ بہت کچھ اے قاصد
لکھا تو تھا مگر اُس خط کو میں نے پھاڑ دیا

نہ کاٹنے سے کٹے غم نہ ٹالنے سے ٹلے
مرے خدا نے مجھے دل نہیں پہاڑ دیا

فلک ترا دلِ پُر داغ نے بگاڑا کیا
لگا لگایا ہوا باغ مفت اُجاڑ دیا

دل و جگر کا یہی حال ہے تو سن لینا
کہ مجکو دو میں کسی ایک نے پچھاڑ دیا

ہٹے نہ اپنی جگہ سے ذرا بھی ہم اے **شاد**
مثالِ سرو قدم اُس گلی میں گاڑ دیا

ہوکے خوش ناز ہم ایسوں کے اُٹھانے والا
کوئی باقی نہ رہا اگلے زمانے والا

کب سمجھتا ہو کہ جینا بھی ہو آخر کوئی شئی
اپنی ہستی تری الفت میں مٹانے والا

آج کچھ شام سے چپ ہو دلِ محزوں کیا علم
کیوں خفا ہو مرا راتوں کو جگانے والا

بیخودی کیوں نہ ہو طاری کہ گیا سینہ سے
اشک خوں آٹھ پہر مجکو رُلانے والا

محتسب خوش ہی بہت توڑ کے خمہا شراب
غم نہیں مجکو سلامت ہی پلانے والا

سامنا اُس بت کافر کا ہو دیکھیں کیا ہو
خود ہی ششدر مرا ایمان بچانے والا

اپنا در بند کرو شاد بقول اکبر

اب سوا موت کے کوئی نہیں آنے والا

نہ ساقی نہ ساغر نہ مینا رہا
فقط خونِ دل پی کے جینا رہا

دلِ داغ دیدہ کو لے مشتری
کب اس کام کا یہ نگینا رہا

ہر اک زخم میں ہم نے ٹانکے دئیے
فقط دل کے زخموں کا سینا رہا

نہ پارسی زباں اب نہ ویسا ادب
نہ وہ صحبتوں کا قرینا رہا

نہ اب مرثیوں کی وہ جلدیں رہیں

نہ غزلوں کا شاد اب سفینا رہا

آدمی لذتِ فانی سے ہم آغوش رہا

ہوش رکھتا تھا پر افسوس کہ بے ہوش رہا

صبر و خودداری و غیرت کا وہی جوش رہا

سر کٹا اس پہ بھی بسمل ترا خاموش رہا

ایک مدت پہ نگاہیں جو نگاہوں سے ملیں

میں جدا، یار جدا بزم میں مدہوش رہا

دُرد و صافی کا لحاظ آفتِ جاں تھا ساقی

وائے اُن بادہ کشوں پر جنھیں یہ ہوش رہا

لڑکھڑا کر جو گرا پاؤں پہ ساقی کے گرا

اپنی مستی کے تصدق کہ مجھے ہوش رہا

آخری جام میں کیا بات تھی ایسی ساقی
ہو گیا پی کے جو خاموش وہ خاموش رہا

حُسن ای حُسن جُھکا دی مری گردن تو نے
عشق ای عشق تو ہی بارِ سر و دوش رہا

بے اجازت نہ دھرا کوچۂ جاناں میں قدم
باسعادت تھا وہ عاشق جو ادب کوش رہا

صدقے اُس بزمِ مقدس کے جہاں راتوں کو
ذکر بدمستیِ یارانِ قدح نوش رہا

اُف رے تیرا وہ تبسم، وہ نگاہیں ساقی
اُٹھ کے ساغر سے بھرے جام کسے ہوش رہا

شاد صد شکر کٹی عمر مگر آج تلک
طرزِ یارانِ طریقت نہ فراموش رہا

اسی امید نے مارا جو یہ نہ ہوتی **شاد**
تو کوئی دکھ مجھے کیوں وقت واپسیں ہوتا

نہ پوچھ نامہ بروں سے اُس آستاں کا پتا
کدھر خیال ہے کیسا پتا کہاں کا پتا

تری گلی میں جو پہونچے تو سب غلط پایا
دیا گیا تھا مگر جہاں جہاں کا پتا

لکھا تو لکھنے کو اُس بے نشاں کے نام کا خط
مگر لفافۂ خط پر لکھوں کہاں کا پتا

کہیں وہیں کا نہ قاصد ہو دیکھنا تو ذرا
یہ کون پوچھ رہا ہے مرے مکاں کا پتا

غریب تُو تو بھلا کس شمار میں ہے **شاد**
خضر کو بھی نہ مِلا عمر جاوداں کا پتا

عاشق تو سب تھے آپ کا ہم راز کون تھا | مرنے کی کچھ سند نہیں جان باز کون تھا

نالے تمام شب جو کئے ہو کے بے قرار | یہ بھی کھلا کہ گوش بر آواز کون تھا

صیاد پر شکستہ ہیں تیرے اسیر خود | کیوں بر ہمی ہے مائلِ پرواز کون تھا

حیراں ہوں عشق و حُسن میں کیوں تفرقہ ہوا | تیری ادا نہ تھی تو درانداز کون تھا

تیرے سوا کسی کی رسائی وہاں کہاں | اے آہ! سچ بتا مجھے، غماز کون تھا

اے شاد کیوں ملال ہے یہ بھی تو دل میں سوچ | تو گر ذلیل تھا تو سرافراز کون تھا

اے ازلی الوجود اے ابدی البقا

بے ادبانہ نہ چل حلقۂ عبدیت میں آ

خالق و مخلوق تو، مالک و مملوک تو

ساجد و مسجود تو، عُجب نہ کر سر جُھکا

کعبۂ مقصود کا حج ترے اوپر ہے فرض

وسعتِ دل ہے منا، خونِ تمنّا بہا

جان صداقت پہ دے صدق ہے فطرت تری
زیست کی پروا نہ کر، زیست ہے دام فنا
مورد آفات رہ ظلم کا تابع نہ بن
بھول نہ بھولے سے بھی واقعۂ کربلا
گلشنِ حق الیقیں سامنے آنکھوں کے ہے
چہرے سے اپنے ہٹا پردۂ بیم و رجا
باندھ کر محکم کمر، لے تبرِ نفیِ غیر
کاٹ کے سب پھینک دے خار و خسِ ماسوا
روزِ ازل خود کہا جوشِ طرب میں الست
ہوگیا پھر کیوں خموش دے کے صدائے بلا
خاک کے پتلے سنبھل، خاک کا پتلا نہ بن
تیری تو مسند ہے عرش خاک کجا تو کجا

آنکھ سے اشکال دیکھ کان سے آواز سن

کہہ کے پشیماں نہ ہو مطلب چون وچرا

تیری خودی نے تو خود قید میں ڈالا تجھے

جوں جوں بڑھے خواہشات پاؤں میں پھندا پڑا

فرشِ زمیں ای بشر ہی تری تعلیم گاہ

جملہ شئونات کے معنی و مطلب لگا

تاکہ ہو عین الیقیں پاک کثافات سے

پیس یہاں تک کہ دل پس کے بنے سرمہ سا

زندگیِ دائمی کی جو تجھے ہی تلاش

ذات میں اپنی فنا ہو کے طلب کر بقا

شاد سخن کی ترے قدر کوئی کیا کرے

ایسے جواہر ہیں یہ خلد ہی جن کی بہا

کبھی حرص و ہوا میں جو آ بھی گیا تو خیالِ اجل کا تقضا کی طلب

گئی عشق کے ساتھ وہ دل کی خلش نہ جفا کا گلہ نہ وفا کی طلب

نہیں سُننے کا زاہدِ خشک کی میں کہ رہا ہے بتوں سے کنارہ کشی

وہ ہے کون بتاؤ خدا کے لئے، جسے دل سے نہیں ہے خدا کی طلب

فقط اس دلِ گم شدہ سے ہے غرض مجھے کام اثر سے کچھ اور نہیں

مجھے کوچہ سے دیں گے وہ بزم میں جا کہ قبولِ دعا ہے دعا کی طلب

اُسے کعبہ و دیر سے کیا ہے غرض اُسے طولِ سفر سے بتاؤ کہ کیا

نہیں رہنے کی پھر کبھی دربدری اگر آ گئی دل میں خدا کی طلب

کوئی خضر سے جا کے یہ بات کہے کہ سمجھ تجھے گر ہو تو شادؔ کی سُن

کہ پسند ہے عشق کو تشنہ لبی تو عبث نہ کر آبِ بقا کی طلب

نالۂ دل میں تو پایا نہ اثر آخرِ شب
ای دعا! تو نے مجھے محروم نہ کرا آخرِ شب

خود بخود غنچۂ خاطر ہی شگفتہ میرا
دل نے کس بات کی پائی ہی خبر آخرِ شب

مغتنم وقت ہی طالب ہوں کہ یکسوئی ہو
دردِ دل تو نے مجھے مشغول نہ کرا آخرِ شب

شوقِ دیدار میں ای چشم ہی اب یہ عالم
جیسے جاگے ہوئے انساں کی نظر آخرِ شب

ترے کوچہ میں کہیں شاد نہ آنکلا ہو
اک بڑا شور تھا نالوں کا اُدھر آخرِ شب

کیا مُنہ جو دے سکوں تری تقریر کا جواب
بخشش تری ہی خود مری تقصیر کا جواب

لکھے گا یار کیا مری تحریر کا جواب
دیکھا نہیں نوشتۂ تقدیر کا جواب

صیاد جاں شکار ہی ترچھی تری نظر
ترکش میں ایک بھی نہیں اس تیر کا جواب

اتنا ہوا کہ دل میں اُترنے لگی ہی بات
دیں گے وہ سوچ کر مری تقریر کا جواب

زنداں میں غل مچانے لگی ہی جو بے محل
کڑیاں کڑک کے دیتی ہیں زنجیر کا جواب

ای شاد ہاتھ پاؤں ہلانے سے بھی گئے
موت آکے دے گئی مری تدبیر کا جواب

نازِ بے جا سے اُس کو تھا مطلب — جان سے کوئی جائے کیا مطلب

خط کیا بند تو بھی ہائے رے شوق — پھر لفافے پہ لکھ دیا مطلب

نہ کُھلا کچھ نوشتۂ تقدیر — خط کے پردے میں چھپ گیا مطلب

کون سمجھے تمھاری باتوں کو — اک عبارت ہزار ہا مطلب

صدق نیت سے بیٹھتے خاموش

شاد اس جھوٹ سچ سے کیا مطلب

جنسِ وفا کا سرد ہو بازار ہے غضب — نفرت سے دیکھتا ہو خریدار ہے غضب

رندوں کی آبرو کا بھی زاہد نہیں لحاظ — اِن منتوں پہ یہ ترا انکار ہے غضب!

اے ناخدا! سفینے کو میرے خدا بچائے — کالی یہ آندھیاں یہ شبِ تار ہے غضب

مقتل میں آج ٹوٹ گئی عاشقوں کی آس — اوروں پہ چل گئی تری تلوار ہے غضب

تسبیح جس گلے میں رہی شاد عمر بھر

کافر اُسی گلے میں ہو زنار ہے غضب

جان اپنی بے خودی سے کہیں دل کہیں ہوا ب

اک آرزوئے مرگ تھی وہ بھی نہیں ہوا ب

جب لاش پر نہ آئے کہ تھی اک طرح کی سیر

تربت پہ بھی نہ آئیں گے دل کو یقیں ہوا ب

سب جسم چاک چاک ہوا ای ناخنِ جنوں

یہ پیرہن رفو کے بھی قابل نہیں ہوا ب

طاقت بھلا کہاں کہ یہ انبار ڈھو سکے

مجبور ہر طرح سے مرا خوشہ چیں ہوا ب

کیوں **شاد** کچھ بتاؤ تو کیا چوک ہو گئی

غمخوار کیوں رقیب کا وہ نازنیں ہوا ب

ای چشم یہ سبب ہی جو روشن ہوا آفتاب

اُس ماہ وش کا گوشۂ دامن ہوا آفتاب

اس بھولے بھالے چہرے پہ اتنا کہیں گے ہم
بے شک ذرا اکڑی تری چتون ہے آفتاب!
دینا ترا اچھپا کے قیامت ہے ساقیا!
یہ جامِ مے نہیں، تہِ دامن ہے آفتاب
ٹلتا نہیں ہے اپنی جگہ سے جو روزِ ہجر
کیا بستہ سلاسلِ آہن ہے آفتاب
ذرّوں سے روز صبح کو پُجوا رہا ہے پاؤں
تو کس صنم کدہ کا برہمن ہے آفتاب!
گرمی کی دوپہر نہ ہو اس دل پہ کیوں وبال
بگڑی ہوئی حضور کی چتون ہے آفتاب
چنگاریاں لگاتا ہے دن بھر فراق میں
دل سوزِ شاؔد صورتِ گلخن ہے آفتاب

واقف نہیں ہیں جذبۂ دل کے اثر سے آپ
اک روز دیکھ لیں گے خود اپنی نظر سے آپ

آڑی نگاہ آپ کی کب ہے فلک سے کم
کیوں برسرِ حساب ہیں اس فتنہ گر سے آپ

بوئے عبیر دیتی رہی اُس جگہ کی خاک
گذرے جو ایک بار کسی رہگذر سے آپ

مَیں راہ روکتا ہوں نہ کرتا ہوں کچھ سوال
اُٹھوائیں مجھ غریب کو کیوں اپنے در سے آپ

اے شادؔ جو یہاں ہیں وہ باتیں وہاں بھی ہیں
جان اپنی کیوں چُراتے ہیں مرنے کے ڈر سے آپ

کیا کیا عرق آیا جو ہم آغوش ہوئی دھوپ
اپنی تو قیامت میں خطاپوش ہوئی دھوپ

بچھڑے ہوئے یاروں کو بہت دن پہ جو پایا
کس جوش سے محشر میں ہم آغوش ہوئی دھوپ

ماتھا مرا ٹھنکا تھا اُسی وقت شب غم
شام آتے ہی چپکے سے جو روپوش ہوئی دھوپ

اے دشت! مسافر کی لگی کون بجھاتا
غربت میں ہوئی بھی تو ہم آغوش ہوئی دھوپ

سر رکھ دیا سورج نے ترے پاؤں کے اوپر
قربانِ زر افشانیِ پاپوش ہوئی دھوپ

ماتم میں کسی میکشِ مغفور کے ساقی
ابر اس کو نہ کہہ بلکہ سیہ پوش ہوئی دھوپ

ثابت یہی ہوتا ہے اس آہستہ روی سے

ای مست! تری چال سے مدہوش ہوئی دھوپ

پردہ جو اُٹھا رُخ سے بڑھی اور تجلی

شرمندۂ احسانِ بناگوش ہوئی دھوپ

حیراں ہوں کہ مشتاق تھی کس آواز کی یہ شاد

کچھ تم پہ کُھلا کیوں ہمہ تن گوش ہوئی دھوپ

ت

محو ہیں اپنی جگہہ آسودگان کوئے دوست

آرزو دل میں ہے دل آنکھوں میں آنکھیں سوئے دوست

زندگی تا چند محرابِ دعا میں کاٹئے

کاش اک دن ذبح کر چھوڑے خمِ ابروئے دوست

خط گلے پر پڑ چکا تھا خون دیتی تھیں لگیں
وائے حسرت کس جگہ آکر تھکا بازوئے دوست

لاشۂ عریانِ عاشق کا کوئی دیکھے وقار
ڈھانکتی ہے اُٹھ کے کس الفت سے خاکِ کوئے دوست

بات کہتے عمر بھر کی آج مشکل کٹ گئی
آفریں تیغِ قضا دم مرحبا بازوئے دوست

تو بڑا عاقل ہے ناصح تو ہی بتلا دے مجھے
کون شے رہ رہ کے دل کو کھینچتی ہے سوئے دوست

دہر میں کیا کیا ہوئے ہیں انقلاباتِ عظیم
آسماں بدلا، زمیں بدلی، نہ بدلی خوئے دوست

شاد اہلِ شک یوں ہی شک میں پڑے رہ جائیں گے
ہم انھیں آنکھوں سے اک دن دیکھ لیں روئے دوست

رشکِ ریاضِ خلد ہیں رنگیں عذارِ دوست
آنکھیں کہاں سے لاؤں جو دیکھوں بہارِ دوست

کیوں کر کروں نہ اس دلِ بسمل کی قدریں
یاد آرہا ہے خندۂ بے اختیارِ دوست

کیوں کر بھلا نہ وعدۂ فردا پہ ہو یقیں
کافر وہ دل ہے جس کو نہ ہو اعتبارِ دوست

آنکھیں لگی ہیں در سے تڑپتی ہے تن میں روح
دل کش ہے وصلِ دوست سے بھی انتظارِ دوست

کیوں کر مسافرانِ عدم کی چڑھے نہ سانس
رہ رہ کے کھینچتی ہے ہوائے دیارِ دوست

یارب فنا ہو روح مری قبل قتل کے
دیکھوں نہ آنکھ سے نگہِ شرمسارِ دوست

صہباکشوں کے ہوش کو ای بزم لے اُڑے
خمیازہ ہائے دل کشِ مستانہ وار دوست

اَحْسَنْت یوں ہی شاد کو برسوں لگائے رکھ
ای اعتبارِ وعدۂ ناپائدار دوست

لپٹ وہ زلف کی جان بخش اور وہ پیاری رات
بسر ہوئی کبھی ایسی بھی ساری ساری رات

کہاں وہ بسترِ دیبا حصیرِ کہنہ کہاں
کجا امیروں کی راتیں کہاں ہماری رات

فراق یار میں گذر رہا ہے جیسے سارا دن
یوں ہی کٹے گی بصد آہ و بے قراری رات

اُداس شام سے بیٹھے ہیں چارہ گر سارے
ضرور ہے ترے بیمارِ غم پہ بھاری رات

سحر کے پہلے ہی اے **شاد** سو رہوں گا میں
ستا کے مجکو اُٹھائے گی شرمساری رات

جواب کچھ نہ ملا ہم نے بارہا کی بات
ہُوَ ہُوَ ہے بتوں میں وہی خدا کی بات

میں اپنے دھیان کے صدقے اسی کی کوشش سے
ہمیشہ اُن کے ہمارے یوں ہی ہوا کی بات

حقیر ذرّہ کجا اور کہاں وہ مہرِ منیر
وہ شاہِ حُسن بھلا کیا سُنے گدا کی بات

عدم سے آتے ہی رونے لگے تھے ہستی میں
ہم ابتدا ہی میں سمجھے تھے انتہا کی بات

نظر میں اپنی ہے سارا فریب دنیا کا
کبھی سنوں گا نہ **شاد** ایسی بیسوا کی بات

ٹ

نظر ملائی نظر سے کہ دل پہ آئی چوٹ

دکھائی تو نے کدھر اور کدھر لگائی چوٹ

ہجوم ضعف میں لینا تھا صبر سے کچھ کام

خود اپنی آہ کی ٹھوکر سے دل نے کھائی چوٹ

دل اپنا سینہ میں رہ رہ کے گدگدانے لگا

کسی خیال سے ہم نے اگر چھپائی چوٹ

کہاں ہے راہِ محبت میں مجھ سا تجربہ کار

ہمیشہ ٹھوکریں کھا کھا کے آزمائی چوٹ

دل اس مصیبتِ تازہ سے خوں ہوا اے شاد

اخیر چوٹ نے پہلے کی بھی بھلائی چوٹ

ث

لب پہ ہے آہ رسا کیا باعث — آج ہے درد سوا کیا باعث

میرا نالہ تو اثر خیز نہ تھا — اُس نے منہ پھیر لیا کیا باعث

جس ادا نے مجھے دیوانہ کیا — پھر نہ دیکھی وہ ادا کیا باعث

ضعف پیری مرے مرجانے کا — غم کسی کو نہ ہوا کیا باعث

ذکر اُلفت پہ غش آیا مجکو — دل پہ قابو نہ رہا کیا باعث

سارے آثار تو مرنے کے تھے — آگئی کیوں نہ قضا کیا باعث

شاد ہم لذتیانِ غم و درد
نہیں کرتے جو گِلا کیا باعث

شبِ غم کی جفائیں سب گئیں بیکار کیا باعث
کراہا اور نہ تڑپا یہ دلِ بیمار کیا باعث

ازل میں کلکِ قدرت نے بنا دی ایک سی صورت

نہ رکھا امتیاز واعظ و میخوار کیا باعث

ہے ساقی ایک، خم بھی ایک ہے اور ایک سی مے ہے

تو پھر اے میکشو آپس میں یہ تکرار، کیا باعث

نہ دیکھی ترکِ دیں میں بھی جو دل نے شکل آزادی

عوض تسبیح کے پہنوں میں کیوں زنّار کیا باعث

جواب اوروں کے خط کے رات دن اے شاد آتے ہیں

ہمیں سے اِن دنوں کیوں یار ہے بیزار کیا باعث

دنیا میں شاد ہے اگر اپنی بقا عبث

پھر غم کا غم عبث ہے جفا کا گلا عبث

تعمیلِ حکم کے لئے حیلوں کی قید کیا

ہر بار ڈھونڈھتی ہے بہانے قضا عبث

دیتی ہیں رنج دل کو تری لن ترانیاں
ہم سے نہ تھا خطاب تو ہم نے سُنا عبث

مجبوریاں تو آپ پہ اپنی ہیں سب عیاں
پھر ایسے بے بسوں کی ہوئی جاں سزا عبث

صحت مرے مسیح کو میری نہیں پسند
ای شادؔ التزامِ دوا وُ دعا عبث

ج

حد سے فزوں ہے سیرِ گلستاں کی ہوس آج
صیاد بھیانک نظر آتا ہے قفس آج

حسرت نے مقدر کسی واماندہ کو لوٹا
فریاد سے کچھ کم نہیں آوازِ جرس آج

آنے میں مقرر وہ پس وپیش کریں گے
ای ابر خدا کے لئے تھم تھم کے برس آج

صد حیف کہ مایوس پھر آتا ہی قاصد
پھر کل کی طرح دیدۂ مشتاق ترس آج

تلوار بھی ہی وہ بھی ہیں میں بھی ہوں قضا بھی
قسمت میں جو ہونا ہی وہ ہوجائے گا بس آج

کس شان سے آتے ہیں برستے ہوئے بادل
ترپائے گی پھر ساغر و مینا کی ہوس آج

ای شاد امیدوں کا میں کیا حال سناؤں
رخصت ہوئیں دل سے مرے کل پانچ تو دس آج

کس نے کہا کہ دیدۂ گریاں کا کیا علاج
سب کا علاج ہی شب ہجراں کا کیا علاج

دل کھینچتا ہے عشق بتاں کی طرف مجھے
کہیے تو ایسے دشمنِ ایماں کا کیا علاج

ہے صرف ادائے شکر کا نسخہ بندھا ہوا
اور اپنے پاس آپ کے احساں کا کیا علاج

باہر ہو دل کو توڑ کے، دم بھر نہ لے قرار
جب ایسی خودسری ہو تو پیکاں کا کیا علاج

نشتر سے کاٹ دے جو کوئی فیصلہ ہو پھر
تڑپے اگر تو شاد رگِ جاں کا کیا علاج

خ

اپنی جانب اے نگاہ یار کھینچ | دیر کیسی میاں سے تلوار کھینچ
مار ڈالیں گی یہ بد پرہیزیاں | یوں نہ آہیں اے دلِ بیمار کھینچ

دستِ وحشت کیا کہوں کس دھن میں ہو | میرے دامن کو نہ یوں ہر بار کھینچ
ہوں ہدف بننے کو حاضر دل سے میں | تیر ترکش سے کوئی ای یار کھینچ
وصل آخر لفظِ بے معنیٰ بنے | طول اتنا ای فراقِ یار کھینچ
کچھ تو لے آخر تصور سے بھی کام | صفحۂ دل پر شبیہِ یار کھینچ

شاد اُن کی بزم میں ہی غیر بھی
دیکھ اب آہیں نہ یوں ہر بار کھینچ

خواہشِ عمرِ جاودانی ہیچ | سچ تو یوں ہی کہ زندگانی ہیچ
جب نہیں عمرِ بے بقا کو ثبات | حسرتِ جاہ و مالِ فانی ہیچ
نہ اُمنگیں نہ ولولے باقی | ہم سے پیروں کی زندگانی ہیچ
لوگ دیوانگی پہ ٹالیں گے | میرا قصہ مری زبانی ہیچ

شاد اب تک کھُلا نہ یہ عقدہ
ہیچ ہم یا جہانِ فانی ہیچ

ح

کرم جو آپ دلوں پر کریں کرم کی طرح
خوشی خوشی کی طرح ہو تو غم ہو غم کی طرح

شگفتہ رہ مرے سینہ میں تا ابد اے داغ
بہار اپنی دکھا گلشنِ ارم کی طرح

خدا کے فضل سے تو سر بلند ہو اے آہ
جلو میں لشکرِ حسرت کے چل علم کی طرح

فضا ہی دل کی ہوا ایسی کہ ایک حسرت کیا
یہاں تو آتے ہی سب رہ پڑیں گے غم کی طرح

جہاں میں شاد کوئی افصح اللساں نہ ہوا
شہنشہِ عَرَب و خُسروِ عجم کی طرح

اٹک گئی ہو تری کاکلِ رسا میں روح
پھنسی ہو آکے عجب طرح کی بلا میں روح

زباں پہ شکر ہو ممنونِ لطف و احساں ہو
چھٹی ہو قید سے مشغول ہو دعا میں روح

خدا نصیب کرے ہم کو تفرقہ ایسا
لحد میں جسم ہو اپنا تو کربلا میں روح

کبھی نہ آئے گا حاشا کسی طرح کا غبار
رہے گی مر کے بھی اُس کوئے جاں فزا میں روح

پتا بھی جسم کا باقی نہیں مگر اے شاد
لگی ہو آج تک احباب و اقربا میں روح

کٹ گئی شب لو مبارک تم کو ہو تنویرِ صبح
اے مؤذن! اے شفق! اے آہِ پر تاثیرِ صبح

یا حقیقت میں ہو باقی رات اب تک ای فراق

یا دَ با شورِ فغاں میں نعرۂ تکبیر صبح

حُسنِ پُر آشوبِ جاناں کو نہ دیکھا ہو تو دیکھ

اک یوں ہی سا ہو نمونہ حسنِ عالمگیر صبح

جب شب غم کی درازی لے چکی جانِ عزیز

تب سُنا اللہ اکبر نعرہ تکبیر صبح

کچھ تو میرا ساتھ دے ای شمع رونے میں ابھی

یوں نہ گھبرا خود بجھاوے گی تجھے تنویر صبح

کیا ہی دونوں کا ملایا ہو خدا نے تال میل

یا تطاول گیسوئے جاناں کا یا تاخیرِ صبح

شاد چونکوگے نہ پھر تم تو وہ سونا سو گئے

میری جاں آخر تمھیں بھی لے مری تاخیر صبح

خ

پیدا کیا ہی تو نے کسی سے اگر رسوخ
ویسا ہی چاہیئے کہ رہے عمر بھر رسوخ

دربارِ پُر جلال میں سلطان عشق کے
جز تیرے اور کس کو ہوا ای چشم تر رسوخ

شانہ کی سمت دیکھ کے کہتا ہو آئینہ
دیکھوں مَیں اور رقیب کو ہوا اس قدر رسوخ

لیل و نہار رہ درِ دلدار پر خموش
بڑھتا ہی رفتہ رفتہ یوں ہی بیشتر رسوخ

جب تک خلوص دل میں دونوں طرف سے ہو
بڑھ جائے بھی اگر تو نہیں معتبر رسوخ

صد شکر اب تو شاد کو خدمت میں یار کی
نامِ خدا رسوخ ہے اور کس قدر رسوخ

د

دل نہیں لگتا تو کیوں گھبراؤ شاد
جی چلے، بس تابہ کے، مرجاؤ شاد

مُنہ نہ پھیرو اُس نگاہِ مست سے
برچھیاں سینہ پہ تن کر کھاؤ شاد

قول بھی ایسا کرو جو نبھ سکے
ترکِ اُلفت کی نہ قسمیں کھاؤ شاد

کنجِ عزلت کیا بُری جا ہے بتاؤ
کچھ دنوں راحت کہیں تو پاؤ شاد

عالمِ پیری ہے گھر بیٹھے رہو
پھر کے در در ٹھوکریں کیوں کھاؤ شاد

مَیں نے مانا بخشوالو گے گناہ
اور جو اس کی بھی مہلت پاؤ شاد

خطِ شوق اپنا لفافہ میں رکھو
آرزوؤں کو کفن پہناؤ شاد

دے چکی اک عمر تک دنیا فریب
اب اس دھوکے کے اندر آؤ شاد

کیا جھیلنی ہو دل کو کڑی دو گھڑی کے بعد
کیا علم اور کیا ہو گھڑی دو گھڑی کے بعد

جس سے کسی طرح نہیں ذی روح کو مفر
ساعت وہی ہو سر پہ کھڑی دو گھڑی کے بعد

زنجیر پر بھی میرے جنوں کا اثر ہوا
کھل کھل پڑی ہر ایک کڑی دو گھڑی کے بعد

ای شوق جس جگہ سے بچھڑے تھے شکستہ دل
پہونچے وہیں جو کل نہ پڑی دو گھڑی کے بعد

ای شاد پاس یار کے قاصد کو بھیج کر
اُلجھن نہ جان کو ہو بڑی دو گھڑی کے بعد

مری خطا کی نہیں حد مگر سزا محدود
وفورِ شوق یہاں اور تری جفا محدود

بقدرِ حوصلہ جینا بھی قسمتوں میں نہیں
یہی عطا ہے جو اُس کی تو یہ عطا محدود

درِ قبول پہ جاتے ہوئے حجاب عبث
کرم وسیع ہے اُن کا مری دعا محدود

جہاں میں آتے ہوئے کش مکش نہ کیوں ہوتی
یہ گھر ہے قبل سے محدود ہم ہیں لا محدود

زباں ہلا نہیں سکتا بہ تنگ ہوں ای شاد
دراز امید مری عمر بے بقا محدود

ذ

خامۂ شوق نہ حیراں ہو برائے کاغذ
صفحۂ دل مرا حاضر ہی بجائے کاغذ

سوزِ غم سینک رہا ہی یوں ہی میرے دل کو
آگ پر رکھ کے کوئی جیسے سکھائے کاغذ

ہاتھ میں شاخ کے اوراقِ گُل اس طرح سے ہیں
جیسے لکھنے کے لئے کوئی اُٹھائے کاغذ

وعدۂ وصل کے اقرار کو میں کیا جانوں
اُن سے پوچھو کہ برابر جنھیں آئے کاغذ

کیا عجب دکھ تجھے پہونچائیں مضامیں اُس کے
بے اجازت نہ پڑھ ای **شاد** پرائے کاغذ

ر

پھر گئے راستہ سے وہ گرد و غبار دیکھ کر
رہ گئی میری بے کسی سوئے مزار دیکھ کر

تنگ نہ کر خدا کو مان ای میری دل گرفتگی
جاؤں گا میں قفس میں خود اب کے بہار دیکھ کر

بوجھ کو اپنے پھینک پھانک سوئے عدم ہوئی رواں

پہلے ہی روح تنگ تھی جسم کا بار دیکھ کر

گذرے ہوئے گلوں کی شکل صاف نظر میں پھر گئی

اور بھی دل تڑپ گیا رنگ بہار دیکھ کر

وصل و فراق کی خبر کون پڑھے کسے دماغ

بڑھ گئی اور بے خودی نامۂ یار دیکھ کر

کھینچ کے موت لے گئی گوشۂ تنگ و تار میں

رہ گئے اپنے آشنا آخرِ کار دیکھ کر

بخت کی یہ دورنگیاں قابلِ دید ہیں ولا

دیکھوں بہارِ باغ میں اُن کی بہار دیکھ کر

وقت بُرا جو آپڑا اے مری جاں فزا اُمید

تو بھی الگ تھلگ رہی دل کو فگار دیکھ کر

شاد خلش جو دل میں تھی اُس کا بیاں کروں میں کیا
اُن کے گلے میں صبح کو رات کا ہار دیکھ کر

ہمیشہ وہم کا پردا تھا دیدۂ تر پر
کبھی نہ دیکھنے پائے تجھے نظر بھر کر

یہ مے تو کیا ترے ایما بغیر اے ساقی
نظر کریں گے نہ ہم رند آبِ کوثر پر

کبھی زباں پہ نہ لائیں گے نالہ و فریاد
کھڑے ہوئے ہیں جو با صد ادب ترے در پر

ہمیشہ رہتی ہے واعظ نگاہِ حسرت یاس
کبھی سبو پہ کبھی اپنے دامنِ تر پر

جو ہونے والا ہے اے شاد وہ تو ہوگا ضرور
پڑے رہو یوں ہی تکیہ کئے مقدر پر

نہ کیونکر نور برسے تیرے عاشق کے جنازوں پر
عجب دل تھے خدا رحمت کرے اِن پاکبازوں پر

جو آتے بھی ہیں میری قبر پہ کترا کے آتے ہیں
ہنسی بے اختیار آتی ہے ان مسکیں نوازوں پر

کسی گلگوں قبا کو بھی نہ روکا خارِ رہ بن کر

ہماری خاک کا احساں ہے دامن درازوں پر

فلک ہو یا مقدر سب کے سب دَر پے رہے دل کے

غضب نازل کرے اللہ ایسے فتنہ سازوں پر

وہی آئے نہ شاد اپنی لحد پر فاتحہ پڑھنے

ہمیشہ جان دیتا تھا میں جن عاجز نوازوں پر

عنایت ہو مے دیدار میں قربان ساقی پر

اشارہ ہو فقط درکار میں قربان ساقی پر

شرابِ شوق کا اک دَور سمجھا ہوں دو عالم کو

مے الفت سے ہوں سرشار میں قربان ساقی پر

پھر آئی یاد میخانے کی پھر سینہ میں دل تڑپا

پھر آنکھیں ہو چلیں خونبار میں قربان ساقی پر

تمنا ہے کہ میخانے میں بوسے اُس قدم کے لوں
مے کوثر نہیں درکار میں قربان ساقی پر

بتا دو میکشو کیا دیر ہے ساغر کے بھرنے میں
نکل جائے نہ جانِ زار میں قربان ساقی پر

وہ لب نامِ خدا جاں بخش، وہ معجز نما آنکھیں
وہ دل کش ابروئے خمدار میں قربان ساقی پر

وہ سحر آگیں نگاہیں اور قیامت خیز وہ چالیں
کمر میں برق دم تلوار میں قربان ساقی پر

وہ پیراہن کہ جس کی بوئے خوش پر جان دے یوسف
وہ سر پر لٹ پٹی دستار میں قربان ساقی پر

پلا دے شاد کو اک جام آخر، خیر ہو خم کی
کہ رخصت کے ہیں اب آثار میں قربان ساقی پر

ملے پھر خواب تک میں بھی نہ آکر　　عزیز ایسے گئے آنکھیں پھرا کر

تعلق میں نہ پھنس دل کو لگا کر　　تجھے آنا نہیں دنیا سے جا کر

گلہ اُن سے ہے ناحق غفلتوں کا　　مٹے ہم آپ الفت کو چھپا کر

کسے پروا سُنے گا کون میری　　خجل ناحق نہ اے دست دعا کر

سزا ہے ہوش میں آنے کی اے دل　　بس اب ناصح کہے اور تو سُنا کر

تصور کس کی رسوائی کا آیا　　رُکا کیوں خونِ دل آنکھوں میں آکر

غضب پُر ہول تھا میدانِ اُلفت　　خضر پیچھے ہٹے رستہ بتا کر

تجھے میں کیا کہوں اے فتنۂ حشر　　قیامت کی ہے سوتوں کو جگا کر

لحد میں کس سے دل بہلاؤں اے شاد
اجل نے کس جگہ پھینکا ہے لا کر

ریاضت پیشگانِ بے ریا کی شان پیدا کر　　جو راحت چاہتا ہے دل میں اطمینان پیدا کر

تلاشِ مذہب حق ہو رہے گی اس کی جلدی کیا　　صداقت کھو گئی ہے اس کی تا امکان پیدا کر

عبث اس خامشی کے ساتھ رونا چشم تر تیرا مزا تب ہو کہ ہر قطرہ میں اک طوفان پیدا کر

رہے جو یاس سے محفوظ ڈھونڈھ ایسی تمنا کو نہ ہو حسرت کا جس کو خوف وہ ارمان پیدا کر

یہ مانا اُس حسیں کو **شاد** الفت تجھ سے ہو لیکن

ابھی کچھ تجربہ اے بے خرد انسان پیدا کر

گریاں ہوں اب بھی یار کے کوچہ کو چھوڑ کر چاہو تو دیکھ لو مری مٹی نچوڑ کر

شکوہ عبث ہو اُن کے بھی جی میں آ گئی وہ اور دل بنائیں گے اس دل کو توڑ کر

بہتی ہو اب بھی پہلے بھی جاری تھی نہر اشک پھر نفع کیا ہوا مری آنکھوں کو پھوڑ کر

یوں جلد اُس نگہ نے کیا دل مرا شکار جس طرح باز گرتا ہو شہپر کو جوڑ کر

جاگے شب فراق کے سوتے تھے بے خبر اے شور حشر مفت جگا یا جھنجھوڑ کر

جن دوستوں نے آگے جھکائے سر نیاز

چلتے ہیں **شاد** اب وہی منہ مجھ سے موڑ کر

کب سے سنتے ہیں کہ ہے خنجر بکف تیری نظر کاش ہوتی بزم میں میری طرف تیری نظر

ہوں جو بسمل تیرے کوچہ میں تعجب سے نہ دیکھ ‏ ‏ اک مجھی پر کیا اُلٹے وصف کی صف تیری نظر

ای خوشا میری سعادت واہ رے بخت بلند ‏ ‏ ای زہے وہ دن کرے مجکو ہدف تیری نظر

زخم ظاہر پر نہ جا، باطن پہ دم بھر غور کر ‏ ‏ تیغ سے وہ چند رکھتی ہی شرف تیری نظر

شاد یوں تو دھیان کعبہ کا بھی ہی دل کو ترے

کاش مرتے وقت ہو سوئے نجف تیری نظر

یوں حسرتوں کی بھیڑ ہی اس دل کے گھاؤ پر ‏ ‏ پروانے جمع ہوتے ہیں جیسے الاؤ پر

طبع رواں دکھا گئی ساحل مراد کا ‏ ‏ کشتی کو میں نے چھوڑ دیا ہی بہاؤ پر

پیری میں لے کے آیا ہی قاصد پیام وصل ‏ ‏ افسوس اب تو آپ ہوں میں چل چلاؤ پر

کیوں باغباں یہی ترے گلشن کی تھی بہار ‏ ‏ ٹھہرے نہ پھول چار دن اس رکھ رکھاؤ پر

وہ قتل گاہ میں ترا پھر پھر کے دیکھنا ‏ ‏ دو چار گھاؤ اور لگے پہلے گھاؤ پر

پھرتا ہوں اُس طرف کو ہوس جس طرف پھرائے ‏ ‏ تقدیر نے چڑھا دیا بے گُن کی ناؤ پر

مرنے کے بعد قبر پہ قاتل کرم کرے ‏ ‏ ای **شاد** ہم تو جیتے ہیں اب اس لگاؤ پر

حُسن اگر ہو تو خود نمائی کر　　چھوڑ دے بندگی خدائی کر

لے کے قاصد پیام یار آیا　　نکل اے روح پیشوائی کر

دردِ سر کی دوا جو ہے منظور　　درِ جاناں پہ جبہہ سائی کر

صفتِ نیک کو نہ کر بدنام　　پارسا ہو تو پارسائی کر

اے مرے خضرِ رہ نمائے عشق　　تھام لے ہاتھ رہنمائی کر

بدنما ہو چلے ہیں ناخنِ غم　　خونِ دل سے انھیں حنائی کر

راہِ الفت میں خار زار آیا

شاد فکرِ برہنہ پائی کر

نظرِ لطف کہاں ہوتی ہے بدحالوں پر　　کون الزام ہے ان حسن کے متوالوں پر

سر کو خم کر دیا سورج کی طرح ہم نے بھی　　آنکھیں ٹھہریں دمکتے ہوئے گالوں پر

حسنِ بے ساختہ کی بات نہ پوچھ اے شانے　　مر مٹے لاکھوں ہی اُلجھے ہوئے اُن بالوں پر

نہ ہوئیں دل کی یہ خونخوار امیدیں افسوس　　مہرباں شیر بھی ہو جاتے ہیں رکھوالوں پر

کون جی توڑ کے ملتا ہی دل آزاروں سے ناز کیوں کر نہ ہو اے پاؤں ترے چھالوں پر

بھر دیا خود نگہِ ناز میں جادو یارب پھر بھی سو طرح کے الزام ہیں دل والوں پر

شاد ہر سانس میں لاکھوں ہی گنہ کرتے ہیں

اب خدا رحم کرے ہم سے بداعمالوں پر

لبِ خنداں سے آہِ دردناک و چشمِ نم بہتر

اگر ہو بے بقا شادی تو اُس شادی سے غم بہتر

بتوں سے قطع کر لینا فقط حوروں کے لالچ سے

یہی گر حق پرستی ہی تو زاہد تجھ سے ہم بہتر

رہیں دیدار سے محروم ساتھ اس چشمِ بینا کے

یہی ہستی جو اپنی ہی تو ہستی سے عدم بہتر

جو بے اخلاص کے سر سے بھی جائیں اُس کے کوچہ میں

تو ایسے داغِ پیشانی سے پھر نقشِ قدم بہتر

خوشی کا یار کی خواہاں ہوں جس میں **شاد** وہ خوش ہو
نہ میرے واسطے دوزخ نہ گلزارِ ارم بہتر

ستم عبث نہیں ہوتے ترے ستم کش پر کرو معائنہ لوبان رکھ کے آتش پر
میں حشر تک یوں ہی زندہ رہوں گا اے ہجر نہ نکلی روح بدن سے جب اس کشاکش پر
خوشا یہ تیر ترا اور زہے شکار اے ترک تڑپ رہا ہے مگر پھر نظر ہے ترکش پر

گلِ سخن تو ہے بے داغ خوف کیا اے **شاد**
کرو نگاہ نہ اِن باغبانِ سرکش پر

چشمِ سیہ میں سُرمہ دے زلفِ سیاہ میں شانہ کر قتلِ جہاں کے واسطے تازہ پھر اک بہانہ کر
بعد کو خونِ دل بہا بیٹھ کے انتظار میں پہلے تو جانِ بے قرار خط کو اُدھر روانہ کر
کوئے نیازِ عشق میں آ جو پڑا نہ ہے نصیب خاک پہ رکھ جبینِ شوق سجدۂ عاجزانہ کر
نالہ ہوا ہے منفعل شہرتِ عام سے عبث کس نے کہا کہ یوں بلند شورشِ عامیانہ کر
اہلِ ہوس بھی ہو گئے آ کے حریفِ میکشاں پیرِ مغاں الٹ دے خم بند شراب خانہ کر

نقش وہ کھینچ ہر طرف جس پہ ہو آپ محو تو
ہاتھ میں کلکِ فکر لے گھر کو نگار خانہ کر

باغ جہاں ہے پر خطر بلبلِ زار سے کہو
شاخِ بلند و استوار دیکھ کے آشیانہ کر

شستگیِ زباں عبث دل میں بھرے ہیں خار و خس
چھوڑ ابھی برونِ در فکرِ درونِ خانہ کر

دیکھ کلام شاد کا شعر کا ماحصل سمجھ
جاگ کے کر شبیں بسر فکر کو عارفانہ کر

رہے ہیں دل میں تمنا و آرزو ہو کر
وہ ہم ہیں محو کے ہم آئے ہیں تجھ میں تو ہو کر

لگی ہوئی ہے عنادل کی روح پھولوں میں
عجب نہیں کہ جو رہ جائے رنگ و بو ہو کر

ہماری خاک ہو کحل البصر فرشتوں کو
جو آئے کام کسی رند کے سبو ہو کر

دلِ حزیں ہمہ تن اشتیاق ہے اے دوست
یہاں تو آتی ہے حسرت بھی آرزو ہو کر

تڑپ تڑپ کے مزے لے رہا ہوں اے قاتل
نکل رہی ہے تمنا مری لہو ہو کر

سحر وصال کی تب دیکھی مرنے والوں نے
دعائیں حشر تلک کیں جو قبلہ رو ہو کر

کسی کو تیری شرافت میں شک نہیں اے عشق
رہا ہے گو ہرِ جاں میں تو آبرو ہو کر

جو دیکھنا ہو یہ میلا لگائیے بستر
اس اژدحام سے ای شاد ایک سو ہوکر

ز

دنیا میں رہ کے عیش منانا ہی چند روز — ہشیار زندگی کا زمانہ ہی چند روز
واحسرتا کہ باغ میں مہمان ہی بہار — ای عندلیب تیرا ترانا ہی چند روز
سمجھے ہوئے ہیں آتشِ گل کی لہک کو ہم — مقصود بلبلوں کو جلانا ہی چند روز
ڈرتی عبث ہی روح رواں بارِ جسم سے — مجلو ابھی یہ بوجھ اُٹھانا ہی چند روز
پھر تو بٹھا ہی دے گی اجل پاؤں توڑ کر — اُن کی گلی میں شاد کا جانا ہی چند روز

اللہ رے وہم اللہ رے شک حیرت میں ہی تو انسان ہنوز
وہ پیشِ نظر ہیں جلوہ فگن تجکو نہیں اطمینان ہنوز
ہم درد ہی کون اور کون عدو ہی کس میں خلوص اور کس میں ریا
افسوس اس ادنے بات کی بھی آئی نہ تجھے پہچان ہنوز

دنیا کا بھی گھر ہے طرفہ مکاں اک عمر ہمیں رہتے گذری
ہے کون سا صاحب خانہ یہاں آگاہ نہیں مہمان ہنوز

دیکھی نہ تری جس وقت طلب برستے ہی سے پلٹی خاک مری
دنیا نے مٹا ڈالا لیکن عاشق کی وہی ہے آن ہنوز

ہر چند محاذی پہلو سے تا وسع کنارہ میں نے کیا
قابل نہیں لیکن چھپنے کے اے شاد مرا دیوان ہنوز

س

کٹے نہ چھپے اس فصل میں ہزار افسوس
شگفتہ دل نہ ہوا اور گئی بہار افسوس

اس انتظار میں آخر اجل بھی آپہونچی
تمام عمر ہوئی اور ملا نہ یار افسوس

جواب تھے تو بہت سے تمھاری پرسش کے
ہوا خموش حیا سے گناہگار افسوس

تمھارے دھیان میں آنکھوں سے خون ہو کے بہا
نہ لا سکا مرا دل تاب انتظار افسوس

نہ اس طرح سے کرو شاد بار بار افسوس ملو گے جا کے بہت جلد مرنے والوں سے

ش

نہ خوشی سے خوش ہے نہ غم سے خوش، نہ مکاں سے خوش نہ مکیں سے خوش
وہ خدا نے ہم کو دیا ہے دل کہ نہ آسمان نہ زمیں سے خوش

ہمیں فکر لعل سفید کی نہ تلاش درِ یتیم کی
ترا نام پائیں کھدا ہوا تو ہیں اس طرح کے نگیں سے خوش

ہیں گلی میں یار کی ہم اگر تو نہالِ گل پہ ہیں بلبلیں
اُنھیں اپنے نغموں سے ہے خوشی تو ہم اپنی آہِ حزیں سے خوش

اسی سوچ میں ہوں پڑا ہوا کہ وجود کے ہیں حدود کیا
نہ مجھے دل ملا بھی تو وہ ملا کہ یہیں سے خوش نہ وہیں سے خوش

تمھیں شاد چاہیے اب یہی نہ پڑو گمان کے پھیر میں

کہ زمانہ بھر میں ہر ایک ہے فقط اپنے دل کے یقیں سے خوش

ص

ای دستِ شوق چاہیے بہرِ دعا خلوص | آلائشیں بھری ہیں دلوں میں کجا خلوص
ملتے بھی ہیں تو خود غرضی ہے شریکِ حال | غیروں پہ کیا ہے بھول گئے اقربا خلوص
منہ پھیر کر وہ بیٹھے ہیں اس طرح بزم میں | گویا کہ ہم سے اُن سے کبھی کا نہ تھا خلوص
ساقی خفا ہے درہم و برہم ہے بزمِ مے | آیا نفاق بادہ کشوں میں گیا خلوص

کیوں شاد کیا بگڑ گئی ناصح سے ان دنوں
رکھتے تھے اُس عزیز سے تم تو بڑا خلوص

ض

ہر گز کبھی کسی سے نہ رکھنا دلا غرض | جب کچھ غرض نہیں تو زمانے سے کیا غرض

دنیا میں کچھ تو روح کو اس جسم سے ہی کام
ملتا ہی ورنہ کون کسی سے بلا غرض

دیکھا تو تھے یہی سببِ حسرت و الم
مجبور ہو کے ترک کیا مدعا، غرض

کیوں کر نہ روح و جسم سے ہو چند دن ملاپ
اُس کو جُدا غرض ہی تو اس کو جُدا غرض

الزام تا کہ سر پہ کسی طرح کا نہ ہو
ای شاد ڈھونڈھتی ہی بہانے قضا غرض

ط

اُس شوخ کو ای شاد عبث ہم نے لکھا خط
صد حیف کہ قاصد سے لیا اور نہ پڑھا خط

اب تک نہ پڑھا ایک نے تقدیر کا لکھا
یہ خط بھی زمانے میں عجب طرح کا تھا خط

کس غیظ سے قاصد کی طرف اُس نے نظر کی
جب ہاتھ میں اُس نے کسی حیلہ سے دیا خط

کمبخت اسی شرم سے اب تک نہیں پلٹا
قاصد نے گرایا کہیں میرا بہ خدا خط

ای شاد وہ قاصد سے بھی ہو جائیں گے برہم
کر دے گا کسی دن مرے لکھے کو ادا خط

ظ

آنکھوں میں شرم ہی نہ کسی کا ہی اب لحاظ
اگلوں کے ساتھ اُٹھ گیا سارا ادب لحاظ

کاٹی ہی ساری عمر اطاعت میں عشق کی
پیرانِ محتشم کا کریں کیوں نہ سب لحاظ

ای پیر گوشہ گیر ہو خلوت میں بیٹھ رہ
پھر کیا رہا، رہا نہ جوانوں کو جب لحاظ

جو باتمیز ہیں اُنھیں ایسوں کو شرم ہی
جس کو حیا نہیں، اُسے ہوتا ہی کب لحاظ

کیوں **شاد** شکوۂ شبِ ہجراں کہاں تلک
لازم ہی کچھ تو یار کا ای بے ادب لحاظ

ع

رہ رہ کے جھلملائے نہ کیوں بار بار شمع
تیرے فروغِ رُخ سے ہی روشن ہزار شمع

رو رو کے دُھن یہی ہی سر اپنا رواں ہیں اشک
ای صبح کر رہی ہی ترا انتظار شمع

اس کو بھی صبحِ ہجر نے آخر بجھا دیا
تھی ای شبِ فراق مری غمگسار شمع

تنہا پڑا ہوا ہوں نہ ہمدم نہ غمگسار
روئے نہ میری قبر پہ کیوں زار زار شمع

کیوں کر نہ منہ کو دامنِ فانوس میں چھپائے
پروانوں کے لحاظ سے ہی شرمسار شمع

کٹتی ہی اہلِ بزم کی اُمید و بیم میں
رہ رہ کے جھلملاتی ہی جب بار بار شمع

کچھ لو لگی ہی جب تو نہیں چین کوئی دم
کیوں شاد کس کے سوگ میں ہی بیقرار شمع

غ

ای قبر! شام ہوتے ہی گھر گھر جلا چراغ
تاروں کی روشنی بھی نہیں یاں کہاں چراغ

شاید بر آئی ہوں گی اُمیدیں ہزارہا
ہیں جمع میری قبر پہ بے انتہا چراغ

بدلی ہوا تو تم بھی نہ دوگے ہمارا ساتھ
ای شمع بے مروت ای بے وفا چراغ

پیری کے ساتھ لطف گیا زندگی کا بھی
شب کٹ گئی سحر ہوئی غافل بجھا چراغ

اشکوں کے ساتھ عمر کا بھی خاتمہ سمجھ
ای شاد تیل جب نہ رہا بجھ گیا چراغ

ف

یَں شاؔد تنہا اک طرف دنیا کی دنیا اک طرف
سارا سمندر اک طرف آنسو کا قطرا اک طرف

اس آفتِ جاں کو کبھی پردہ اُٹھانا ہی نہ تھا
اک سمت عیسیٰ دم بخودٗ غش میں ہیں موسا اک طرف

ساقی بغیر احوال یہ پہونچا ہی میخانے کا اب
جام اک طرف ہی سرنگوں خالی ہی مینا اک طرف

یارب مفر اس حُسن سے دل کو کسی جانب نہیں
ترچھی نگا ہیں ایک سوٗ زلفِ چلیپا اک طرف

وہ تیغ ٹیکے کہتے ہیں دیکھوں تو حق پر کون ہی
یَں اک طرف شاؔد اک طرف سارا زمانہ اک طرف

نقشے جُدا عنواں الگ لیکن حیا دونوں طرف

کم اور زیادہ پہ نہیں فکرِ وفا دونوں طرف

شب کو وہ چتون پہ غضب یاں دل گرفتارِ تعب

دونوں کے دو عنوان تھے لیکن گلا دونوں طرف

ہستی کا نقشہ کھینچ کر دیکھا تو یہ آیا نظر

ہے بیچ میں دارِ فنا، دارِ بقا دونوں طرف

برسوں کے بعد اک بزم میں دیکھا جواُن کو دفعتاً

تھی بیخودی از ابتدا تا انتہا دونوں طرف

اس ذکر پر یاد آگیا عہد جوانی شاد کا

تب ہی محبت کا مزا جب ہو وفا دونوں طرف

ک

واعظ بتوں کو تو نے کہا اہل نور تک　　　اے بے خبر یہ بات پہونچتی ہے دور تک

کیونکر مٹے گی دل سے ندامت بتائیے ۔۔۔ مانا کہ بخش دیں وہ ہمارے قصور تک
پر تو ہی سب یہ یار کا جتنے حسین ہیں ۔۔۔ اس میں تو آگئی تری اے شیخ حور تک
تاثیر سے کہو کہ نکلنا ترا محال ۔۔۔ نالہ حصار باندھ چکا دور دور تک
مرنے پہ انتظار کا ویسا کہاں مزا ۔۔۔ یہ بات ختم ہو گئی آنکھوں کے نور تک
اعضائے تن کے ضعف پہ کچھ منحصر نہیں ۔۔۔ پیری سے اب حواس میں آیا فتور تک
اظہار درد ہجر میں اک دل تھا ایک میں ۔۔۔ پہونچائیں کس نے رات کی باتیں حضور تک
یہ خوف ہے کہ اُن کو جلال آگیا تو پھر ۔۔۔ شامل قصوروار کے ہیں بے قصور تک

بیداریِ فراق ہے اے **شاد** مغتنم
سوئے تو پھر نہ چونکیں گے شور نشور تک

دور اگر ختم تھا ساقی اسی پیمانے تک ۔۔۔ مغبچے کیوں مجھے لے آئے ہیں میخانے تک
غیرتِ حسن! اخدا تجکو سلامت رکھے ۔۔۔ آتے تھرّاتی ہے لو شمع کی پروانے تک
بام پر کس نے اٹھائی رخِ روشن سے نقاب ۔۔۔ چادر اک نور کی بچھی ہے جلوخانے تک

کہہ کے یہ کان میں رخصت ہوئی امیدِ وصال
بسترِ ہجر سے اٹھنا نہ مرے آنے تک

روح اور تن کی کہانی کے ہیں سارے قصّے
شاد یہ بزم ہے باقی اسی افسانے تک

مرے غم میں رہے گی سرنگوں شمشیر مدت تک
لب سوفار سے نالے کریں گے تیر مدت تک

میں وہ دیوانہ ہر دل عزیز اے دشت! تجھ میں تھا
مرے قدموں سے چھٹ کر چپ رہی زنجیر مدت تک

نہ کر مجھ سے کلام اللہ کی بندہ نوازی میں
مسلماں میں بھی تھا او کافرِ بے پیر مدت تک

نئے سر سے مرمت میں نے کی قصرِ معانی کی
پڑی تھی خاک پر مسمار یہ تعمیر مدت تک

لہو روئیں گی آنکھیں **شاد** سب کی میرے ماتم میں

پڑھی جائے گی یاروں میں مری تحریر مدت تک

عمر اور عمر کی لذت کب تک
یوں دلا ایک سی نعمت کب تک

ای نقابِ رخِ روشن انصاف
دیدۂ شوق کو حیرت کب تک

نہیں ملتا مری باتوں کا جواب
گر یہ غفلت ہے تو غفلت کب تک

مرنے والوں کو تری منتظری
آخر ای روزِ قیامت کب تک

نہ تو پھول آئے نہ اس نخل میں پھل
شاد آخر یہ ریاضت کب تک

ساکت ہیں بعد مرگ قوا سر سے پاؤں تک
مُہریں لگا گئی ہے قضا سر سے پاؤں تک

قاصد کہے گیا مری زردیِ رُخ کا حال
اس داستاں کو خوب رنگا سر سے پاؤں تک

شاید صبا سُنا گئی افسانہ خزاں

ہر نخلِ باغ کانپ گیا سر سے پاؤں تک

یوں بخشش دے جو مجھکو تو یارب ترا کرم

ورنہ ہوں مستحق سزا سر سے پاؤں تک

دوزخ سے مے کشوں کو ڈرانے لگا جو شیخ

اک آگ لگ گئی بہ خدا سر سے پاؤں تک

جاگے شبِ فراق کے کروٹ نہ لیں گے پھر

جب تان لی سفید ردا سر سے پاؤں تک

اللہ شاؔد غیر کی یہ عیب جوئیاں

تو خود پہ کر نگاہ ذرا سر سے پاؤں تک

م

ڈھونڈھوگے اگر ملکوں ملکوں ملنے کے نہیں نایاب ہیں ہم

✓ تعبیر ہے جس کی حسرت و غم ای ہم نفسو وہ خواب ہیں ہم

اے دردِ پتا کچھ تو ہی بتا اب تک یہ معمّا حل نہ ہوا
ہم میں ہے دلِ بیتاب نہاں یا آپ دلِ بیتاب ہیں ہم

میں حیرت و حسرت کا مارا خاموش کھڑا ہوں ساحل پر
دریائے محبت کہتا ہے آ کچھ بھی نہیں پایاب ہیں ہم

اے ضعف! تڑپتے جی بھر کر تو نے مری مشکیں کس دی ہیں
ہو بند اور آتش پہ ہو چڑھا سیماب بھی وہ سیماب ہیں ہم

ہو جائے بکھیڑا پاک کہیں پاس اپنے بلا لیں بہتر ہے
اب دردِ جدائی سے اُن کے اے آہ بہت بیتاب ہیں ہم

لاکھوں ہی مسافر چلتے ہیں منزل پہ پہونچتے ہیں دو ایک
اے اہلِ زمانہ قدر کرو! نایاب نہ ہوں کم یاب ہیں ہم

مرغانِ قفس کو پھولوں نے اے شاد یہ کہلا بھیجا ہے
آجاؤ جو تم کو آنا ہو ایسے میں ابھی شاداب ہیں ہم

سر پہ کلاہِ کج دھرے زلفِ دراز خم بہ خم — آہوئے چشم ہے غضب ترکِ نگاہ ہے ستم

عشوۂ دل گداز وہ ذبح کرے جو بے چھری — ناز وہ دشمنِ وفا، رحم کی جس کو ہے قسم

وہ خمِ گیسوئے دراز دامِ خیالِ عاشقاں — ہو گئے بے طرح شکار اب رہے کہیں کے ہم

دل جو بڑا رفیق تھا وہ تو ہے دستِ غیر میں — رہ گئی ایک زندگی وہ کہیں آرزو سے کم

وقتِ عزیز جا چکا آئے پلٹ کے اب محال — جتنے زمانے طے کئے طے ہوئی منزلِ عدم

نرگسِ پرخمارِ یار کرتی ہے کام زہر کا — بادۂ خوشگوار میں گھول دیا کسی نے سم

طولِ کلامِ بے محل **شادؔ** اگرچہ عیب ہے
لکھتے کچھ اور حالِ دل حیف کہ رک گیا قلم

لو اے بتو جفا سے کبھی تو وفا کا کام — بندوں کے کام آؤ یہی ہے خدا کا کام

اپنی سی تو تو کر انھیں پھر اختیار ہے — سننا ہے اُن کا کام پہونچنا دعا کا کام

سینہ میں داغ کھلتے ہی جاتے ہیں ہر نفس — اب اپنی سانس کرتی ہے بادِ صبا کا کام

رونے کی تاک یوں ہے مری چشمِ شوق کو — طاعت گوار کرتے ہیں جیسے خدا کا کام

ای شاد میری سخت کلامی پہ ہو خموش — ناصح بھی دل سے لینے لگا انبیا کا کام

مرتے ہیں کیوں بہار چمن کی ہوس سے ہم — آخر تو اُڑ کے جائیں گے اک دن قفس سے ہم

صیّاد نفع کیا ہو بتا اس نفاق کا — ہم سے الگ ہو تنگ قفس اور قفس سے ہم

ہمسائے اپنے شورِ فغاں سے بہت ہیں تنگ — فریاد اپنی آپ کریں دادرس سے ہم

سونے نے کارواں کے ہمیں بھی سلا دیا — چونکے تھے چند بار صدائے جرس سے ہم

طبع سخن شناس نے کی ہو خود اپنی قدر
جب جب ملے ہیں شاد کسی نکتہ رس سے ہم

اُٹھتی جوانی، عضو منا سب، سانولی رنگت، ہائے ستم
آنکھیں رسیلی، باتیں بھولی، چال قیامت ہائے ستم

بُعدِ مسافت، رات اندھیری، شمع نہ مشعل، میں تنہا
ضعف سے گرنا، سانس کا چڑھنا، شدتِ وحشت ہائے ستم

تیغ کا گِرنا، دم نہ نکلنا، ہاتھ جھٹکنا، بانکی ادا

وقت کی خوبی، میرا اتڑپنا، اُن کی ندامت ہائے ستم

شاد کو جا کر میں نے بھی دیکھا، کیا کہوں تجھ سے پوچھ نہ کچھ

منہ کی اُداسی، رنگ کی زردی، ضعف و نقاہت ہائے ستم

ڈھال ساقی کہ زمانہ کی ہے عادت معلوم
بعد کو فرصتِ تحصیلِ سعادت معلوم

چھیڑ مطرب کوئی ساز ایسے میں شب باقی ہے
اتنی فرصت ہے بہت پھر تو ہے فرصت معلوم

بزم ساقی کے نثار اُس کی کہانی دہراو
قصۂ کوثر و افسانۂ جنت معلوم

شیخ پر خاک کھلے مرتبۂ پیرِ مغاں
جس کے دل میں ہو غبار اُس کی بصیرت معلوم

کھل ہی جائے گا مقرر کسی دن آپ سے آپ
چپ رہو شاد زمانہ کی ہے طینت معلوم

تنگ ہوئے ہیں کس قدر اس دلِ پر تعب سے ہم

یوں ہی کراہتے ہیں آج صبح سے بلکہ شب سے ہم

در پہ ترے ہزار ہا کر گئے عرض مدعا

در پہ ترے کھڑے رہے سر کو جھکائے کب سے ہم

باب قبول تک گئی کوئی دعا نہ آج تک

سچ تو یہ ہی ذلیل ہیں بزم جہاں میں سب سے ہم

دونوں میں تو ہی فرق کر لائق مہر کون ہی

غیر ترا گلہ کریں نام نہ لیں ادب سے ہم

شاد گیا وہ اتفاق یاروں میں آگیا نفاق

صحبتِ شعر و شاعری ترک کریں گے اب سے ہم

انگر کی طرح آئے تھے جلنے کے لئے ہم | جب تک کہ جلائے گئے ای عمر جئے ہم

کرنا نہ فراموش ہمیں ارشد کہ اللہ | ای موت ہی تو میرے لئے تیرے لئے ہم

بھولے نہ ادب خاک بھی ہو کر ترے در کا | تا حشر رہے منہ تری جانب کو کئے ہم

اس بزم سے ای شاد سخن فہم سدھارے

سچ ہی غزلیں جمع کریں کس کے لئے ہم

دل ہی میں لے چلے صبا دل کی اس آرزو کو ہم
دے نہ سکے پیام کچھ طرۂ مشکبو کو ہم

مطلبِ دل تو ہے بہت کیا کریں گر نہ چپ رہیں
لائیں زباں کہاں سے آہ! آپ سے گفتگو کو ہم

وعدوں پہ اُن کے ہے وثوق یوں تو ہمیں بہت مگر
روک رکھیں کہاں تلک جانِ بہانہ جو کو ہم

اُٹھ گئے اُس مقام سے اشک بھر آئے جس جگہ
آج تلک بچائے ہیں عشق کی آبرو کو ہم

سینۂ تنگ ہو گیا دامنِ وحشت سے فزوں
دل میں بہت لئے رہے عشق کی ہاؤ ہو کو ہم

وحشتِ دل کو کیا کہیں جس میں کیا ابھی رفو
پھاڑ کے اُٹھ کھڑے ہوئے دم میں اُسی رفو کو ہم

شاد بہت ہیں غفلتیں بزم میں اہل بزم کو
دیں گے یہی غزل کسی مطربِ خوش گلو کو ہم

فریب عشق تھے یا آپ کی ادا تھے ہم
غرض یہ راز نہ اب تک کھلا کہ کیا تھے ہم

جفا سے اُن کی ذرا بھی اگر کریں اکراہ
تو کس زباں سے کہیں گے کہ با وفا تھے ہم

جو یہ ہو پچا منزلِ مقصد پہ ہم ساوا ماندہ
تو خضرِ شوق پکارا کہ رہ نما تھے ہم

خوشا زمانہ کہ آزاد تھے اُمیدوں سے
خوشا وہ وقت کہ اس دل سے بھی جدا تھے ہم

بھلائی اس لئے چاہی کہ ہوں بھلے مشہور
غرض کہ اپنے ہی مطلب کے آشنا تھے ہم

کٹے بہار کے دن شغل میکشی میں **شاد**
خزاں کی فصل جب آئی تو پارسا تھے ہم

اسیرِ جسم ہوں میعادِ قید لامعلوم
یہ کس گناہ کی پاداش ہے خدا معلوم

تری گلی بھی مجھے یوں تو کھینچتی ہے بہت
دراصل ہے مری مٹی کہاں کی کیا معلوم

تعلقات کا اُلجھاؤ ہر طرح ظاہر
گرہ کشائیِ تقدیرِ نارسا معلوم

سفر ضرور ہے اور عذر کی مجال نہیں　　مزا تو یہ ہے نہ منزل نہ رستا معلوم

دعا کروں کہ کروں سوچ ہے یہی کہ تجھے　　دعا کے قبل مرے دل کا مدعا معلوم

سُنی حکایت ہستی تو درمیاں سے سُنی　　نہ ابتدا کی خبر ہے نہ انتہا معلوم

طلب کریں بھی تو کیا شے طلب کریں اے شاد

ہمیں کو آپ نہیں اپنا مدعا معلوم

اُجالا جس سے تھا چاروں طرف وہ ہم نہیں ہیں ہم

اندھیرے گھر میں شمعِ کشتہ سے کچھ کم نہیں ہیں ہم

کہو پھولوں سے اوروں کو دکھائیں رنگ روپ اپنا

ٹپک پڑنے کی ہم میں خو نہیں شبنم نہیں ہیں ہم

ہمارا زخمِ دل یوں چارہ گر سے ہنس کے کہتا ہے

نہ کر اوقات ضائع قابلِ مرہم نہیں ہیں ہم

خزاں کا روپ بھی دل کش ہے آنکھیں ہوں تو کھل جائے

تم ایسوں سے ابھی ای نوجوانو کم نہیں ہیں ہم

تعجب اپنے جینے پر تھا مر جانے پہ غم کیسا

بڑھاپے میں موئے ہیں لائق ماتم نہیں ہیں ہم

مرادستِ طلب بڑھ بڑھ کے یوں کہتا ہی ساقی سے

سبب کیا گردنِ مینا میں اب تک خم نہیں ہیں ہم

ہمیں پیری کی زحمت شاد کس الفت سے کہتی ہی

مری جاں نام بدلو دوسرا وہ ہم نہیں ہیں ہم

تمام عمر نمک خوار تھے زمیں کے ہم — وفا سرشت میں تھی ہو رہے ہیں یہیں کے ہم

نکل کے روح ڈنواڈول ہو نہ جا کہیں — ہزار حیف نہ دنیا کے ہیں نہ دیں کے ہم

نظر اُٹھا کے نہ دیکھا کسی طرف تا عمر — رہے خیال میں اک چشم سرمگیں کے ہم

زمیں چھڑائی گئی ہم سے جب بنا کر خاک — یہاں پہ کیا نہ رہے ای صبا کہیں کے ہم

زمانہ شاد ہمیں کیوں بھلا نہیں دیتا — نہ ہجو کے نہ سزاوار آفریں کے ہم

یہ رات بھیانک ہجر کی ہے کاٹیں گے بڑے آلام سے ہم
ٹلنے کی نہیں یہ کالی بلا سمجھے ہی ہوئے تھے شام سے ہم

جب تیس پہاڑ اس سر سے ٹلے عید آئی تب آئی جان میں جاں
تا دیر عجب عالم میں رہے ہونٹوں کو ملائے جام سے ہم

تھا موت کا کھٹکا جاں فرسا، صد شکر کہ نکلا وہ کانٹا
گر ہو نہ قیامت کا دھڑکا اب ہیں تو بڑے آرام سے ہم

تا منزلِ جاناں ساتھ رہا کمبخت تصور غیروں کا
شوق اپنے قدم کھینچا ہی کیا پلٹا ہی کئے ہر گام سے ہم

الفت نے انھیں کی حق کی طرف پھیر آمر دل کو شکر خدا
تعمیر کریں مسجد کوئی کیونکر نہ بتوں کے نام سے ہم

باتوں میں گذرتے ہجر کے دن اے کاش کہ دونوں مل جاتے
ہم سے ہے دلِ ناکام خفا، آزردہ دلِ ناکام سے ہم

یوں اُن کے ادب یا خاطر سے ہر بات کو لے لیں اپنے سر
جب دل ہوا انھیں کے قابو میں پھر پاک ہیں ہر الزام سے ہم
وہ سمجھے کہ میں نے مار لیا، ہم سمجھے ملیں گے آخر وہ
ملتے ہی نگہ کے دونوں خوش آغاز سے وہ انجام سے ہم
دنیا میں تخلص کوئی نہ تھا کیا نیل کا ٹیکا **شاد** ہی تھا
تم وجہ نہ پوچھو کچھ اس کی چڑ جاتے ہیں کیوں اس نام سے ہم

ہوں گی زیادہ اس سے بھی عشق میں جگ ہنسایاں
دل نے تو آپ مول لیں اپنے لئے بُرائیاں
فصلِ خزاں ہے بد بلا، اس سے خدا پناہ دے
مُنہ پہ صبا کے بھی گلو چھُٹنے لگیں ہوائیاں

ترچھی نظر سے لے کے کام پھیر کے منہ چلے گئے
ہائے رے کم نگاہیاں، ہائے رے کج ادائیاں

حشر میں رند تھے خموش صحبتِ مے سے چھوٹ کر
پیرِ مغاں کو دیکھ کر دینے لگے دہائیاں

عشق تو اس کا فضل ہے اس سے کسے ضرر بھلا
دونوں جہاں کی نعمتیں اس کے سبب سے پائیاں

ہاں مگر اک فراقِ یار، اس کا نہیں کوئی علاج
مار رکھیں چکی ہیں آہ! سب کو یہی جدائیاں

وقت خدا نخواستہ پڑ جو گیا تو سب خلاف
شاد کہاں کسی کو یاد اگلی تری بھلائیاں

نہ آئینہ کا قصہ اور نہ حالِ شانہ کہتے ہیں
حقیقت میں جمالِ یار کا افسانہ کہتے ہیں

ہنسانا اور رُلانا بے وفا دنیا کی خصلت ہے
اسی انداز کو اندازِ معشوقانہ کہتے ہیں

ازل سے اپنی گردن پر ہے احساں اپنے چلّو کا
خدا جانے کسے ساغر کسے پیمانہ کہتے ہیں

جگہ پائی ہے جن احباب نے بزمِ حقیقت میں
تجھے شمعِ تجلّٰی اور مجھے پروانہ کہتے ہیں

چھپاؤ لاکھ پر صورت پرستی سے نہیں خالی
جو ہیں اہلِ نظر کعبہ کو بھی بتخانہ کہتے ہیں

تعلق لاکھ ہو، پھر بھی جہاں سے بے تعلق ہو
اسی کو تیرے عاشق ہمّتِ مردانہ کہتے ہیں

بسے ہیں کیسے کیسے ذی شرف گورِ غریباں میں
بڑے بیدرد ہیں بستی کو جو ویرانہ کہتے ہیں

اِنھیں غزلوں پہ حال آتے ہیں میخانے میں رندوں کو
اِنھیں شعروں کو میکش نعرۂ مستانہ کہتے ہیں
تڑپنا ہو تو جاؤ جا کے تڑپو **شاد** خلوت میں
بہت دن پر ہم اتنی بات گُستاخانہ کہتے ہیں

عدو دیکھیں خوشی، احباب تیرے رنج و غم دیکھیں
کہاں سے یہ کلیجہ لائیں، کن آنکھوں سے ہم دیکھیں
وہ آنکھیں رات دن جو وصل و فرقت کو بہم دیکھیں
وہ کون آنکھیں ہیں یارب کاش اُن آنکھوں کو ہم دیکھیں
جگر خوں ہو تو ہو ہم پاکبازانِ محبّت کا
حریمِ ناز کے باہر ترے کیونکر قدم دیکھیں
طلوعِ صبح سے پہلے سرھانے جلوہ گر تو ہو
کھُلے جب بند ہو کر آنکھ گلزارِ ارم دیکھیں

نہ آئی دو گھڑی پہلے اجل افسوس کیا کہئے
رقیب اور ہاتھ رکھ کر تیرے بیماروں کا دم دیکھیں

ہم اب طالب نہ ہوں گے ہم نے بھر پایا بس ای ساقی
تری گردن صراحی دار کن آنکھوں سے خم دیکھیں

گھٹائیں چارسو اُٹھیں یہاں خالی ہی پیمانہ
تری فیاضیاں ہم بھی تو ای ابر کرم دیکھیں

ہی اُن کے ہاتھ ای شوقِ شہادت مخلصی میری
جو گھڑیوں تک کبھی قبضہ کبھی خنجر کا دم دیکھیں

ہمارا میکدہ آئینہ ہی رازِ دو عالم کا
کہو جمشیدیوں سے آئیں آکر جام جم دیکھیں

یہ پیری اور تری دفتر نویسی **شاد** کیا کہنا
ترے ہاتھوں کا کب تک ساتھ دیتا ہی قلم دیکھیں

ناز کرشمہ ساز کیوں غمزہ دل نواز کیوں
سب تو ہیں تیرے مبتلا اس پہ یہ امتیاز کیوں

دل ہے کدھر کھچا ہوا محو ہے کس کی یاد میں
کیا کہیں اس کی وجہ ہم ترک ہوئی نماز کیوں

ہم سے اگر ہوا نہ ضبط خیر یہ چوک ہو گئی
ہم پہ اگر نہ تھا وثوق ہم سے بیانِ راز کیوں

بزم میں ساقیا شراب بٹتی ہے صف کو توڑ کر
سب تو ہیں ایک حال میں اس پہ یہ امتیاز کیوں

قامتِ فتنہ خیز کو خواہشِ حشر کس لئے
یا زیِ تو کی فکر میں نرگسِ چشم باز کیوں

لب تلک آچکا تھا دل اس کی گلی کے قصد سے
بیچ میں ہو گیا مخل نالۂ جانگداز کیوں

شاد سخن کی جان ہے بادہ و نغمہ و سرود
آپ تو شعر کہتے ہیں آپ کو احتراز کیوں

فریفتہ ترے جس کو نیاز کہتے ہیں
زبانِ حسن میں اس کو بھی ناز کہتے ہیں

تری گلی کے قعود و قیام کی کیا بات
اسی کو دل کی زباں میں نماز کہتے ہیں

اٹھیں نہ حشر تلک جس نگاہ کے مارے
اسی نگاہ کو ہم دل نواز کہتے ہیں

زباں پہ ذکر ترا عذر خواہ دیدہ تر
یہی وضو ہے اسی کو نماز کہتے ہیں

یہی زبان تو ہی ترجمانِ غیب ای **شاد**

اِسی قلم کو ملک عرش تازے کہتے ہیں

ہر وقت خوشی میں کٹتی تھی وہ صبح کہاں وہ شام کہاں

آرام رساں کا ساتھ چھُٹا، کیا پوچھتے ہو آرام کہاں

بے جائے قریبِ نخلِ گُل، چارہ ہی نہیں کچھ بلبل کو

صیاد کا دیکھو ظلم ذرا، ظالم نے چھپایا دام کہاں

مِل جائے کدر بھی گر تم کو، چلّو میں پیو اور چین کرو

جس بزم کا ساقی خود نہ رہا نتھری ہوئی کیسی جام کہاں

کہتا ہی یہ شوقِ دیداُن کا ای کاش ہزار آنکھیں ہوتیں

دو آنکھوں سے دیکھا گر اُن کو تسکینِ دِلِ ناکام کہاں

ای **شاد** تھی شائد بزم آخر، دیکھا جو مجھے ساقی نے کہا

خیر اس کو بھی دیدو تھوڑی سی مخفی تھا یہ دُردِ آشام کہاں

وہ خوش نگاہ نہیں جس میں خود نمائی نہیں یہ چشم دیدہ ہیں باتیں سنی سنائی نہیں

خیال سے ہی کہیں دور آستانۂ دوست وہاں کا شوق ہے دل کو جہاں رسائی نہیں

مریضِ ہجر کو لازم ہے تیرے ظلم کی یاد دوا یہی ہے مگر ہم نے آزمائی نہیں

وہ عاشقوں سے ہیں ناراض کیوں خدا جانے وفورِ شوق کا ہونا کوئی برائی نہیں

زباں پہ ذکر مگر دل میں وسوسے ای **شاد**

خطا معاف یہ دھوکا ہے پارسائی نہیں

بظاہر آلودہ سم ہے جس میں بھرا ہے امرت بھی اُس نظر میں

جفا کو کیونکر جفا کہیں ہم تمیز مشکل ہے خیر و شر میں

جہاں گئے اس برس جنوں میں چمن ہو یا دشت سب ڈبویا

بھرا ہوا تھا کہاں کا دریا کہاں کی آفت تھی چشمِ تر میں

سُنا ہے اک دِن جئیں گے قیدی چھٹیں گے زندانِ تن سے آخر

کوئی خبر اور بھی مقرر چھپی ہوئی ہے اسی خبر میں

فراق کی جاں گزا مصیبت وصال کا دے رہی ہے مژدہ

ضرر کا پہلو ہے نفع میں جب تو نفع کیوں کرنہ ہو ضرر میں

عبارتِ عمر کب ہے مہمل سمجھ لو اتنا بیان مجمل

ضرور پوشیدہ بتدا ہے کہیں تو اے **شاد** اس خبر میں

کھوٹا نہ کہہ جو اہلِ نظر بولتے نہیں　　پرکھے بغیر سکۂ زر بولتے نہیں

اس نازو تمکنت کا ٹھکانا بھی ہے کہیں　　سنتے ہیں سب کی آپ مگر بولتے نہیں

خاموشیوں پہ نرگسِ شہلا کی تو نہ جا　　جب سوچ ہو تو اہل نظر بولتے نہیں

کیا ہے جو ساکنانِ لحد ایک ایک سے　　دیوار درمیاں ہے مگر بولتے نہیں

ان بے نیازیوں کا کہیں **شاد** ہے جواب

ہیں منتیں ادھر وہ اُدھر بولتے نہیں

نہ اُن سے ہم جدا ہیں اور نہ بے مہر و وفا ہم ہیں

تعجب ہے کہ پھر کیوں موردِ ظلم و جفا ہم ہیں

نکلنے کو نکل آ منہ سے ای دل، کیا کریں آخر

گھٹا کر طولِ شب کو صبح کر دیں کیا خدا ہم ہیں

گریباں پھاڑنا کیسا، ہلا جاتا نہیں اب تو

نہیں چلتی کچھ اپنی ای جنوں بے دست و پا ہم ہیں

گلہ اس بیکسانہ زندگی کا جب کیا ہم نے

اجل سنتے ہی آہستہ یہ بولی غم نہ کھا، ہم ہیں

دعا تک بھی تو اپنی اُس کے در تک جا نہیں سکتی

وہ شاہنشاہ ہے ای **شاد** اور مسکیں گدا ہم ہیں

خضر کیا ہم تو اس جینے میں بازی سب سے جیتے ہیں

دم اب اُکتا گیا اللہ اکبر کب سے جیتے ہیں

ہمیں پیغامبر نے کچھ تو ایسی ہی خبر دی ہے

کہیں کیا تجھ سے ای ناصح کہ کس مطلب سے جیتے ہیں

شبِ فرقت کی تاریکی نگہہ میں کب سماتی ہو
کہ ہم بازی سیہ بختی میں بھی اس شب سے جیتے ہیں

زباں قابو میں ہو سننے کو تشبیہیں سنے جاؤ
نزاکت میں بھلا کب برگِ گل اُس لب سے جیتے ہیں

اے یاور کرا ہو غمخوار کب کے مر گئے ہوتے
پیامِ وصل جب سے سُن لیا ہو تب سے جیتے ہیں

دم اپنا گھٹ کے کب کا ہجرِ جاناں میں نکل جاتا
ہوا خواہیِ شورِ نعرۂ یارب سے جیتے ہیں

عبث دریافت کرتے ہو سبب اس سخت جانی کا
خدا جانے کہ ہم اے شاد کیوں اور کب سے جیتے ہیں

اُنھیں دیکھو کہ اب تک غفلتوں سے کام لیتے ہیں
ہمیں دیکھو کہ بے دیکھے اُنھیں کا نام لیتے ہیں

ستم ڈھاتی ہی جب جب آہ سینہ میں اٹکتی ہو
مریضانِ جفا جھک کر کلیجہ تھام لیتے ہیں

نصیحت اور ہی اور سرزنش کچھ اور ہی ناصح
عبث چڑتا ہی تو، ہم کیا کسی کا نام لیتے ہیں

بُرا ہو یا بھلا اس کو نہ پوچھو پھر دل اپنا ہو
اسی ناکام سے ہم سب طرح کے کام لیتے ہیں

خراباتِ مغاں میں بے وضو بھولے نہیں جاتے
درود ای شیخ پڑھ کر ہاتھ میں ہم جام لیتے ہیں

اثر دیکھو ذرا لغزش میں 'یا ساقی' کے کہنے کا
فرشتے دوڑ کر بازو ہمارے تھام لیتے ہیں

نئے دُکھ میں پھنستا ہی فلک ای شاد یا قسمت
اگر بھولے سے نامِ راحت و آرام لیتے ہیں

جہاں تک ہو بسر کر زندگی عالی خیالوں میں
بنا دیتا ہے کامل بیٹھنا صاحب کمالوں میں

زباں میں، حلق میں، سینے میں اک مدت سے چھالے ہیں
خدا جانے بھری تھی کس غضب کی آگ نالوں میں

مری آنکھوں سے دیکھو حُسنِ صورت کے علاوہ بھی
بہت سی خوبیاں ہیں اور بھی صاحب جمالوں میں

مرے پہلو سے آخر اُٹھ گیا غمخوار گھبرا کر
بہت مشکل ہے آ کر بیٹھنا آشفتہ حالوں میں

جو آنکھیں ہوں تو چشمِ غور سے اوراقِ گل دیکھو
کسی کے حُسن کی شرحیں لکھی ہیں ان رسالوں میں

غم اس اُلجھاؤ سے چھُٹنے کا اے دل تجکو ناحق ہے
وہ کیا تیرے لئے کنگھی نہ کرتے اپنے بالوں میں

خوشا وہ، صدر میں جن کو جگہہ وہ شاہِ خوباں دے
ہمارا ذکر کیا ای **شاد** ہم ہیں خستہ حالوں میں

مینے مانا وہ بہت لطف و کرم کرتے ہیں
نئے ارمان مرا ناک میں دم کرتے ہیں

آہی جاتا ہی شہیدانِ محبت کا خیال
ہم تو شادی کے زمانہ میں بھی غم کرتے ہیں

اک اشارے میں تو ہو جائے گا کام اپنا تمام
آپ تلوار اُٹھاتے ہیں ستم کرتے ہیں

وہ سلامت رہیں اتنا بھی بہت ہی قاصد
پوچھ لیتے ہیں غریبوں پہ کرم کرتے ہیں

تم نہ ہو **شاد** مگر جو شعرا ہیں کامل
شعر پڑھنا تو کجا، بات بھی کم کرتے ہیں

جہاں میں ہر جگہہ مسکن مرا ہی وہ مکیں ہوں میں
یہ ہونا بھی کوئی ہونا ہی ہوں اور پھر نہیں ہوں میں

جفائے یار کا تھا شکر واجب اُس پہ بھی چپ ہوں
شکایت کے بھیجے ہیں دل میں دفتر عیب بیں ہوں میں

لیا دستِ جنوں سے کام اب تک خاک اُڑانے کا

نہ پہنچا ہاتھ ڈالا، پردہ دارِ آستیں ہوں میں

گلہ واماندگی کا کیا ہو قسمت کی شکایت ہے

کہ میرا کارواں منزل کو پہونچا او رہ ہیں ہوں میں

غلط ٹھہراؤں کیونکر شاد میں دنیا کے نقشہ کو

خدا ناکردہ کیا اوروں کی صورت نکتہ چیں ہوں میں

وہ میری باتوں کو اور روتی ڈھال دیتے ہیں
زباں ہلاؤں تو ہنس ہنس کے ٹال دیتے ہیں

تمام دن میں کئی بار ہم کو رو لینا
یہ اشک کچھ تو کدورت نکال دیتے ہیں

بیانِ حال زبانی، خطوں سے بہتر ہے
یہ بات کان میں قاصد کے ڈال دیتے ہیں

ملے زلال کہ تلچھٹ گلہ نہ کر پی جا
یہ میکدہ ہے یہاں حسب حال دیتے ہیں

جو دیں سوال پہ اُن کی سند نہیں اے شاد

وہی کریم ہیں جو بے سوال دیتے ہیں

مرتے ہیں، جو قاتل پہ وہ مرتے ہی نہیں ہیں
ہستی سے کسی حال گذرتے ہی نہیں ہیں

ساقی نہیں، کیونکر نہ پڑیں حلق میں پھندے
ہم لاکھ پئیں گھونٹ اُترتے ہی نہیں ہیں

کیوں صاحبو! یہ سچ ہے کہ رحمت کے فرشتے
کیا ہجر کی راتوں کو اُترتے ہی نہیں ہیں

کس طرح میں ڈھونڈھوں دلِ گم گشتہ کو اپنے
گیسو ترے شانوں پہ بکھرتے ہی نہیں ہیں

وہ بھی کوئی عاشق ہے جسے موت کا ہو خوف
دل اُن کے ہیں جو موت سے ڈرتے ہی نہیں ہیں

آگے سے نہ اُٹھ جائے لگا رکھتے ہیں اتنی
ہم جام کو خالی کبھی کرتے ہی نہیں ہیں

پیراک وہی بحرِ محبت کے ہیں اے شاد
ڈوبے تو کسی حال اُبھرتے ہی نہیں ہیں

بس آپ گردِ کدورت سے دل کو صاف کریں
جو بھول چوک ہوئی ہو اُسے معاف کریں

رقیب جمع ہیں چہرہ پہ ڈال لیں وہ نقاب
ادب ضرور ہے مصحف کو اب غلاف کریں

اُدھر سے بھی تو عطاؤں کی چاہیے افراط
جو ہم بہت سی خطاؤں کا اعتراف کریں

بس اب یہی ہے زمانہ، اسی کی ہے تعریف
ہمارا طرز اُڑائیں ہمیں سے لاف کریں

جو اُس کے در پہ جھکے ہیں خلوص سے ای شاد
ہم اُن کے کعبۂ دل کا نہ کیوں طواف کریں

جو بلا آئے اُسے تیری عطا کہتے ہیں
ترے عاشق تو جفاؤں کو وفا کہتے ہیں

عشق اور عقل میں ای دوست ہمیشہ سے ہی بیر
لوگ جو کچھ مجھے کہتے ہیں بجا کہتے ہیں

ہی غنیمت جو تری یاد میں آنسو نکلیں
انھیں قطروں کو دُر بیش بہا کہتے ہیں

جو تری نازشِ بیجا کو بھی سمجھا ہی بجا
ایسے ہی ذہن کو ذی ہوش رسا کہتے ہیں

جو وفا کے نہ ہوں معشوق سے طالب ای شاد
ہم اُنھیں کو بہ خدا اہل وفا کہتے ہیں

چاہیں جو کچھ گرم ہو ہو کر وہ فرماتے رہیں
ٹھنڈے ٹھنڈے ہم چلے دنیا سے وہ آتے رہیں

وجہ گھبرانے کی آخر کیا ہی دیکھیں چیر کر
کیا کریں سینے میں کب تک دل کو بہلاتے رہیں

کیوں خزاں ہم پوچھتے ہیں کیا یہی انصاف ہے
بلبلیں دیکھا کریں اور پھول کھلاتے رہیں
ہم اسی میں خوش ہیں گو لاکھوں مصائب ہوں تو ہوں
اور ہوں گے وہ جو دل کو دے کے پچھتاتے رہیں
شاد کب رہتا ہے توڑے گلوں کے باغباں
سوگوارانِ گلستاں لاکھ چلاّتے رہیں
نصیحت کے سخن ہیں یا دلوں کے حق میں چھریاں ہیں
یہ واعظ کس قدر بے رحم ہیں، کیسے مسلماں ہیں
دلوں پر اپنے قابو ہے جنھیں وہ بھی تو انساں ہیں
ہمیں کیا ہو گیا اے دردِ دل ہم آپ حیراں ہیں
قفس پر منحصر کیا جن گھروں میں ہو نہ آزادی
وہ گھر مہماں پہ کیا خود میزباں کے حق میں زنداں ہیں

نکالے جاتے ہیں پھر بھی نکلنے کی نہیں نیت
یہ کیسی میہمانی، کس قدر بے شرم مہماں ہیں

فراقِ یار میں جو کچھ گذرتی ہو گذرتی ہو
مگر خاموش ہیں ای دردِ دل وہ بھی تو انساں ہیں

بتوں کی ہجو کیا، واعظ تو جو چاہے وہ کہہ ڈالے
غریب اللہ والے کیا کریں سیدھے مسلماں ہیں

ریاکاری میں گذری عمر ساری شاد کیا کہئے
تعجب ہو ہمیں کو خود کہ ہم کیسے مسلماں ہیں

تمنّاؤں میں اُلجھایا گیا ہوں
کھلونے دیکے بہلایا گیا ہوں

ہوں اُس کوچہ کے ہر ذرہ سے واقف
اُدھر سے عمر بھر آیا گیا ہوں

دلِ مضطر سے پوچھ ای رونق بزم
مَیں خود آیا نہیں لایا گیا ہوں

سویرا ہی بہت ای شورِ محشر
ابھی بیکار اُٹھوایا گیا ہوں

لحد میں کیوں نہ جاؤں مُنہ چھپائے بھری محفل سے اُٹھوایا گیا ہوں

کجا میں اور کجا ای شاد دنیا

کہاں سے کس جگہ لایا گیا ہوں

تھکے ماندے لحد میں ہم تو مر رہنے کو آئے ہیں

فرشتے کہتے ہیں اُٹھئے تو کچھ کہنے کو آئے ہیں

فلک دھر دھر کے پیسے یا گلا گھونٹے زمیں اپنا

بہ مجبوری سہیں گے ہم اِسی سہنے کو آئے ہیں

سرائے دہر میں ای روح اپنا جی نہیں لگتا

خدا جانے یہاں کتنے دنوں رہنے کو آئے ہیں

ہنسی آئے نہ کیونکر حضرت ناصح کی باتوں پر

یہ آنسو آنکھ میں تھمنے کو یا بہنے کو آئے ہیں

کسی کا شاد کچھ مطلب کسی کی آرزو کچھ ہے

عدم سے ہم تو اس دنیا میں مرنے کو آئے ہیں

مری تلاش سے مل جائے تو وہ تو ہی نہیں
اس امر خاص میں کچھ جائے گفتگو ہی نہیں

بسا ہوا ہے ترے پیرہن سے اپنا دماغ
ہزار پھولوں کو سونگھا کسی میں بو ہی نہیں

نیاز مند کو لازم ہے چشم تر رکھنا
ادا نماز نہ ہوگی اگر وضو ہی نہیں

وہ دامن اپنا اُٹھائے ہوئے ہیں کیوں دم قتل
خدا کے فضل سے یاں جسم میں لہو ہی نہیں

بتاؤ شاد گلوں پر یہ کیسی اوس پڑی
وہ تازگی وہ نزاکت وہ رنگ و بو ہی نہیں

نہ بے چینی نہ بیتابی کوئی تربت کے سونے میں
عجب آرام سے چپکے پڑے ہیں ایک کونے میں

وہ ایسا کون ہے ڈالے ہلاکت میں جو دل اپنا
میں یوں روتا نہیں ناصح مزا ملتا ہے رونے میں

ترے عاشق کو راحت مل چکی، تدبیر لا حاصل

شبیں کٹتی ہیں بیتابی میں دن کٹتے ہیں رونے میں
تلاش دل میں سرگرمی تو ناصح! امر آخر ہی
مجھے ہی گفتگو کمبخت کے ہونے نہ ہونے میں
کہاں پھینکا ہی لاکر روح نے اس جسم خاکی کو
یہی ہوتا ہی طاقت سے زیادہ بوجھ ڈھونے میں
دُرِ مضمون کوئی یوں گوندھ لے ای شاد مشکل ہی
سلیقہ انتہا کا چاہیئے موتی پرونے میں

اُلفت میں تری پاک ہر الزام سے ہم ہیں
دل پاس نہیں ہی تو کس آرام سے ہم ہیں

ڈھونڈھے سے لگالیں گے کسی روز پتا بھی
اتنا ہی کہ آگاہ ترے نام سے ہم ہیں

ہادی کو رہِ شوق میں بھی ڈھونڈھ رہے ہیں
معلوم ہوا نابلدِ اِس کام سے ہم ہیں

واعظ کو مذمت کے سوا کچھ نہیں آتا
واقف ترے مجموعۂ احکام سے ہم ہیں

بر عکس تخلص ہی مگر شاد کریں کیا
مجبور رہیں مشہور اسی نام سے ہم ہیں

آرزو اپنی جگہ بیٹھ کے سب کرتے ہیں
وہی پامرد ہیں جو تیری طلب کرتے ہیں

یوں سمجھ لیں کہ جوانی بھی ہے آخر کوئی شے
منہ کی زردی کا جو دریافت سبب کرتے ہیں

آخر عشق ہے کچھ سوچ کے رہتے ہیں خموش
پہلے جس کام کو کرنا تھا وہ اب کرتے ہیں

کچھ نئی بات ہے یوں ٹوٹ کے آنا دل کا
جو کیا ہم نے جوانی میں وہ سب کرتے ہیں

شاد اک عمر سے بیٹھے ہیں اسی حسرت میں
دیکھئے ہم کو وہ کس روز طلب کرتے ہیں

ہجوم گل نہیں یا بلبلیں چمن میں نہیں
یہ سب غلط ہے ہمارا کوئی وطن میں نہیں

لحد میں کیوں ہیں فرشتوں کے سامنے خاموش
دل اپنے بس میں نہیں یا زباں دہن میں نہیں

خدا کے فضل سے برسوں کا مٹ گیا الجھاؤ
اب ایک تار بھی باقی مرے کفن میں نہیں

ہے دشتِ غم میں بگولے کی طرح آوارہ
ہماری خاک بھی اے بیکسی وطن میں نہیں

وقار علم سے یا مال و زر سے ہے اے شاد
ہزار حیف یہ دونوں مرے وطن میں نہیں

وفورِ شوق نہیں یا خوشی کی آس نہیں
مرے لئے مگر ان دو میں کوئی راس نہیں

صدا یہ آتی ہے قبروں سے گھٹ رہا ہے دم
کہ بیکسی کے سوا کوئی آس پاس نہیں

فسانہ قیس سے سودائے عشق کا پوچھو
مجھے تو سر کے کھجانے کا بھی حواس نہیں

کہو پکار کے بزمِ خدا پرستاں میں
بتوں کا جو نہیں قائل وہ حق شناس نہیں

ٹھہر کے پوچھیں فرشتے جو پوچھنا کچھ ہو
تھکے ہوئے ہیں ابھی **شاد** کو حواس نہیں

جسم کا ساتھ چھٹا آپ سے باہر ہم ہیں
اب تو اپنے لئے اک غیر سے بدتر ہم ہیں

تھک گئے پاؤں گئی دربدری شکر خدا
اب یوں ہی تا بہ قیامت ترے در پر ہم ہیں

حسن و عشق ایک ہیں ظاہر میں فقط نام ہیں دو
یہ اگر سچ ہے تو کیا اُن کے برابر ہم ہیں

کان مشتاق ہیں آنکھوں کی طرح مدت سے
دید و آواز کہ اس پردے کے اندر ہم ہیں

عقل سے راہ جو پوچھی تو پکارا یہ جنوں
وہ تو بھٹکی ہوئی خود پھرتی ہے رہبر ہم ہیں

دل یہ کہتا ہے ہمیں دیکھ کتابوں پہ نہ جا
قدرتِ صانعِ مخلوق کے دفتر ہم ہیں

پھر تو ہو جائیں گے بازارِ جہاں میں مہنگے
شادؔ ارزاں ہیں جبھی تک کہ میسّر ہم ہیں

نیاز و ناز میں جس دل کو امتیاز نہیں
وہ بارگاہِ محبت میں سرفراز نہیں

وفائے وعدۂ فردا سے یاس ہے شاید
بہت دنوں سے مری چشمِ شوق باز نہیں

طوافِ کوچۂ جاناں میں حسنِ ظن ہے شرط
نہ ہو درست جو نیت تو پھر نماز نہیں

پکارتا ہے یہ اُس کی گلی کا ہر ذرّہ
بنے نہ خاک یہاں جو وہ سرفراز نہیں

فقط فراق میں اے شادؔ ناگوارا ہے
جو پوچھے تو مجھے موت سے احتراز نہیں

وجہِ حیات آپ ہیں، روح سے آپ کم نہیں
روح جو ہے تو ہم بھی ہیں، روح نہیں تو ہم نہیں

ہجر کے بعد اگر ہے وصل تب تو کوئی الم نہیں
رحم ہے جس کی انتہا، پھر وہ ستم ستم نہیں

غیر کو دیکھ دیکھ کر ہوتا ہے رشک یہ بار بار

شاملِ حالِ دوستاں یار ترا کرم نہیں

اشکِ بہانہ جو مرے آتے تھے بات بات پر

جب سے خموش ہے زباں دیدۂ شوق نم نہیں

شاد ہے رندِ بادہ نوش بات کا اس کی کیا وثوق

واعظِ محترم نہیں زاہدِ محتشم نہیں

ایسا نہیں کہ پہلے سے وہ جانتے نہیں
کچھ عرض جب سے کی نہ مجھے پہچانتے نہیں

جو کام بن پڑا وہ کیا ہم نے وقت پر
پہلے سے دل میں بات کوئی ٹھانتے نہیں

واعظ کو اختیار ہے چاہے وہ ہو ملول
ہم تو کلامِ حق کا بُرا مانتے نہیں

رندوں کا بھی خیال ہے ساقی کا بھی لحاظ
پی لیتے ہیں اُٹھا کے کبھی چھانتے نہیں

اے شادؔ جن کے ساتھ زمانہ بسر کیا

اللہ اب وہی مجھے پہچانتے نہیں

جب سے اُمیدیں اس دلِ ویراں میں بس گئیں
عالم کے دیکھنے کو بھی آنکھیں ترس گئیں

بے یار ہم کو ذبح کئے دیتی ہے بہار
برسا چمن میں ابر کہ تیغیں برس گئیں

خالی نہ رہ سکا تری اُمید میں یہ گھر
آخر کو حسرتیں دلِ ویراں میں بس گئیں

خالی نہیں اثر سے محبّت جہان میں
بُلبُل نے کی جو آہ تو کلیاں بِکس گئیں

دل کا مکاں تھا **شاد** اُمیدوں کے واسطے
بیس اور آکے بس گئیں جس روز دس گئیں

اسلام و کفر کچھ نہیں آتا خیال میں
مدت سے مبتلا ہوں میں آپ اپنے حال میں

پروانے کی بساط ہی کیا تھی فنا ہوا
دیکھا تو شمع بھی نہ رہی اپنے حال میں

صیادِ باغِ دہر کا ہر برگ و بار ہی
بلبل کی طرح آکے پھنسے ہم بھی جال میں

برہم وہ ہوگئے ارنی کی صدا سے کیوں
ایسی تو کوئی بات نہ تھی اس سوال میں

تکمیلِ نقس ہونے پہ حاصل ہو جو کمال
ممکن نہیں زوال کبھی اُس کمال میں

ساقی ہی یادگارِ خرابات کا سماں
ہر بادہ خوار مست ہی آپ اپنے حال میں

ای شاد یاد ہی مجھے حُسنِ جمالِ یار
اک شمع جلتی ہی مری بزمِ خیال میں

رسوائیاں غضب کی ہوئیں تیری راہ میں
حد ہی کہ خود ذلیل ہوں اپنی نگاہ میں

میں بھی کہوں گا دیں گے جو اعضا گواہیاں
یارب یہ سب شریک تھے میرے گناہ میں

تھی جزوِ ناتواں کسی ذرہ میں مل گئی
ہستی کا کیا وجود تری جلوہ گاہ میں

ہمّت تو کی بساط سے بڑھ کر یہ کیا کہوں
منزل تھی دور دم نہ رہا میری آہ میں

ای شاد اور کچھ نہ ملا جب برائے نذر
شرمندگی کو لے کے چلے بارگاہ میں

کبھی دم بھر گرہ دل کی یہ مشکل کھول لیتے ہیں
ترے قیدی در و دیوار سے ہنس بول لیتے ہیں

بظاہر مل نہیں سکتا ادا کا تیری اندازہ
مگر اہلِ نظر آنکھوں میں سب کچھ تول لیتے ہیں

دل اپنا کھو کے برساتے ہیں آنسو دیدۂ تر سے
جواہر دے کے ہم پانی کے قطرے مول لیتے ہیں

زیادہ گفتگو سے شاد اپنا دم اُلٹتا ہے
ضرورت کے لیئے کافی ہو اتنا بول لیتے ہیں

خوش ہو مصیبتیں جو ولا انتہا کی ہیں
یہ بھی عنایتیں تو اُسی آشنا کی ہیں

خالی نہ جانئے جگر و دل فقیر کا
دو جھولیاں بھری ہوئی مہر و وفا کی ہیں

کیونکر بچیں گے طالبِ دید اُس کو دیکھ کر
وہ چتونیں غضب کی وہ آنکھیں بلا کی ہیں

واعظ صدائے صور کا میں ذکر سن چکا
ادنےٰ یہ شوخیاں لبِ معجز نما کی ہیں

پیری میں حال شاد کا پوچھو نہ دوستو
عمریں قلیل اور ہوسیں انتہا کی ہیں

نہ آئے نزع میں، اب کیوں لحد پہ روتے ہیں
یہ کیسی چھیڑ نکالی ہے کہہ دو سوتے ہیں

چھپائے رکھتا ہوں یوں دل میں اب امیدوں کو
کسان کھیت میں جس طرح تخم بوتے ہیں

کہیں نشاں نہ ملے گا ترا ہمیں نہ سہی
کسی کا کیا ہے، ہم اپنے کو آپ کھوتے ہیں

غریقِ بحرِ فنا یوں کیا ان آنکھوں نے
کسی کو جیسے گھڑے باندھ کر ڈبوتے ہیں

مسافرانِ عدم کو تو دیکھئے اے شاد
نہیں ہے کچھ جو تعلق مزے سے سوتے ہیں

یہ نالہ کون سے کوچہ کا پاسبان نہیں ۔ کسی کو اس کی خبر تو بھی کانوں کان نہیں

جرس بیان کرے حالِ کارواں کیونکر ۔ دہن غریب نے پایا مگر زبان نہیں

چھپا نہ روح سے ای جسم حالِ زار اپنا ۔ یہ کوئی غیر نہیں کوئی میہمان نہیں

ہمارے بعد ٹھکانا کہاں اُمیدوں کا ۔ سُنا یہی ہی کہ جب ہم نہیں جہان نہیں

ہم ایسے گم شدہ انسان کا ذکر کیا ای شاد

جو بانشاں تھے اُنھیں کا کہیں نشان نہیں

رو ئیں دل کھول کے اظہارِ مصیبت کریں

اِدھر آ اگلے زمانے تجھے رخصت کریں

یاد میں ساقیِ گلفام کی رولیں ای چشم

کوئی دم بیٹھ کے تحصیلِ سعادت کریں

ہوتی ہی وعدۂ فردا میں بہت گنجائش

اُن سے کہہ دو کہ مُعیّن کوئی مدت کریں

حسرتِ وصل سے جی کھول کے مل لینا ہے
ٹھہر اے موت کہ مہمان کو رخصت کریں

کوچۂ یار سے اُٹھنے کی ضرورت کیا ہے
ہم کو مرنا ہے تو مر رہنے کی عادت کریں

خضر ہیں خضر، ہیں پھوٹی نہیں آنکھیں میری
راہ چلتوں کی ہم اے شاد اطاعت کریں

پوچھتے ہیں وہ کہ زندہ شاد ہیں ہم مو یا رے ہم اب تک یاد ہیں
تیری اس آمد کے صدقے اے بہار آج کیا کیا میکدے آباد ہیں
اس میں اے دل کیا بھلا اُن کا قصور کوئی کہتا ہے کہ ہم جلّاد ہیں
کیا صبا کہتی ہے ہم سے حالِ زلف ہم تو ان راہوں میں خود برباد ہیں

ٹال دیں ہنس ہنس کے غم کو تو سہی
ہم بھی اپنے نام کے ہیں شاد ہیں

قابل بیاں کے ہجر کی روداد بھی نہیں
سچ پوچھتے ہیں آپ تو اب یاد بھی نہیں

دل کو تعلقات نے پابند کردیا
قیدی اگر نہیں ہوں تو آزاد بھی نہیں

دوں گھٹ کے اپنی جان سوا اس کے کیا علاج
اپنی زباں تو لائقِ فریاد بھی نہیں

ہوں اس طرح کا صیدِ زبوں باغِ دہر میں
جس کی تلاش میں کوئی صیاد بھی نہیں

جب دم گھٹے تو ہجر میں بہلاؤں کس سے جی
پہلو میں **شاد** اب دلِ ناشاد بھی نہیں

رقیب آپ کو نازک مزاج کہتے ہیں
ہم اک زمانہ پہ یہ بات آج کہتے ہیں

مرے لئے نہ طبیبوں کو مفت دو تکلیف
یہ وہ مرض ہے جسے لاعلاج کہتے ہیں

فقیر اُس کی گلی کے ہیں ہم کو کیا معلوم
سوال کیا ہے کسے احتیاج کہتے ہیں

دعا حرم میں ترے در پہ آکے خاموشی
ہر اک جگہ کا اسی کو رواج کہتے ہیں

ہمیشہ جن کی اُٹھایا کئے وہی اے **شاد**
خدا کی شان ہمیں بد مزاج کہتے ہیں

تیرے شیدا نہ سہی پر ترے جویا سب ہیں
اس میں دنیا طلب اور تارکِ دنیا سب ہیں

جیتے جی تک فقط اس روح و جسد کا ہے ملاپ
یاں نہیں کوئی کسی کا، تنِ تنہا سب ہیں

ہو گئے خاک شہیدانِ محبت لیکن
آج تک منتظرِ وعدۂ فردا سب ہیں

آرزو سب کی وہی ہے نہ کہیں یوں منہ سے
ہمزباں آپ کے اے حضرتِ موسا سب ہیں

شاد تفصیل سے کہنے کی ضرورت کیا ہے
ایک زاہد پہ نہیں طالبِ دنیا سب ہیں

امرِ حق کہنے میں جو بیباک ہیں   کچھ انھیں ایسوں کے دل بھی پاک ہیں
عاقبت بیں صاحبِ ادراک ہیں   پھر بھی پروانے بڑے بیباک ہیں

تا بہ مرقد پھر بھی کچھ کچھ جان تھی　　وہ نہ آئے سب اُمیدیں خاک ہیں

بارک اللہ ای خوشا عریاں ترے　　جن کے آلایش سے دامن پاک ہیں

نالہ ہائے شب کا کیا مذکور ہو

شاد یہ قاصد بڑے چالاک ہیں

اپنا تو رہروانِ عدم تک گزر نہیں　　کیا اُن مسافروں پہ بنی کچھ خبر نہیں

کیا کیجئے گا ملکِ عدم میں بہانہ آپ　　اُس ملک میں تو شام نہیں ہو پہر نہیں

اپنے گلے سے آپ رگڑتا تمھاری تیغ　　افسوس اپنے بس میں قضا و قدر نہیں

نکلی یہ کہہ کے عالمِ پیری میں تن سے روح　　بس اب ہمارے رہنے کے قابل یہ گھر نہیں

لالہ کی طرح دل متمنی ہی داغ کا　　غنچوں کی طرح مجکو تمنائے زر نہیں

آسودگانِ خاک پہ آتا ہی مجکو رشک　　آرام سے پڑے ہیں کہ مرنے کا ڈر نہیں

ہو گی تمام اپنی کہانی نہ شام تک

ای شاد مجکو طولِ قیامت کا ڈر نہیں

غضب ہی مرتے دم حسرت کا ہونا دیدۂ تر میں
قیامت ہی جو یوں ڈوبے کوئی بیکس سمندر میں

ہُوا اس سال بھی بیکار جینا ہم اسیروں کا
خزاں کی طرح گذری فصلِ گل صیاد کے گھر میں

ہزاروں حسرتیں ہیں دل میں لاکھوں آرزوئیں ہیں
بھلا ناصح کمی کس چیز کی اللہ کے گھر میں

شہیدانِ محبت کی لحد پر جان و دل صدقے
کسی نے باندھ دی ہیں حسرتیں پھولوں کی چادر میں

قیامت کا ستم ہی یہ بھی دنیا میں کہ مرنے پر
اسیروں کی بنائی قبر بھی صیاد نے گھر میں

گلہ ای ہمتِ دل اپنی محرومی کا ناحق ہی
وہی ہوتا ہی جو کچھ لکھ دیا جس کے مقدر میں

غزل اس طرح میں کہنی پڑی خاطر سے مکنت کی

وگرنہ شاعری کا شاداب سودا نہیں سر میں

دعاؤں میں تمہاری ہو اثر کوئی تو ہم جانیں

جو برسے آ کے رندو ابرِ تر کوئی تو ہم جانیں

لحاظِ خاطرِ صیاد سب کرتے تو ہیں لیکن

تڑپنے میں نہ ٹوٹے بال و پر کوئی تو ہم جانیں

بنا کر اپنا بندہ اپنے در پر دی جگہ تو نے

یہ منصب چھین لے ہم سے اگر کوئی تو ہم جانیں

ادھر آنکھیں ملانا تھا کہ دل سینے سے تھا رخصت

تری صورت کو دیکھے بھر نظر کوئی تو ہم جانیں

عبث فکرِ سخن میں رات دن اے شاد جانکاہی

ملے گر اس ریاضت کا ثمر کوئی تو ہم جانیں

اُلفت بتوں کی حق ہی ہمارے یقین میں
چھوڑوں جو اس کو میں تو خلل آئے دین میں
آب و ہوا نہیں ہمیں دنیا کی سازوار
اب جا رہیں گے اور کسی سرزمین میں
اک بھیڑ ہی لحد میں امیدوں کی اپنے ساتھ
وسعت کہاں کی آگئی دو گز زمین میں
ای چشم! اشکِ خوں کی روانی میں ہی کمی
ایسا نہ کر کہ داغ لگے آستین میں
روکو سمندِ فکر کی ای شاد اب لگام
بیکار خاک اُڑاتے ہو کیوں اس زمین میں

ہجوم یاس کا نرغہ ہی ہم اکیلے ہیں
ترے فقیر نے یہ معرکے بھی جھیلے ہیں
بغیر ایک کے ہو دوسرے کو کیونکر چین
کہ حسن و عشق تو بچپن سے ساتھ کھیلے ہیں

گلی سے آپ کی عاشق اُٹھا چکے بستر — بڑے گرو کے پڑھائے ہوئے یہ چیلے ہیں

لکھے ہیں سخت زبانی کے نرم نرم جواب — قلم کی نوک سے ہم نے پہاڑ ٹیلے ہیں

لحد کی یاد جب آتی ہے دل یہ کہتا ہے — ہزار ساتھ رہے کوئی پھر اکیلے ہیں

خدا ہی ہے جو تعلق کی گتھیاں سلجھیں

جہاں میں **شاد** عجب طرح کے جھمیلے ہیں

سینے ہیں غم سے داغ داغ پہلو و دل فگار ہیں

میری تو اصل کیا بھلا مجھ سے وہاں ہزار ہیں

دیکھیں نظر اُٹھا کے ہم اُن کی طرف کہاں یہ تاب

تیر کئی نگاہ کے قلب و جگر کے پار ہیں

عیش کے وقت ہیں شریک، غم میں کہیں پتا نہیں

سچ ہے کہ جتنے یار ہیں اپنی غرض کے یار ہیں

جس سے کہا وہ غش ہوا، جس نے سُنا وہ مر گیا

اُن کے پیام اشتیاق ناوکِ جاں شکار ہیں

شاد تو سوکھ کر ہوا ہجر میں خار سے سوا

اپنے لئے ہیں آپ پھول اپنے لئے بہار ہیں

آرام سے ہوں قبر کے اندر جو بند ہوں
میں بھی تو آدمی ہوں فراغت پسند ہوں

خود میں تو اپنے بسترِ غم سے نہ اُٹھ سکوں
نالہ کہے کہ بامِ فلک کی کمند ہوں

کھُل جائے اپنا حال جو تن سے جُدا ہو روح
میں مثلِ خطِ شوق لفافہ میں بند ہوں

یہ بات اور ہے کہ خریدار جھک پڑیں
اپنی پسند ہوں نہ تمھاری پسند ہوں

اے شاد کلک نے جو لکھا گیسوؤں کا وصف

کاغذ پکارتا ہے کہ مشکیں پرند ہوں

اُن کو اسی سے شوق ہے ظلم کریں جفا کریں

یاں ہے خموشیوں سے کام یہ نہ کریں تو کیا کریں

منزلِ دوست کا نشاں دیکھئے کس طرح ملے

عقل تو خود بہک گئی اب کسے رہنما کریں

اس کو اگر سمجھ نہ لیں مورد ظلم ہوں گے ہم

عشقِ ستم شعار کا کاہے کو حوصلا کریں

آنسوؤں سے بھی ارتباط غم سے بھی عمر بھر کا ساتھ

آنکھوں میں دیں جگہ کسے دل سے کسے جدا کریں

ناز وہی ادا وہی حسنِ کرشمہ زا وہی

اب نہ وہ سن نہ ولولہ شاد کریں تو کیا کریں

جو تنگ آکر کسی دن دل میں ہم کچھ ٹھان لیتے ہیں

ستم دیکھو کہ وہ بھی چھوٹتے پہچان لیتے ہیں

غضب یہ ہے کہ عاشق کو خدا کا بھی نہیں رکھتے

یہ کافر جان لے لینے کے قبل ایمان لیتے ہیں

خدا چاہے تو اب کے قتل گہہ میں مشکل آسان ہو

ترے بیمار ناحق موت کا احسان لیتے ہیں

کدورت تا کہ رہ جائے سب اپنے دامنِ تر میں

شراب تند ہم پینے کے پہلے چھان لیتے ہیں

ہماری شاعری زندہ ہوی ای شاد مرنے پر

کہ شائق نقد جاں دے دے کے اب دیوان لیتے ہیں

جو اُس جہاں میں ہیں وہ بڑے خوش نصیب ہیں

اتنا تو ہے کہ اپنے وطن میں غریب ہیں

ہر ہر قدم پہ اپنے ہیں اُلجھاو سیکڑوں

وابستۂ محبّتِ زلفِ حبیب ہیں

ترکِ خیال ہو مرض ہجر کا علاج

سودا زدہ ہیں خود جو ہمارے طبیب ہیں

کہتے ہیں لوگ بال سے باریک ہے صراط

اِس سے زیادہ عشق کی راہیں عجیب ہیں

ای شاد رفتگانِ عدم پر نثار میں
آنکھوں سے گو ہیں دور پہ دل سے قریب ہیں

جتنے مشاہدات ہمارے ہیں خواب ہیں
کیونکر ہو کشفِ راز کہ لاکھوں حجاب ہیں

آنکھیں جو کھول دی ہیں تری موت نے تو کیا
پردے ابھی بہت ہیں بہت سے حجاب ہیں

باغ جہاں کو دیکھ کے کیونکر نہ کھِل پڑیں
کِی دن کے ہیں یہ گل ابھی اُن کے شباب ہیں

دل ہر غموں سے چور جگر پاش پاش ہو
کمبخت میرے واسطے دونوں عذاب ہیں

ہم بزم رہ چکا ہوں انیس و دبیر کا

اے شاد اب جناں میں وہ عالی جناب ہیں

اے آہ تھم کہ بزم میں ہم بار پا سکیں — اتنا تو ہو کہ یار کو صورت دکھا سکیں

اے نالۂ حزیں نہ اثر تجھ میں ہو مگر — اتنا تو ہو کہ رو کے کسی کو رُلا سکیں

شوقِ لقائے دوست کا اتنا تو ہو وفور — دونوں جہاں نظر میں اپنی سما سکیں

ہم باز بیخودی سے کہاں کی یہ بیخودی — جی بھر کے جب درد کی لذت اُٹھا سکیں

کیوں شاد مر کے بھی یہ رہی قید یا نصیب
خود جا سکیں کہیں نہ کسی کو بلا سکیں

رہا نہ حوصلۂ صبر پاکبازوں میں — دعائیں ہیں ترے ملنے کی انبازوں میں

زبانیں سخت بیانی پہ واعظوں کی کھلیں — مروتوں کو لپیٹ آئے جانمازوں میں

ازل میں خامۂ قدرت نے جب لکھی فہرست — مرے قلم کو کیا درج غم طرازوں میں

رہائی گیسوئے ابروئے یار سے ہے محال — کہاں یہ پھنسا ہے یہ دل جا کے فتنہ سازوں میں

وقارِ کفر نہ کھو واعظوں میں کہہ اے دل — بتوں کا نام نہ لے ان زباں درازوں میں

اندھیری رات ہی ذکر آپ کا ہی اور ہم ہیں خیالِ غیر کو کیا دخل ان نمازوں میں

مری امید خدا مغفرت کرے ای **شاد**

رہی تو خانۂ دل مین پلی تو نازوں میں

ٹھکانا کیا مرا، اک عمر گذری در بدر رہوں میں

دلِ وحشی خدا جانے کدھر ہی تو کدھر ہوں میں

فنا ہو جاؤں گا دم بھر کی ساری روشنی بجھو

چراغ سوختہ ہوں ای اجل شمعِ سحر ہوں میں

خم و مینا و ساغر کا ابھی تک دھیان باقی ہی

پلا دے ساقیا ایسی کہ سب سے بے خبر ہوں میں

کوئی خواہش نہیں ای یار تجھ سے ہاں مگر اتنی

تمنّا ہی کہ تو بھی اُس طرف ہو جا جدھر ہوں میں

خوشی میں خوش، غموں سے غم نہ کیونکر شاد ہو دل کو

فرشتوں کا نہیں رکھتا جگر آخر بشر ہوں میں

بار جن کلیوں پہ تھیں پر چھائیاں — ای خزاں پہلے وہی مرجھائیاں

پہلے کچھ کچھ دھیان تھا ناموس کا — اب اکیلا میں ہوں اور رسوائیاں

ضد سے رندوں کی اڑا پھیکا ای فلک — دیکھ پھر کالی گھٹائیں آئیاں

سامنا اُس گل کا راس آیا کسے — کیا کہوں کس کس نے مُنہ کی کھائیاں

شاد بیماروں کا بچنا ہے محال

ہجر کی راتیں جواب کے آئیاں

غنچوں کی طرح باغ میں ہم داغ دیدہ ہیں — پھولوں کی مثل کب سے گریباں دریدہ ہیں

جو خوش نگاہ ہیں متلون مزاج ہیں — اس کی حکایتیں تو مری چشم دیدہ ہیں

پژمردہ ایک پھول لئے ہیں وہ ہاتھ میں — کیونکر کہیں کہ ہم بھی تو آفت کشیدہ ہیں

طوفاں کی طرح ایک جگہ پر نہیں قرار — اس دشت میں ہم آہوے صیاد دیدہ ہیں

دیکھا ہے میں نے بارہا دیوان شاد کا — نشتر سے کم نہیں ہیں جو اشعار چیدہ ہیں

کیا جانیں کس چمن میں مرے ہمصفیر ہیں
ہم آپ مدتوں سے قفس میں اسیر ہیں

آخر ہو شبِ فراق کی بجھتی ہو شمعِ عمر
نالے بھی اب اخیر ہیں ہم بھی اخیر ہیں

آنکھوں کو کھول دیتے ہیں آہٹ سے پاؤں کی
بیمار آپ کے ابھی درماں پذیر ہیں

حائل اگر ہو سدِّ سکندر تو توڑ دیں
فولاد کے نہیں یہ نگاہوں کے تیر ہیں

شانیں کمال والوں کی کیونکر دکھاؤں شاد
دنیا میں اب انیس نہ باقی دبیر ہیں

کوئی ماتم کرے میرے لئے کیوں　　سزا جینے کی ہو اتنا جئے کیوں
عبث تکلیف کی دستِ جنوں نے　　بہار آنے کو تھی دامن سئے کیوں

اگر آہ و فغاں ہیں عشق میں جرم ... دل ایسے ہم غریبوں کو دیئے کیوں
سُبک سر وہ ہمیں سمجھیں تو کیا دور ... نظر ملتے ہی اُن سے رو دیئے کیوں

کریں کیا معذرت ساقی سے ای شاد
مکرّر ہم نے دو ساغر پیئے کیوں

کہاں گلوں کے وہ تختے وہ لالہ زار کہاں ... بہار میں تو نظر لگ گئی بہار کہاں
نگاہِ ناز تری لاکھ دل کو دے تسکیں ... ڈرا ہوا ہے یہ کمبخت اعتبار کہاں
جو دل میں دھیان ہو وہی دیکھے گا خواب میں بھی ... ہم اُٹھ کے یار کو کیا ڈھونڈتے ہیں یار کہاں
کچھ اختیار رہے مالک عروج دے جس کو ... وہ شہسوار کہاں اور مر اغبار کہاں

بدن سے روح چلی شاد سوئے کوچۂ یار
جواب خط کا بھلا اس کو انتظار کہاں

بے خبر آج ہر اک کام سے ہو لیتے ہیں ... چونکنا صبح قیامت کو ہے سو لیتے ہیں
ہاتھ میں ابر کرم کے ہے اُگانا ای چرخ ... کیا کریں فصل ہے بو لینے کی بو لیتے ہیں

شاکرِ احساں ہے جو دنیا میں تو عقبیٰ میں ثواب　　ایک دیتے ہیں جو فیاض تو دو لیتے ہیں

کہنے لگتے ہیں جوانی کی کہانی جو کبھی　　پہلے ہم دیر تلک بیٹھ کے رو لیتے ہیں

ایک تو جام پھر اُس ہاتھ سے احسنت اے **شاد**

یوں کہو پاتے ہیں ہم یوں نہ کہو لیتے ہیں

جب تلک سینے میں ہیں نالۂ شب اپنے ہیں

اور اگر تا بہ زباں آگئے، کب اپنے ہیں

بیخودی! کیا جگر و دل کی شکایت لیکن

یہ تو غیروں سے بھی بدتر ہیں عجب اپنے ہیں

کوئی مطلب ہے جب اپنا تو ہیں اپنے، سب غیر

اپنا مطلب نہیں جس وقت تو کب اپنے ہیں

اچھے کلموں کو بُری باتوں سے آلودہ کریں

لفظ اپنے ہیں زباں اپنی ہے، سب اپنے ہیں

ہڈیاں ایک ہیں خوں ایک ہے سب کا اے **شاد**

غیر کوئی نہیں یوں دیکھ تو سب اپنے ہیں

پروں کے ڈھیر ہیں ویراں چمن میں آشیانے ہیں

یوں ہی ہوتی چلی آئی ہے اُس کے کارخانے ہیں

کریں بدمستیاں پی پی کے خود الزام دیں ہم کو

نہ دینا جام ان ایسوں کے ساقی کیا ٹھکانے ہیں

وہی اک عشق ہر جا اور وہی اک حسن ہے لیکن

الگ شکلیں ہیں سب کی اور جدا سب کے فسانے ہیں

زیارت کر کے کعبہ کی ہم آئیں اس برس تو پھر

سر شوریدہ ہے اپنا بتوں کے آستانے ہیں

نہیں ممکن کہ شغلِ شعر خوانی **شاد** چھٹ جائے

اجل جب تک نہیں آتی یہی رونے رُلانے ہیں

مرے ارمان مہماں اس دلِ درد آشنا کے ہیں
نکالے سے نہ نکلیں گے کہ سب گھر میں خدا کے ہیں

کنائے عاشقانِ مضطرب سے کس بلا کے ہیں
وہ بُت کہتا ہے ہنس کر کیا یہی بندے خدا کے ہیں

ترقی اس مرض میں جس قدر ہو عین صحت ہے
وہ بیمارانِ الفت کب ہیں جو طالب دوا کے ہیں

شبِ فرقت تری اِن سختیوں سے کیوں کراہیں ہم
ستم سہنے کی عادت دل کو ہے خوگر جفا کے ہیں

بھرا کس کا سبو ساقی نے اور خالی دیا کس کو
اُنھیں کیا کام اِن جھگڑوں سے جو طالب رضا کے ہیں

جو ڈوبے آشنا ہنس ہنس کے دیکھیں ڈوبنا اُس کا
مرے ظالم زمانے میں، یہ معنی آشنا کے ہیں

غضب کرتے ہو گھر سمجھو نہ اس کو **شاد** مقتل ہو
تڑپتے وہ نہیں کشتے جو قاتل کی ادا کے ہیں

اسی کے واسطے چنتا پھروں تنکے زمانے میں
کڑکتی گر پڑے بجلی الٰہی آشیانے میں

کوئی تو راز ایسا تھا کہ مجھ تک سے چھپانا تھا
وگرنہ نفع کیا تھا میرے دیوانہ بنانے میں

خدا شاہد برا کہتا نہیں جنّت کو میں لیکن
مزا کچھ اور ہی ہو میکشی کا بادہ خانے میں

مجھے رہ رہ کے اُس حسرت زدہ بلبل پہ آتا ہو
کسی دِن چین سے رہنے نہ پائی آشیانے میں

رقیبوں پر پڑا تیر آپ کی آڑی نگاہوں کا
کہا تھا پہلے ہی دل نے خطا ہو گی نشانے میں

رہے گا اپنا قصہ حشر تک سب کی زبانوں پر
بہت کچھ کر چلے ہم اس گئے گذرے زمانے میں
ہزاروں جس پہ احساں ہوں وہی لے کبر کی مجھ سے
یہی ہوتا ہے کیوں اے **شاد** کیا میرے زمانے میں

خزاں میں سوگوارِ باغ جب فریاد کرتے ہیں
تڑپ جاتا ہے دل اپنی مصیبت یاد کرتے ہیں
ضعیفی کو دعائیں دے دلا خوش ہو بڑھاپے سے
کہ مالک بندگانِ پیر کو آزاد کرتے ہیں
تماشا ہے کہ دکھ دینے کا بھی الزام ہے تجھ پر
مزا یہ ہے کہ ہر دکھ میں تجھی کو یاد کرتے ہیں
ترے کُشتے نے پہنا ہے نیا خلعت شہادت کا
فرشتے عرش پر شورِ مبارکباد کرتے ہیں

درازی عمر کی حد سے زیادہ جب ستاتی ہو
بہ حسرت ہم تجھے ای موت گھڑیوں یاد کرتے ہیں
کتابِ عمر ہی پیش نظر چشمِ تصوّر میں
اُلٹتے ہیں ورق بھولے سبق کو یاد کرتے ہیں
بہت دن ہو گئے رہتے ہوئے اب جی نہیں لگتا
ارادہ اس سرا سے کوچ کا ای شاد کرتے ہیں

ہم زباں اپنا وہ کافر نہ ہوا امکان نہیں
کلمہ پڑھوا کے نہ اُٹھوں تو مسلمان نہیں

جس کو اس حُسن پہ شک ہو اُسے ایمان نہیں
جو نہ سمجھے تجھے یکتا وہ مسلمان نہیں

موت بھی غیر کی سچ ہو مرا مرنا کیا چیز
آج گیسو ترے شانوں پہ پریشان نہیں

اک زمانہ تو یہ کہتا ہو کہ مرنا مشکل
مَیں یہ کہتا ہوں کہ جینا کوئی آسان نہیں

بے طرح سب کی زبانوں پہ ہو نفسی نفسی
تیرا کوچہ ہو کوئی حشر کا میدان نہیں

حد ہوا اس ترکِ تمنا کی بھی ای دل بہ خدا
اب یہ نوبت ہو کہ مرنے کا بھی ارمان نہیں

شاد مجبور ہوں تصنیف ہی عادت میری

دو نہ دو واد اب اس کا مجھے ارمان نہیں

مصائب جسم پر جتنے گذرنے ہیں گذر جائیں

خوشا وہ دن کہ اس وحشت سرا سے کوچ کر جائیں

مرے ہاتھوں کے پھیلانے کی رکھ لے شرم میں قرباں

انڈیل اتنی کہ ساقی دونوں چلو اپنے بھر جائیں

شبِ وعدہ ہی، شانہ ہاتھ میں لیکر وہ بیٹھے ہیں

خدا ہی ہی جو آج اُلجھے ہوئے گیسو سنور جائیں

اُسی کوچے کے جانے پر نہیں کچھ منحصر اے دل

یہی ہو گی مصیبت ہم تجھے لیکر جدھر جائیں

مزا دیکھے کوئی اُس وقت عاشق کے تڑپنے کا

جگر میں جب نگاہِ ناز کے نشتر اُتر جائیں

نہ نکلی کوئی صورت چین کی اب دم لبوں پر ہی
بتا دے ای جنوں ہم کیا کریں، آخر کدھر جائیں
جکڑ رکھا ہی مجکو شاد زنجیروں نے زلفوں کی
مرے اُلجھے ہوئے جو کام ہیں کیونکر سنور جائیں

سر سے پا تک عیب ہوں ہر طرح نامحمود ہوں
وائے ہو مجھ پر کہ تیرے در سے بھی مردود ہوں

کوئی اس دنیا میں پیری امجھ سا بے مصرف نہ ہو
یار بار اب عمر کہتی ہی کہ میں بے سود ہوں

میرا سایہ گر طلا پر جا پڑے وہ خاک ہو
ای بشر مجھ سے حذر کر بخت نا مسعود ہوں

کھل سکا جس کا نہ اب تک حال ہوں وہ مدعا
جس کا مطلب کچھ نہیں معلوم وہ مقصود ہوں

نامرادی کی بلا اک عمر سے گھیرے بھی ہی
سب کے پہلے آرزو کرنے کو بھی موجود ہوں

جل رہا ہوں اک زمانہ سے کوئی واقف نہیں
ہی دھواں معدوم میرا آتش بے دود ہوں

اس دورنگی کی شکایت شاد کس سے کیجئے
میری جا دل میں تو ہی پر آہ درد آلود ہوں

کہاں سے آیا، کہاں ہے جانا، میں کون ہوں کس دیار میں ہوں
نہ بس میں غیروں کے ہوں نہ بے بس، نہ اپنے آپ اختیار میں ہوں
بچھڑ کے قاتل کھڑا ہوا ہے، مآل کیا جانیں اپنا کیا ہو
نہ بے خطاؤں کی صف میں ہوں میں، نہ عاصیوں کی قطار میں ہوں
کہاں یہ تاب و تواں کہ جاکر، زبان اپنی وہاں ہلاؤں
بڑے بڑے سرنگوں جہاں ہیں، میں اس جگہ کس شمار میں ہوں
مجھ ایسے وحشی کو کب میسر، چمن میں آزاد ہو کے پھرنا
پکارتا ہے یہ اپنا دامن کہ قیدِ زندانِ خار میں ہوں
کھلی ہیں آنکھیں خموش ہیں لب نگاہیں در کی طرف لگی ہیں
اجل کو آنا تھا آچکی وہ میں کس کے اب انتظار میں ہوں
نہال وحشت فزا ہیں سارے گلوں کے چہرے بھی ہیں بھیانک
برا ہو مایوسِ دل کا اپنے خزاں کا طالب بہار میں ہوں

بلا ہی یہ اعتبار کوئی کہ ساتھ چھوڑا نہ تا قیامت
غضب کا دھوکا دیا ہی مجکو کہ آج تک انتظار میں ہوں

بتاؤ تدبیر کیا کروں اب نہ پوچھو یہ بھی تو کر کے دیکھا
نہ صبر سے دل کو ہی تسلّی نہ مطمئن مَیں قرار میں ہوں

ہزار قیمت لگے نہ میری مگر ہوں ای شاد میں تو گوہر
ہزار کوڑے میں پڑ گیا ہوں، ہزار گرد و غبار میں ہوں

بیاں اپنی کشتی کا ہم کیا سنائیں | غضب کا تھا طوفاں غضب کی ہوائیں
وہ شورش وہ موجوں کی شکلیں بھیانک | سُنے کون گر لاکھ ہم غل مچائیں
وہ غُل رعد کا اور وہ گھپ اندھیرا | کہاں چھپ رہے ہیں کس جگہ بھاگ جائیں
نہ آنکھوں میں نور اور طاقت نہ دل میں | خطرناک چاروں طرف کی فضائیں
ہزاروں پہاڑ آبِ دریا میں مخفی | بہت کہنہ تختے ہیں ٹھوکر نہ کھائیں
نہنگ اپنے مُنہ کو بہ صد شوق کھولے | کہ پائیں کسی کو تو لقمہ بنائیں

کہیں تم سے کیا حال اس بیکسی کا — تھکیں ڈھونڈھ کرنا خدا کو نہ پائیں

چلے جائیں بے تھاہ دریا کے اندر — ذرا بھی تلاطم میں گر ڈگمگائیں

یہ وحشت کہ چکرا کے ڈوبے نہ کشتی — اگر کچھ بھی ہاتھوں کو اپنے ہلائیں

بجز اس کے کیا ہو کہ سب مل کے مانگیں — بھروسا ہو جس کا اُسی سے دعائیں

کنارے لگی آگے ای **شاد** کشتی

اُترے اُترے کٹیں سب بلائیں

کہاں یہ تاب کہ چکھ چکھ کے یا گرا کے پیوں

ملے بھرا ہوا ساغر تو ڈگڈگا کے پیوں

ہزار تلخ ہو پیرِ مغاں نے جب دی ہو

خدا نہ کردہ جو میں مُنہ بنا بنا کے پیوں

مزا ہو بادہ کشی کا وہیں تو ای ساقی

پیوں جو اَب تو ترے آستاں پہ آکے پیوں

بغیر جلوہ دکھائے رہے نہ یہ معشوق
جو سات پردے کے اندر اسے چھپا کے پیوں

میں وہ نہیں کہ خود اپنے قدح کی خیر مناؤں
پیوں تو بزم میں دس پانچ کو پلا کے پیوں

زمیں پہ جام کو رکھ دے ذرا ٹھہر ساقی
میں اس پہ ہو لوں تصدق تو پھر اُٹھا کے پیوں

وہ میکدہ ہے نہ ساقی ہے کچھ نہ پوچھو **شاد**
میں کس کے گھر میں پیوں کس کے گھر سے لا کے پیوں

ترے فراق کے صدمے جو بڑھنے لگتے ہیں
نئے خیال نئے دھیان گڑھنے لگتے ہیں

کبھی جو آتی ہے جنت نصیب دل کی یاد
تو رو کے سورۂ الحمد پڑھنے لگتے ہیں

تطاولِ شبِ گیسوئے یار کے مضموں
جو سوچتے تو خیالات بڑھنے لگتے ہیں

عدو ہے **شاد** خود اپنے وطن کی ناقدری
گھٹائے دیتی ہے اُن کو جو بڑھنے لگتے ہیں

وہ اور ہیں کہ جو منزل پہ لانے والے ہیں
ہمیں تو خضر بھی رستہ بتانے والے ہیں

اب اُن کا نام نہ لے ہجر میں کٹیں جو شبیں
کر اُن کا ذکر جو سر پر دن آنے والے ہیں

وہ اور یار کی اڑی نگہہ سے ڈر جائیں
جو سینہ تان کے تلوار کھانے والے ہیں

شبِ فراق میں نالوں سے خاک ہو امید
یہ نامراد فقط غل مچانے والے ہیں

شریک درد ہیں ناصح سے لوگ خوب کہی
بغل میں بیٹھ کے باتیں بنانے والے ہیں

جھکیں وہ اور طرف لا الٰہ الا اللہ
تری ادا پہ جو ایمان لانے والے ہیں

یہاں کمی نہیں اے **شاد** اشک ریزی کی
ہم ایک قطرے سے دریا بہانے والے ہیں

جو اُن کے کان کے موتی جھلکنے لگتے ہیں
تو مہر و ماہ کے ماتھے ٹھنکنے لگتے ہیں

ٹھہر ٹھہر کے جو آتی ہے یاد لذتِ قتل
رہے رہے ترے بسمل پھڑکنے لگتے ہیں

نہ جاؤ دور انھیں واعظوں پہ دھیان کرو
جو پیتے ہی نہیں وہ کیوں بہکنے لگتے ہیں

طریق عشق میں اللہ رے پھیر راہوں کا
ذرا سی چوک میں سالک بہکنے لگتے ہیں

بہت دراز ہے ای شاد راہ الفت کی
جہاں کہ پائے خیالات تھکنے لگتے ہیں

اگر چُکتا حیات و موت کا جھگڑا جوانی میں
تو کیوں اُلجھاؤ پڑتا ای ضعیفی زندگانی میں

کسے ہے چین ای سفاک تیری حکمرانی میں
ستم وہ آنکھ سے دیکھے جو سنتے تھے کہانی میں

خزاں میں حال ہم ماتم زدوں کا پوچھنا ناحق
ادھر میں اس طرف مصروف بلبل نوحہ خوانی میں

تڑپنا دیکھتے ہو دوستو رہ رہ کے بجلی کا
نہ پھنس جائے کوئی بیکس بلائے آسمانی میں

زباں کو روک لو احباب سب ای شاد سوتے ہیں
کوئی سُنتا نہیں پھر جی لگے کیا اس کہانی میں

بیڑیوں سے تیرے دیوانے کو اب چارا نہیں
یہ بلا قدموں لگی ہے اس کے چھٹکارا نہیں

اُس گلی میں جاتے ہی آوارگانِ شوق نے
جان دیدی جان سے بڑھ کر کوئی پیارا نہیں

ہم اسیرانِ قفس محکوم تھے صیاد کے
گھٹ کے دم ہونٹوں پہ آیا تو بھی دم مارا نہیں

طبع موزوں جوش یہ تیرا کہاں دریا کہاں
ہے رواں وہ بھی پہ یہ بہتا ہوا دھارا نہیں

وہ گلی سونی پڑی ہے **شاد** وحشی کے بغیر
سب ہیں لیکن اک وہی کمبخت آوارا نہیں

بیانِ حال کی طاقت بھی اب زباں میں نہیں
لگاؤ کان صدا تک مری فغاں میں نہیں

جرس غریب کے نالوں پہ رحم لازم ہے
کہ اس کا ایک ہم آواز کارواں میں نہیں

شبِ برات شبِ عید سب شبیں ہیں مگر
شبِ وصال فقط دورِ آسماں میں نہیں

عبث ہے محملِ لیلےٰ کے ساتھ تو اے قیس!
مہارِ ناقہ دل دستِ سارباں میں نہیں

دم اُن کے ساتھ گیا جانِ **شاد** تھے جو لوگ
یہاں تو جسم ہے، میں بزمِ دوستاں میں نہیں

وفا کے مدعی شکوہ جفا کا لب پہ لاتے ہیں
وہ گویا بے وفا ہیں ہم وفا کرنا سکھاتے ہیں

جفائیں اُن کی ہیں بے مصلحت عقلوں کے ناخن لو
اب ایسے کیا وہ بھولے ہیں کہ بے سوچے ستاتے ہیں

ابھی نوخیز ہیں رنگت زمانے کی نہیں دیکھی
بکستی ہیں جو کلیاں بعض غنچے مسکراتے ہیں

پڑے رہتے ہیں ہم دو دو پہر خاموش بستر پر
دل اپنا زیست سے بیزار ہے مرنا سکھاتے ہیں

اُمیدِ مردہ کو کفنا چکے ہیں شادؔ ای حسرت
ذرا کاندھا لگا دینا جنازہ اب اُٹھاتے ہیں

و

کوئی دم ہے اُجالا پھر اندھیرا ہے وطن والو
مَیں بجھتی شمع ہوں اس انجمن میں انجمن والو

دریچہ کھول کر سلجھاتے ہیں وہ مشکبو زلفیں
یہ خوشبو سونگھ لو ایسے میں آکر ای ختن والو

خزاں میں خشک شاخوں سے لپٹ کر مفت جی کھونا

بہار آئے گی گھبراؤ نہ ای اُجڑے چمن والو

بندھی ہو دھاک عالم میں دُرِ دندانِ جاناں کی
قیامت کے لیئے موتی اُٹھا رکھو عدن والو

ملی ہو خاک اس میں کیسے کیسے اہل نخوت کی
یہ مٹّی ہو، اسے پہچان رکھو ماؤ من والو

بہت مشکل ہو چند احباب کا اک جا بہم ہونا
بحسرت دیکھ لو اک اک کو اُٹھتی انجمن والو

بہت بحرِ سخن میں شاد نے غوطے لگائے ہیں
نہ پائی لیکن اس کی تھاہ اب تک علم و فن والو

اپنی ہستی کو غم و درد و مصیبت سمجھو — موت کی قید لگا دی ہو غنیمت سمجھو

فیصلہ ہوتا ہو نیکی و بدی کا ہر دم — دل کو اس سینہ میں چھوٹی سی عدالت سمجھو

سیرِ گلزار سے اور اک بڑھاؤ اپنا — گل و بلبل کو گلستاں کی حکایت سمجھو

ہوا ہوا تم کو فقط کام ہی سمجھانے سے — غم کو غم اور نہ مصیبت کو مصیبت سمجھو

وعدۂ حشر پہ تکیہ کئے سب سوئے ہیں — حشر برپا نہ ہوا اگر تو قیامت سمجھو

وہی عاقل ہے نتیجہ پہ نظر ہو جس کی — رنج کو چین تو تکلیف کو راحت سمجھو

اک تو گھر شاد کا اور اُس پہ بھی آنا اُن کا

آنکھ والو فقط اللہ کی قدرت سمجھو

کشیدہ رکھو گے مجھ سے کب تک تم اپنے ابروئے جانستاں کو

شکار کرنا تھا کر چکے بس اُتار بھی دو چڑھی کماں کو

ادھر تو صیاد کا تشدد، اُدھر عنادل کی سینہ تنگی

غریب کنجِ قفس میں رہ کر، تڑپ گئے نالہ و فغاں کو

کہو یہ بلبل سے گھٹ کے مرجا یہی مناسب ہے تیرے حق میں

اس اُجڑے ناقدر بوستاں میں عبث نہ برباد کر فغاں کو

نکالے جانے لگے مسافر جب اس سرا سے تو کوئی بولا

یہی ہے دستورِ میزبانی، یوں ہی بُلاتے ہیں میہماں کو؟

یہی سلاست ہے جانِ اُردو لقب اسی کا تو ہے فصاحت

یہی بزرگوں کی ہے نشانی نہ بھولنا **شاد** اس زباں کو

نہ بھولے مرتے دم تک مصحفِ رخسارِ جاناں کو

خدا توفیق دے نیکی کی ہر مردِ مسلماں کو

نہیں رہتے ریا و کبر پھر بھولے سے بھی دل میں

محبت یار کی انساں بنا دیتی ہے انساں کو

اُٹھانا اک قدم بھی اب تو اے زنجیر مشکل ہے

انہیں قدموں سے اک دن چھان ڈالا تھا بیاباں کو

ہوں اپنی جان سے بیزار خود اے خضر فرقت میں

ملے تو پھینک دوں چلّو میں لیکر آبِ حیواں کو

ادب ہر بات کو مانع ہے وحشت گاہِ عالم میں

کدھر جائیں کدھر ہم پھاڑ کر پھینکیں گریباں کو

بہت سچ تھا یہ قول اے موت اہمت بھی عجب شے ہے

اسی کم طاقتی پر آلیا عمرِ گریزاں کو

کسے کرتے سپرد اے شاد امانت کون ایسا تھا

چلے ہمراہ لیکر حسرت و اندوہ و حرماں کو

نقاب اک دن الٹ دینا تھا اُس روئے دلآرا کو

ہم اپنا سا بنا لیتے کبھی تو اہلِ دنیا کو

نگاہِ شوقِ مجنوں فرش سے تا عرش جاتی ہے

کہاں تک پردۂ محمل چھپائے روئے لیلا کو

لباسِ اہلِ تقویٰ پر نہیں کچھ منحصر واعظ

کہیں کیا ہم نے کس کس بھیس میں دیکھا ہے دنیا کو

گھر کانوں کے جھک آئے ہیں اُس کے روئے روشن پر

کہاں ہے آسماں صدقے کرے عقدِ ثریا کو

زمانہ چاہتا ہے وزن ہر شئے کا برابر ہو
گھٹا دیتا ہے اعلا کو بڑھا دیتا ہے ادنیٰ کو

نظر آیا جو موسیٰ کو وہ ہم کیونکر کہیں تو تھا
ہوا کرتا ہے دھوکا بھی بہت کچھ چشمِ بینا کو

جو اُن کو بے حجاب اے **شاد** دیکھا چاہتے ہو تم
جِلا دو اور بھی آئینۂ قلب مصفّا کو

دکھا دیں ہر طرح کی خوبیاں ان نوجوانوں کو
کہاں سے کھینچ کر لے آئیں ہم اگلے زمانوں کو

اُمید و آرزو کو بعد اپنے کون پوچھے گا
لیئے جائیں گے ساتھ اپنے ہم اپنے مہربانوں کو

اسیرانِ قفس کا چھوٹنا تا عمر نا ممکن

گرا دو کاٹ کر شاخیں جلادو آشیانوں کو

نئے ساغر میں دیتے ہیں شرابِ کہنہ ای ساقی
زبانِ حال میں کہتے ہیں اگلی داستانوں کو

یہ باتیں شاد کی کام آئیں گی جب جب سنو گے تم
عزیزو دل کے اوپر نقش کر لو ان بیانوں کو

میسّر جن کا تھا دیدار بے کھٹکے زمانے کو
وہی خوش چشم اب ملتے نہیں سرمہ لگانے کو

دمِ آخر ہمارے دل میں یوں اُمید آتی ہو
کوئی جائے کہیں شرمندگی جیسے مٹانے کو

خلش دل کی تو ای صیّاد مٹتی اس اسیری میں
اگر بجلی جلا دیتی ہمارے آشیانے کو

سرائے دہر میں کچھ بے بُلائے ہم نہیں آئے

عجب مہماں نوازی ہے کہ غم ملتا ہے کھانے کو

یقیں ہے چین سے دنیا گذرتی گوشہ گیروں کی

کہاں سے آپڑا پہلو میں دل میرے ستانے کو

وہ کیا دیکھے بھلا دنیا میں صورت خوش جمالوں کی

جسے آنکھیں خدا نے دی ہوں خونِ دل بہانے کو

مرا قد خمیدہ **شاد** مجھ سے جھک کے کہتا ہے

بہت کم رہ گئے دن منزل ہستی سے جانے کو

خوشا وہ دن کہ دیدار اپنے ساقی کا میسر ہو
ان آنکھوں کو بندھی ہو ٹکٹکی ہاتھوں میں ساغر ہو

دمکتا ہو وہ ماتھا چاندسا عارض ہوں نور افشاں
بغل میں ذوالفقار اور لٹ پٹی دستار سر پر ہو

بندھی ہو کیفِ خرما سے مقدس وہ کمر محکم
ردا ہو دوش پر نعلین میں پیوند اکثر ہو

نسیم صبح جنت لے اڑے خوشبوئے پیراہن
زمیں ہو عطر آگیں دور تک میداں معطر ہو

جمالِ پاک سے حیرت بڑھے ایسی کہ ہونٹھوں پر
کبھی سبحان ربی ہو کبھی اللہ اکبر ہو

چھلک کر مے گرے شیشہ سے لیکن کچھ نہ دھیان آئے
کبھی رخ پر نظر ہو اور کبھی اُن ابروؤں پہ ہو

خوشی میں آ کے جوشِ بیخودی میں اس قدر روؤں
کہ اشکوں سے گریبانِ قبا دامن تلک تر ہو

گروں مستی میں سو سو بار آپے سے گذر جاؤں
کبھی ہوں ہاتھ اپنے اُس قدم پر اور کبھی سر ہو

وہ حسنِ روح پرور کھینچ لے اپنی طرف ایسا
نہ دیکھوں آنکھ اُٹھا کر قصرِ جنت ہو کہ کوثر ہو

جو چاہوں عرض کچھ کرنا نہ نکلیں لفظ تک منہ سے
خوشی سے چڑھ رہی سانسیں ہوں دل آپے سے باہر ہو

لنڈھا کے جا بجا بہت سی مے بہت سے جام گر جائیں
پڑے ہوں جا بجا شیشوں کے ٹکڑے اور زمیں تر ہو

مری بیتابیوں پر مسکرا دے ساقیِ مہوش
متانت سے یہ فرمائے کہ ہاں اتنا نہ مضطر ہو

مرے جاتے ہیں ہم اے **شاد** ابھی سے اِس تمنا میں
قیامت کو ہے اک مدت یہ سب کچھ ہو تو کیونکر ہو

ہم سے وہ اُڑ چلے جسے اپنی خبر نہ ہو
مشہور سچ مثل ہے کہ چیونٹی کو پر نہ ہو

آنکھیں کسی طرف ہیں نگاہیں کسی طرف
تم سا بھی عاشقوں سے کوئی بے خبر نہ ہو

ہم بے نوا بلا سے قفس میں اسیر ہیں
یا رب مگر چمن میں خزاں کا گذر نہ ہو

مجکو تو کام یار سے ہو ای شبِ فراق
میری بلا سے تا بہ قیامت سحر نہ ہو

خط بھیجکر تو اور ہوئے منتشر حواس
ہر راہ رو پہ شک ہو یہی نامہ بر نہ ہو

منزل رساں نقوشِ قدم ہیں ہزار ہا
تو خود تو چل کھڑا ہو نہ ہو راہبر نہ ہو

تلوے کھجا رہے ہیں بہار آنے ہی کو ہو
در پیش ہم کو **شاد** کہیں کا سفر نہ ہو

جب میں کہتا ہوں گوارا مری فرقت نہ کرو
صاف کہتے ہیں کہ تم مجھ سے محبت نہ کرو

سینہ زانو کے تلے تیغ کے نیچے ہو گلا
اب گیا وقت مروت کا مروت نہ کرو

کیا ہوا ہو نہ سکا وعدۂ دیدار وفا
کون سی بات ہو اظہارِ ندامت نہ کرو

آؤ میدانِ محبت میں جوانو مر جاؤ
ہاتھ سے وقت نکل جائے گا غفلت نہ کرو

شاد مرضی ہو یہی اُن کی تو چارا کیا ہو
شکر لازم ہو بہ ہر حال شکایت نہ کرو

ای کاش یہ گردن تہِ شمشیرِ جفا ہو
احسان ترے ناز کا کچھ بھی تو ادا ہو

افعال تو یہ اُس پہ طلبگارِ جزا ہو　　ای بے بصرو بے خبرؤ نامہ سیا ہو!

اِن کانوں نے جاتے ہوئے آہٹ بھی پائی　　کس پاؤں گئی ہائے جوانی کا برا ہو

بس اور نہیں نزع میں درکار مجھے کچھ　　تو سامنے ہو اور مری بالین پہ قضا ہو

سنتے نہیں جب حال ہمارا تو کرو قتل　　قصہ ہی چکے پھر نہ گلا ہو نہ گلا ہو

پیغام لئے آہِ رسا جاتی ہے اُن تک　　ای منتظرو درد سے اتنا نہ کرا ہو

حسرت دلِ بسمل کی بڑھی جاتی ہے دیکھو　　رُک جاؤ نہ اس طرح سے خونریز نگا ہو

لیتا ہے مرا زخم جگر بوسے پہ بوسے　　پیکاں پہ کہیں نام تمھارا نہ کھدا ہو

لو مجھ سے قسم آج تلک میں تو نہ سمجھا
تم آپ بتاؤ تو مجھے **شاد** کہ کیا ہو

پیشِ نظر جو واقعہ کربلا نہ ہو　　بے صبریوں سے پھر تو زمانے میں کیا نہ ہو

نازک مزاج ہے کہیں وہ بت خفا نہ ہو　　اب کون عرض حال کرے کیا ہو کیا نہ ہو

وہ پوچھتے ہی رہ گئے وجہ ملالِ غم　　ہم سوچتے رہے جو کہیں کچھ گلا نہ ہو

نازک مزاج دل کو ہی احسان نہیں پسند   شرمندۂ قبول ہماری دعا نہ ہو

رہ رہ کے کیوں تڑپتا ہی قاتل شہیدِ ناز   پھر جھک کے دیکھ لے کوئی تسمہ لگا نہ ہو

حالِ مریضِ غم پہ تعجب ہی کیوں بتو!   کیا اُس کا پوچھنا ہی کہ جس کا خدا نہ ہو

کیوں ای جرس بٹھاتی ہی دل کو تری صدا   رستہ میں قافلے سے کوئی چھٹ گیا نہ ہو

قاصد وہ بات کہہ کہ یقیں کچھ تو دل میں آئے   کیا کہہ رہا ہی تو کہیں وعدہ کیا نہ ہو

ہی جس میں دھیان کعبۂ ابروے یار کا   ایسی نماز جلد الٰہی ادا نہ ہو

مہماں سرائے تن میں بہت دل ہی بیقرار   شاید عدم کو اب یہ مسافر روانہ ہو

بگڑے ہزار ہم سے کوئی **شاد** غم نہیں

ہم سے بنانے والا ہمارا خفا نہ ہو

خوش ہیں گر تشنہ لبی نے یوں ہی مارا ہم کو   چینِ ابرو نہیں دریا کی گوارا ہم کو

شبِ وعدہ تھا یہی دل کا برا احوال   چونکتا تھا کہ ابھی کس نے پکارا ہم کو

اپنی قسمت پہ کسی حال بھروسہ کریں   دے یہ کمبخت اگر توڑ کے تارا ہم کو

ہم حباب لب دریا ہیں رہیں یا نہ رہیں ــــ دے دیا تو نے تو اے موج سہارا ہم کو

ہم نہ تھے آپ میں تو بھی تھی وہی خود بینی

شاد آخر اسی بے کیفی نے مارا ہم کو

نغمے سب یاد ہیں صیاد کو پاس آنے دو ــــ ابھی ہوں تازہ گرفتار ہوا راس آنے دو

مرنے والے یہ بتا دیں گے کہ مرنا کیا ہے ــــ پھر کے قاصد کو بصد حسرت و یاس آنے دو

تشنۂ شوق اگر آتے ہیں مقتل کی طرف ــــ آب شمشیر سے بجھ جائے گی پیاس آنے دو

ہر لب زخم سے نکلے گی ثنا قاتل کی ــــ وقت شایانہ و ہنگام سپاس آنے دو

بلبلو شاد سے مل جائے گی ان نغموں کی داد

ابھی آیا نہیں وہ قدر شناس آنے دو

یہ سب درست کہ تم بت بھی ہو خدا بھی ہو ــــ مگر نیاز کے قابل یہ دل رہا بھی ہے

بلا سے روح تن زار سے جدا بھی ہو ــــ مگر کہیں شب فرقت کی انتہا بھی ہے

ہو دو دلوں کے ملانے کی بھی اسے کوشش ــــ جہاں میں نام محبت کا پھر برا بھی ہے

جواب خط کا نہ بھیجیں جو وہ تو شکوہ کیا   اگر یہی مری تقدیر کا لکھا بھی ہو

جو غم سے چور ہو وہ کیا غزل کہے ای **شاد**

ہزار اُس کی طبیعت اگر رسا بھی ہو

پلٹ کر نہ دیکھے کبھی رہنما کو   کسی سے غرض کیا ترے بے نوا کو

لیا کام آہوں سے کس اہلِ دل نے   کیا بند مٹھی میں کس نے ہوا کو

جلاتی ہے اور اس کی حرماں نصیبی   لگے آگ اِس نالۂ نارسا کو

یہاں کی ہے آب و ہوا ناموافق   کہاں لے کے جائیں دلِ مبتلا کو

محبت کو بیکار دل میں جگہہ دی

عبث تم نے اے **شاد** پالا بلا کو

مجھ سا فقیر آپ سے راز و نیاز ہو   یارب حیاتِ عشق و محبت دراز ہو

دل اس کی بارگاہ میں سجدے کرے تو کیا   اپنے نیاز مند سے جو بے نیاز ہو

بہتر ہے اشکِ خوں جو بہے چشمِ شوق سے   اس راز کو چھپائیں تو افشائے راز ہو

یارب ہمارے دل کو وہ سینہ رہے نصیب جس سینہ میں کہ آتشِ سوز و گداز ہو

ای **شاد** قدرِ شعر اُسی دل سے پوچھئے

جس کو صحیح ذوق کے ساتھ امتیاز ہو

زیست کا حوصلہ نہ ہو مرگ کا آسرا نہ ہو اُس کی نہ پوچھو ای بتو جس کا کوئی خدا نہ ہو

حسرتِ زخم تازہ کا حال اُسی سے پوچھئے کثرتِ زخم و داغ سے سینہ میں جس کے جا نہ ہو

منہ میں زباں تو ہو مگر سر کو جھکائے ہوں خموش شکوہ کی اُس گھڑی ہو جا جب ہی کچھ خطا نہ ہو

لطفِ بہارِ کوئے یار تب ہو کہ اپنے دل میں جب شوقِ دراز پا نہ ہو صبر گریز پا نہ ہو

شاد کہاں یہ میکدے اور سفید ڈاڑھیاں

فصلِ گل آئے جوش پر یوں ہی اگر تو کیا نہ ہو

دیا نہ تو نے کفن اپنے سر فروشوں کو اک اور داغ لگا اِن سفید پوشوں کو

ہجوم دیکھ کے ہوتا ہے کیوں خفا ساقی گھٹا تو گھیر کے لاتی ہو بادہ نوشوں کو

قصورِ فہم پہ ساری بلا ٹلی اپنی ملے حیاتِ ابد میرے عیب پوشوں کو

نگاہِ شوق کے داموں بُرا نہ تھا دیدار　　　خدا نے عقل نہ دی ان گراں فروشوں کو

خبر نہیں ہے کہ قاتل کو خود ہے کیا منظور

یہ سر تو بار ہے اے **شاد** سر فروشوں کو

کریں برسوں ریاضت عرش تک پہونچائیں نالوں کو

اب ان باتوں سے اے ہمدم غرض کیا مرنے والوں کو

نکالیں بیٹھ کر تلووں سے کانٹے دشتِ غربت میں

فلک اتنی بھی مہلت اب کہاں آشفتہ حالوں کو

مری آشفتگی کا حال ناحق پوچھتا ہم سے

اُٹھا رکھو قیامت کے لئے ایسے سوالوں کو

مدد کر اے ہجومِ شوق خضرِ رہنما بن کر

اثر نے راہ گم کی عرش تک پہونچا کے نالوں کو

نظر کرتے نہیں بھولے سے بھی انساں کی خوبی پر

بنایا کور دل آخر حسد نے آنکھ والوں کو

رذالت پیشگی ہے دل میں کچھ اور منہ سے کچھ کہنا

حذر لازم ہے اس ترکیب سے عالی خیالوں کو

کوئی اے شاد پوچھے یا نہ پوچھے اس سے کیا مطلب

خود اپنی قدر کرنی چاہیئے صاحب کمالوں کو

جو بن پڑے تو اُسی در پہ جاکے مر دیکھو ۔ کچھ اس میں خرچ نہیں آؤ یہ بھی کر دیکھو

مریضِ عشق کو مرتے کبھی نہیں دیکھا ۔ دبی زباں سے یہ کیا کہہ گئے ادھر دیکھو

کہاں پہ کی دلِ وحشی نے آکے پسپائی ۔ کہاں پہ چھوٹ گیا مجھ سے ہمسفر دیکھو

غبار آئینۂ دل کا صاف ہو تو پھر ۔ اُنھیں کی شکل نمایاں رہے جدھر دیکھو

جو میرا حال ہے اے شاد سب کا ہونا ہے

یقیں نہ آئے تو خود بھی کسی پہ مر دیکھو

آئے بہار اے خدا لالہ و گل کو جوش ہو ۔ زاہد پاکباز بھی بندۂ میفروش ہو

ہائے رے تیغ کا کھچاو، ہائے وہ غیض کی نگاہ — دیکھ کے خلق یہ ادا کیوں نہ کفن بدوش ہو

جس کو ہو قیدِ ننگ و نام یار تری ادا و ناز — کیوں نہ پھر اُس کے واسطے پردۂ چشم و گوش ہو

غم سے اگر ہو دل فگار اِس میں ہیں آفتیں ہزار — اپنے لئے ہیں دونوں زہر نیش ہو یا کہ نوش ہو

ایسے فراق کو بھی **شادؔ** ہم تو کہیں گے وصل اگر

آنکھوں سے سیلِ خوں بہے ملنے کا اُن سے جوش ہو

تڑپ جاتا ہے دل جب سوچتا ہوں اس فسانے کو — مری پیری ہمیشہ روتی ہے اگلے زمانے کو

قفس کی ایک اک تیلی پہ ای صیاد میں صدقے — یہ آنکھیں دیکھ کر آئی ہیں ویراں آشیانے کو

پیالے جام اُنھیں ملتے ہیں جو سیراب ہیں ساقی — شکایت ہوتی ہے اب کیا کہیں اس کارخانے کو

جبیں سائی وہی اس وقت بھی ہے خاک ہونے پر — نہ چھوڑا مرنے والوں نے تمھارے آستانے کو

نہ کھولو دفترِ اشعار ٹھہرو **شادؔ** جلدی کیا

بھر آیا ہے دل اپنا رو تو لیں اگلے زمانے کو

دھوکے نہ دے ای آرزو اس ہستیِ نابود کو

دوں مَیں دلاسے تا کجا اس عمرِ غم فرسود کو
بیکار شک میں ڈالنا عاشق کی ہست و بود کو
آخر کبھی تو کھولئے چشمانِ خواب آلود کو

لِلّٰہ مستوں کو نہ دے عادت طلب کی ساقیا
خود دور سے پہچان لے چشمِ خمار آلود کو
تڑپے کہ خوں ہو جائے دل اپنے کئے کی ہو سزا
کیوں دیر تک دیکھا کیا اُس چشمِ سحر آلود کو

ای **شاد** بہتر ہی یہی لیں میکشی سے کام ہم
روئیں کہاں تک بیٹھ کر اس بختِ نامسعود کو

بھلا کہئے طریقِ عشق ہم سے کس طرح طے ہو
جب اپنے در بدر پھرنے کو اپنا پاؤں در پے ہو
مٹا یا بادۂ جنت کا لالچ میں نے خاطر سے

یہی احساں بہت ہے ای خدا دینا ہو اور می ہو

ادائیں ہیں کہ آفت ہیں نگاہیں ہیں کہ خنجر ہیں

بتو مَیں کیا کہوں اللہ کی قدرت ہو کیا شی ہو

کئے بیٹھا ہوں ترک نالہ اُن کے منع کرنے سے

خدا چاہے تو مر جانے پہ اک اک استخواں نَے ہو

جناں پر کیا ہے دل کیونکر نہ خوش ہو **شاد** کا واعظ

جہاں ہو نغمۂ و جام و سبو اور حُسن سی شی ہو

ہ

وہ چشمِ مست وہ ترچھی نظر معاذ اللہ
حیا ہزار بھری ہو مگر معاذ اللہ

وہ رخ ملیح، وہ کافر نگاہ توبہ ہے
وہ کاکلیں وہ لچکتی کمر معاذ اللہ

کہاں اُتار دیا تو نے اپنے مہماں کو
نہیں وہ تار بھیانک وہ گھر معاذ اللہ

اُدھر اذاں کی صدا یار کی اِدھر رخصت
خدا دکھائے نہ ایسی سحر معاذ اللہ

نہ شاعری پہ کرو ناز اس قدر ای شاد
حسد کی جڑ ہو تمھارا ہنر معاذ اللہ

جھگڑے کہاں تک کر قصہ کوتاہ　　مجبور ہو تو الحکم للہ
مَیں نے بگاڑا کیا ان بتوں کا　　اللہ اللہ اللہ اللہ
جلوہ دکھا دو اُس رُخ کا جلدی　　دن زندگی کے ہوتے ہیں کوتاہ
چل ساتھ ادب سے ای چلنے والے　　زیرِ زمیں ہیں کیا کیا فلک جاہ

شعروں میں ای شاد یہ باطنیت
تم حافظِ وقت ہو ثمّ باللہ

بات اپنی رکھ ای سخن ہمیشہ　　کام آ مرے ای دہن ہمیشہ
شامِ غربت میں آئے گی یاد　　تو ای سحرِ وطن ہمیشہ
ای بزمِ خیال تیری کیا بات　　خلوت میں ہو انجمن ہمیشہ
مُردوں کی قناعتوں پہ ہو رشک　　پہنے رہے اک کفن ہمیشہ

وارستہ مزاجیوں نے ارشاد
رکھا مجھے بے وطن ہمیشہ

رہ رہ کے چھیڑ میرے دلِ مبتلا کے ساتھ
پھر پھر کے دیکھنا ترا دلکش ادا کے ساتھ

دل توڑنا کسی کا روا ہو بتا تو دے
واعظ معاملہ ہو تجھے بھی خدا کے ساتھ

ہو چھیڑ زخمِ دل سے تپش سے تپاک ہو
انداز الگ الگ ہو ہر اک آشنا کے ساتھ

دل نے تو غم سہے مرے بڑے ستم اُٹھائے
میں نے سلوک کیا کیا اس آشنا کے ساتھ

ارشاد جلد ترچمنِ دہر سے گئی
روح اپنی بوئے گل کی طرح سے ہوا کے ساتھ

گیسو و رخ کی کراماتیں دیکھی ہوں تو دیکھ
دن کے ہم پہلو اگر راتیں دیکھی ہوں تو دیکھ

اپنی آنکھوں کا یہ ایما ہو خیالِ یار سے
تو نے بے موسم کی برساتیں دیکھی ہوں تو دیکھ

ایک حسرت دو طرف رہتی ہو مصروفِ کلام
تخلیہ کی گرملاقاتیں دیکھی ہوں تو دیکھ

دل میں رہ جانا فریب آلودہ ان آنکھوں کا آہ
ناگہانی موت کی گھاتیں دیکھی ہوں تو دیکھ

شاد آتا ہی بگولا اپنے استقبال کو
دشتِ غربت کی مداراتیں دیکھی ہوں تو دیکھ

خود پہونچ جائے گی آخر تری تا دور سمجھ
جو کرے تجھ سے بُرائی اُسے معذور سمجھ

دیکھیں اس ڈھونے ڈھلانے کی ملے کیا اجرت
جسم کو بوجھ تو انسان کو مزدور سمجھ

بر سرِ دار کھچے یا نہ کھچے وہ لیکن
جو کہے کلمۂ حق تو اُسے منصور سمجھ

سوزِ غم عشق میں راحت سے کہیں بہتر ہی
گر لگے زخم پہ زنگار تو کافور سمجھ

بڑھ کے خنجر سے بھی سر تیز ہی آڑی وہ نگاہ
زخم اوچھا سا بھی لگ جائے تو ناسور سمجھ

بڑھ کے شیشے سے بھی نازک ہی دلِ اہلِ کمال
ایک ہلکی سی بھی گر ٹھیس لگے چور سمجھ

شاد کیونکر رہے انسان خطاؤں سے بری
چوکتے وہ بھی تو ہیں جن کی ہی مشہور سمجھ

ی

پرے ہی عرش سے بھی سوزِ عشق راہ تری
لگائی جا کے کہاں آگ اُف پناہ تری

کٹے گا ملکِ عدم کا سفر بھی مشکل سے
یہی امید اگر ہے رفیقِ راہ تری

شہیدِ تیغِ تبسم ہے منتظر بیکار
بس اب نہ پلٹے گی پلٹی ہوئی نگاہ تری

مری دعا میں لگا دے گی پر مری تقدیر
ہزار عرش سے اونچی ہو بارگاہ تری

تجھ ایسے راندۂ درگاہ کی ہاں پرسش
زہے نصیب خوشا قسمت ای گناہ تری

اگر حیا ہے تو لے عمر بھر کو روا ای چشم
بس اک نگہ کی خطاوار ہے نگاہ تری

یقیں ہے شاد کہ بگڑی ہوئی سنور جائے
پڑے جو اُس پہ اچٹتی سی اک نگاہ تری

مست وہ ہے کہ جسے الفتِ مے ذاتی ہے
یوں تو کہنے کو ہر رند خراباتی ہے

مصحفِ رخ کی زیارت کی دھن اللہ اللہ
تھی بڑی چیز مگر ہاتھ سے اب جاتی ہے

رو کشادہ رہی پہلے تو ہمیشہ ای روح
اب نکلتے ہوئے پردے سے حیا آتی ہے

تجھ پہ ای پھول مری جان تصدق تجھ سے
اپنے بچھڑے ہوئے ہمدرد کی بو آتی ہے

کچھ مجھی پر نہیں موقوف جہاں میں سب کو
غلط انداز نگہ یار کی بہلاتی ہے

جنبشِ ابروئے خمدار کا پوچھو نہ سبب رکھّے رکھّے یہ کماں یوں بھی کڑک جاتی ہے

آخر اس سینے میں ارماں بھی کوئی کچھ ہیں سانس جو آتی ہے پیغام قضا لاتی ہے

یہ دعا ہے کہ ہو آساں شبِ غم کی مشکل

شاد اب روح بہت جسم میں گھبراتی ہے

نہ چین اِس عقل کے ہاتھوں نہ آسایش ذرا پائی

بشر کے جسم میں اے روح کیوں کیسی سزا پائی

محبّت خاص نعمت اُس کی ہے او آدمی سُن رکھ

یہ عزّت تو نے بے شک اپنے رُتبہ سے سوا پائی

نہ رگڑے ایڑیاں بیمارِ الفت کہہ دو مر جائے

کہیں ہم نے نہ اس دُکھ کی دوا اس کے سوا پائی

اسی کے پاس بیٹھے سرد سرد آہیں جو بھرتا تھا

وہیں بستر لگایا جس جگہ ٹھنڈی ہوا پائی

بہت کچھ پاؤں پھیلا کر بھی دیکھا **شاد** دنیا میں
مگر آخر جگہ ہم نے نہ دو گز کے سوا پائی

بڑھے جاتے ہیں دکھ یہ عمر جوں جوں گھٹتی جاتی ہے
مگر میں سوچ کر خوش ہوں کہ بیڑی کٹتی جاتی ہے

تعلق یار سے روحِ رواں کا چھٹ نہیں سکتا
زباں ہو یا نہ ہو یہ نام پیارا رٹتی جاتی ہے

پہاڑ اس عمر کا ٹالے نہ ٹلتا تب شکایت تھی
گلہ کیسا بہر صورت جب اپنی کٹتی جاتی ہے

برابر چاہیئے الفت میں پلّہ میرا اور اُس کا
زہے قسمت کہ اب ساقی سے میزاں پٹتی جاتی ہے

ہے مجرم میری پیری **شاد** دنیا کا گلہ ناحق
مَیں اُس سے ہٹتا جاتا ہوں وہ مجھ سے ہٹتی جاتی ہے

آنکھوں سے سدھاری بینائی سُننے سے معطل گوش ہوئے
جب ہوش تھے تب مدہوش رہے جب ہوش نہیں تب ہوش ہوئے

شب عمر کی گذری ہم بزمو گر چپ رہیں کیا مُنہ سے کہیں
تھے شمع صفت اس محفل میں جب صبح ہوئی خاموش ہوئے

آنکھوں سے ہماری تا دامن اشکوں نے بڑھائے اپنے قدم
جو طفل نظر میں پلتے تھے اب زیب دہِ آغوش ہوئے

آسان جہاں ہو مرنا تک چھُڑواتے ہیں ناصح وہ کوچہ
کیا خوب مرے ہمدرد ہوئے کیا خوب محبت کوش ہوئے

غفلت کدہ ہو یہ میخانہ ساقی ہو یہاں کا بے پروا
کیوں **شاد** تمھیں آئی نہ حیا کیا سوچ کے تم مے نوش ہوئے

نظر ٹھہرا کے دیکھ او نقشِ باطل دیکھنے والے
سمجھ اس نقشِ باطل کا بھی حاصل دیکھنے والے

وہ خنجر یوں ہزار اندازِ معشوقانہ دکھلائے
نہ دیکھیں گے پلٹ کر سوئے قاتل دیکھنے والے

سر و ہی پھینک دی آنکھوں نے اپنی رکھ لیا دامن
نہ لائے تاب آخر رقص بسمل دیکھنے والے

قیامت کر رہی ہیں وہ نگاہیں شرم آلودہ
ہوئے جاتے ہیں بے شمشیر گھائل دیکھنے والے

لیئے جاتا ہے طوفاں اور جانب تیری کشتی کو
ذرا آنکھیں تو پھیرو سوئے ساحل دیکھنے والے

کوئی جا حسن کے جلوے سے عالم میں نہیں خالی
بڑی حیرت ہے کس کس پر ہوں مائل دیکھنے والے

ذرا تقدیر کے بھی مسئلہ کو دیکھ کھول آنکھیں
حقارت کی نظر سے سوئے سائل دیکھنے والے

طلب کرتے نہیں ساقی سے گو افراط سے مے ہے
زباں روکے ہوئے ہیں تنگ محفل دیکھنے والے

نہ ان غزلوں کو یوں ضائع کرو ای **شاد** رہنے دو
وہ دیکھیں گے جو ہیں کامل سے کامل دیکھنے والے

یہ جی میں خوش کہ دل داغدار باقی ہے
وہ گھات میں کہ جو ٹیلا شکار باقی ہے

مجھے تو حشر کی آتی ہے دیکھیئے کیا ہو
یہ ایک وعدۂ نا استوار باقی ہے

نگاہِ ناز تو مستوں کو کر چکی مدہوش
وہ آئے بزم میں جو ہوشیار باقی ہے

سحر قریب ہے گھبرا نہ جسم میں ای روح
یوں ہی سی اور شبِ انتظار باقی ہے

کھلے تھے بال جنازے پہ کب مگر اب تک　　کفن میں نکہتِ گیسوئے یار باقی ہی

نہ رات کٹتی ہی کم بخت امیدواروں کی　　نہ دل کو حوصلۂ انتظار باقی ہی

وہی ہی کاوشِ مرغولہ ہائے طرۂ دوست　　وہی تطاولِ شب ہائے تار باقی ہی

کنارہ کش ہوئی کیوں شامِ غم سے صبحِ امید　　ابھی تو رشتۂ لیل و نہار باقی ہی

لگا نہ دے تری رفتارِ ناز میں دھبہ　　کہیں کہیں جو نشانِ مزار باقی ہی

چلے نہ جائیں وہ مقتل سے دھو کے خنجر کو　　پکار دو کہ اک امیدوار باقی ہی

تمھیں دکھائیں گے باغِ سخن کی اپنے بہار
جو **شاد** زندگیِ مستعار باقی ہی

بجز اُس نازنیں کے کب کوئی دل میں سماتا ہی
پلٹ جاتا ہی اُلٹے پاؤں جو آنکھوں تک آتا ہی

وہ اور قاصد سے میری حال پرسی میں نہ مانوں گا
میں سمجھا ای خیالِ یار تو باتیں بناتا ہی

محبت کرکے میں حسرت زدہ کس گو مگو میں ہوں

نہ تجکو صبر ای دل اور نہ رونا مجکو آتا ہی

اُٹھالو جام کو رندو! وبال جاں ہی مو پینا

مجھے ہنستا ہوا ساقی کا چہرہ یاد آتا ہی

مری دیوانگی ناصح کا عاقل بن کے سمجھانا

اس افسانے کو جو سُنتا ہی گھڑیوں مُسکراتا ہی

وہ چاہے دور یا نزدیک ہو میداں قیامت کا

یہ شامت کس کی ہی سوتے سے اُٹھ کر کون جاتا ہی

ہزاروں معرکے جھیلا کیا ہی **شاد** اس پر بھی

زمانا آج تک ای کہنہ مشقی آزماتا ہی

بہ شوق دام میں لاکر قفس میں بند کرے خوشا وہ صید کہ صیاد خود پسند کرے

اکڑ رہی ہی وہ زلفِ دراز شانوں پر اُسی کے ہاتھ ہی وہ جس کو سربلند کرے

پھنسائے ہے مجھے وہ زلفِ عنبریں جس طرح
خدا کسی کو نہ اس طرح مشک بند کرے

کسی کا ناز اٹھانے سے کیا غرض دل کو
اگر وہی مجھے اپنا نیاز مند کرے

کہاں کا قصد ہے اے آہ! آفریں تجکو
دعا یہ ہے تری ہمت خدا دوچند کرے

یہاں تلک ہو الٰہی دراز وہ گیسو
کہ آہوانِ حرم تک کو مشکبند کرے

سنا کرو اسے اے **شاد** جو کہے واعظ
سنور لے آپ تو ہم میکشوں کو پند کرے

شیخ ذکرِ گلشنِ فردوس فرمانے لگے
رفتہ رفتہ تیرے کوچہ کی طرف آنے لگے

دیکھ لو پھولوں کو غنچو غور سے تب مسکراؤ
کس بشاشت سے کھِلے اور کھِل کے مرجھانے لگے

شرم میری سخت جانی کی ہے یارب تیر ہاتھ سے
دست و بازوے طرح قاتل کے تھرّانے لگے

خلد میں بھی کیا یہی چیزیں نمایش کی ہیں چند
کچھ دنوں رہ کر وہاں بھی ہم نہ گھبرانے لگے

دے کے میخواروں کو مے ساقی نے کیوں الٹی نقاب
رہ گئے آخر یونہیں ہونٹوں سے پیمانے لگے

بزم کی افسردگی کا اُس گھڑی پوچھو نہ حال
شمع رخصت ہو کے جب وقتِ سحر جانے لگے

شاد یہ توہین یہ ہجویں کجا منبر کجا
پند کیا کرتے کہ واعظ ہو لیاں گانے لگے

لبوں پہ رندوں کے میکدے کی شکایتیں ہیں مدام باقی
بقدر حاجت ہر اک کو مے دی ہر اک ہے پھر تشنہ کام باقی

مصیبتِ ہجر کاٹنی ہے قضا کے بس میں ہے دل کو دینا
بلائے شب آرہی ہے سر پر یوں ہیں سا ہے وقتِ شام باقی

گرے تو ہیں لڑکھڑا کے لیکن اسی طرف رخ کئے پڑے ہیں
ہے دل میں مستوں کے میکدہ کا ابھی تلک احترام باقی

کثافتِ جسم پر نظر ہے صفائے باطن سے غفلتیں ہیں
اسی کی غافل نہیں ہے پروا رہے گی جو شئ مدام باقی

جو آئے کعبہ سے میکدے میں تو ہم نے بدلا نہ اپنا مشرب
وہی ہیں سجدے اس آستاں کے وہی قعود و قیام باقی

جہاں میں ساقی رہے ہمیشہ رچا پچا تیرا بادہ خانہ

جو خم ہو باقی تو مے ہو باقی جو مے ہو باقی تو جام باقی

بُرا اِس افراطِ شوق کا ہو کہ صبح سے شام تک یہی ہو

پیام بر کو پکار دینا کچھ اور بھی ہیں پیام باقی

نہ بیٹھو ای **شاد** ہوکے غافل اُٹھو اُٹھو دور کا سفر ہو

بہت سے ساماں ہیں جمع کرنے ابھی بہت سے ہیں کام باقی

ابد تلک اگر اس دہر کو بقا ہوتی — تو انتہا کو پہونچ کر پھر ابتدا ہوتی

نہ ملتے ہاتھ چمن میں جو پھول کیا کرتے — زبانِ گنگ سے کیونکر تری ثنا ہوتی

تھکا ہوا ترا رہرو کہیں تو دم لیتا — کہیں تو چھاؤں درختوں کی اک ذرا ہوتی

عدم میں بھی کششِ حُسن ہو وہی ای دوست — کہیں تو جا کے محبّت کی انتہا ہوتی

نہ روکتی جو مجھے ای زمیں کشش تیری — تو میری خاک خدا جانے کیا سے کیا ہوتی

تری تلاش میں ہم نے ملا دی خاک میں عمر — تو ہی بتا کہ یہ کمبخت رہ کے کیا ہوتی

دیا خطاب بھی خلعت بھی شاہ نے زر بھی

اب اس سے بڑھ کے مری قدر شادؔ کیا ہوتی

بدن میں جب تک کہ دل ہے سالم تری محبّت نہاں رہے گی

یہی تو مرکز ہے یہ نہ ہوگا تو پھر محبّت کہاں رہے گی

بہت سے تنکے چنے تھے میں نے، نہ مجھ سے صیاد تو خفا ہو

قفس میں گر مر بھی جاؤں گا میں نظر سوئے آشیاں رہے گی

ابھی سے ویرانہ پن عیاں ہے ابھی سے وحشت برس رہی ہے

ابھی تو سنتا ہوں کچھ دنوں تک بہار اے آشیاں رہے گی

جو اُن کی مرضی وہ اپنی مرضی یہی اگر روح نے نہ سمجھا

ہمیشہ ہم کو ستائے گا دل ہمیشہ نوبت بجاں رہے گی

گلوں نے خاروں کے چھیڑنے پر سوا خموشی کے دم نہ مارا

شریف اُلجھیں اگر کسی سے تو پھر شرافت کہاں رہے گی

ہزار کھنچ کر جدا ہو مجھ سے ہزار دوری ہو میرے تیرے
جو اک کشش حسن و عشق میں ہے مرے ترے درمیاں رہے گی

وہ چاند سا منہ وہ کالی ناگن زمانہ کہتا ہے جس کو گیسو
جو چھیڑتا ہے تو سن لے ناصح رہے گی یاد اس کی ہاں رہے گی

غم جدائی کے تذکرے میں بیان اس پردہ پوش کا کیا
غضب تو یہ ہے کہ اب ہمیشہ خجل دعا سے زباں رہے گی

اجل سلادے گی سب کو آخر کسی بہانے تھپک تھپک کر
نہ ہم رہیں گے نہ تم رہو گے نہ **شاد** یہ داستاں رہے گی

گر مجھے بھی پر پرواز میسر ہوتے ۔۔۔ ای صبا! باغ کے سو مرتبہ چکر ہوتے
زلف مشکیں کا تعلق ہے خدا کی رحمت ۔۔۔ حیف اُس پر جو یہ سودا نہ رکھے سر ہوتے
دل دھڑکتا ہے جو پڑھتا ہے اٹک کر قاصد ۔۔۔ کاش فقرے مرے خط کے اُسے ازبر ہوتے
کس سے اس دل کی کہیں خانہ خرابی افسوس ۔۔۔ اب کہیں اور بسر کرنے لگا گھر ہوتے

شاد وہ اپنی زباں سے جو کبھی پڑھ دیتے
یہی مصرعے مری ہر بیت کے نشتر ہوتے

سوچ کر اور بھی جی کھونا ہے — ہووے گا وہی جو ہونا ہے
میل آ جائے شرافت پہ ہزار — جب کسوٹی پہ کسو سونا ہے
پھینک اے روح خرابے میں کہیں — جسم کا بوجھ عبث ڈھونا ہے
ناز اتنا نہ کر اے خونِ گلو — ہاتھ قاتل کو ابھی دھونا ہے

شاد وہ کہتے ہیں دل لیں گے ضرور
تیرے انکار سے کیا ہونا ہے

اب بھی جو سال بھر یہ چمن میں نہ آئے گی — عقبےٰ میں کیا بہار مجھے بخشوائے گی
راتیں تو اب ہیں عمر طبیعی کی بھی اخیر — کیوں اے شبِ فراق کہاں تک ستائے گی
سنتے ہیں ضبطِ آہ سے بنتے ہیں دل کے کام — اس کو بھی دیکھ لیں گے اگر جی میں آئے گی
بچھڑے ہوؤں سے ملنے کی ہے آرزو کمال — کس شوق سے عدم کی طرف روح جائے گی

یا رب عطا ہو دل کو مرے ہر طرح کا ضبط　　کیا علم اب ادا اُنھیں کیا کیا سکھائے گی

یہ کون زندگی ہے کہ مر مر کے ہو بسر

کیوں **شاد** سنکھیا نہ مرے ہاتھ آئے گی

کیا سمجھ کر پھر دوبارہ شاد میخانے گئے　　پائی لالچ کی سزا کیوں ہاتھ پھیلانے گئے

کب سمجھتے تھے کہ تھک جائیں گے اُس کوچہ میں پاؤں　　چار کو دیکھا تو ہم بھی دل کو بہلانے گئے

دورِ آخر ہے ترقی کر گئیں بدمستیاں　　مَیں تصدق تجھ پہ ساقی دیکھ پیمانے گئے

عاشقوں کے دل کہاں ناصح کی تقریریں کہاں　　ہائے شیشوں کو کہاں پتھر سے ٹکرانے گئے

قیس لیلےٰ کی حکایت سُن چکے ہو خوب **شاد**

اب نئے قصّے سنو ہم سے وہ افسانے گئے

بتکدہ ہے کہ خرابات ہے یا مسجد ہے　　ہم تو صرف آپ کے طالب ہیں خدا شاہد ہے

منحصر کیا ہے فقط پیرِ مغاں پر ساقی　　اس خرابات میں ہر پیر مرا مرشد ہے

نہ مصلّے کی ضرورت ہے نہ ممبر درکار　　جس جگہ یاد کریں تجکو وہی مسجد ہے

نظمِ دنیا کو جو پاتا ہی ہمیشہ یکساں　　دل پکار اُٹھتا ہی اپنا کہ خدا واحد ہی

اتفاقات سے پیش آتے ہیں جھگڑے ای **شاد**

ورنہ دشمن کوئی میرا نہ کوئی حاسد ہی

قیامت آئے وہ گیسو اگر رسا ہو جائے　　اسی پہ کیا نہیں معلوم کیا سے کیا ہو جائے

بس انتہا ہی کہ بندہ بنا لیا اُس نے　　پھر اور چاہتے کیا ہو بشر خدا ہو جائے

جو ہی یہ قصد کہ جھگڑا چکائیں مدت کا　　تو یوں ستا کہ ستانے کی انتہا ہو جائے

جہاں میں کس کا بھروسا ہے غریبوں کو　　خدا نہ کردہ اگر موت بھی خفا ہو جائے

اثر یہ نام میں ہی اُس مسیح کے ای **شاد**

کہ سنکھیا بھی جو کھالوں مری دوا ہو جائے

بتا دلا! تجھے کیا مل گیا دعا کر کے　　مجھے ذلیل کیا تو نے التجا کر کے

دعا سے بھی تو ہی اب دل کو سوئے ظن ناصح　　کچھ اور مجھکو نہ ثمرہ ملا وفا کر کے

اثر فغاں کو ملا جذب نالۂ دل کو　　بتائیے ہمیں کیا مل گیا دعا کر کے

وہ چاہے بدلیں نہ بدلیں ترے مقدر کو — کسی قدر مجھے تسکیں تو ہو دعا کرکے

نہ چھیڑ اے الم و درد شاد کے دل کو
کسے دکھائے گا منہ یار کا گِلا کرکے

سنتی ہے کہیں لاکھ کہا عمر رواں سے — پہونچا دے وہیں گھیر کے لائی تھی جہاں سے
ہاں میں کہیں پوشیدہ نہیں ہوتی ہے قاصد — مطلب نکل آتا ہے نہیں کا کہیں ہاں سے
دیکھا بہ نگاہِ غلط انداز بصد ناز — اک تیر چلایا اور بھی ابرو کی کماں سے
سنسار میں ہر چار طرف ہو کا ہے عالم — گھبرا کے ترا نام لیا کس نے زباں سے

گھبراتے ہو کیوں شاد ابھی عمر پڑی ہے
کیا کیا تمھیں سُننا نہیں کس کس کی زباں سے

نہ دردِ دل پہ حکومت نہ تو ہمارا ہے — بجز سکوت کے اے دوست کون چارا ہے
تڑپ گیا ہوں تجھے جب کوئی پکارا ہے — ترا تو نام ہے ایسا کہ سب کو پیارا ہے
سُنیں کہ ہم نہ سنیں تو نے خود دیا ہے جواب — ہجومِ یاس میں جب جب تجھے پکارا ہے

ہم ایک عمر سے سنتے ہیں دھوم محشر کی — نگاہ ناز کا یوں ہی سا اک اشارا ہی

نہ ہو اطاعتِ عاشق کا اعتبار نہ ہو — کسی غریب نے مرنے میں دم بھی مارا ہی

گلہ جواب نہ دینے کا ہی مگر سچ کہہ — پکارنے کی طرح کون اُسے پکارا ہی

ہم اُس سے، ہم سے وہ چھوٹے مجال کیا ای **شاد**

سمجھ کے ہم کو جو ملتا ہی وہ ہمارا ہی

ہو سفر ملکِ عدم کا مجکو خود تعجیل ہی — ہوں کمر کب سے کسے ای موت تیری ڈھیل ہی

جی اُٹھے رندانِ میکش دفعتاً جاں آ گئی — بانگِ نا و نوش گویا صورِ اسرافیل ہی

گھٹ رہی ہی روح رہ رہ کر دلِ مایوس میں — اس کو جینا تم نہ جانو حکم کی تعمیل ہی

کیوں تغیر ہو نہ پیدا کیوں نہ برہم ہو مزاج — آمدِ پیری بھی گویا فصل کی تبدیل ہی

میں نہ ہوں ای **شاد** جس کی عمر غفلت میں کٹی

ای خوشا وہ لوگ جن کو کوششِ تکمیل ہی

ہزاروں آرزوئیں ساتھ ہیں اُس پر اکیلی ہی

ہماری روح بے بوجھی ہوئی اب تک پہیلی ہے

بڑھاپا ہو تو ہو اس ربط میں کیونکر خلل آئے

مری یاس و تمنّا بچپنے سے ساتھ کھیلی ہے

اجل بھی ٹل گئی، دیکھی گئی حالت نہ آنکھوں سے

شبِ غم میں مصیبت سی مصیبت ہم نے جھیلی ہے

عدم کا تھا سفر درپیش، توشہ جب نہ ہاتھ آیا

بہت سی نامرادی چلتے چلتے ساتھ لے لی ہے

ذرا دیکھو تو اِن اُترے ہوئے چہروں کو پھولوں کے

معاذ اللہ جھونکا ہے خزاں کا یا کہ سیلی ہے

ہماری اور گلوں کی ایک ہے نشو و نما لیکن

وہاں مٹھی میں زر ہے اور یہاں خالی ہتھیلی ہے

نہ پوچھو شاد ویرانی کو دل کی کیا بتاؤں میں

تمنّا جا چکی حسرت غریب اس میں اکیلی ہے

اُٹھا دے اپنے چہرے سے نقاب ای یار تو پہلے
دم اپنا بعد نکلے گا نکل لے آرزو پہلے

یہ شرط آپس میں کی تھی میں نکلتی ہوں کہ تو پہلے
مگر کی روح نے سبقت نہ نکلی آرزو پہلے

بچا لیتے نہ وہ دامن تو رہتی ایک سی حالت
گلے سے اپنے کس کس جوش سے نکلا لہو پہلے

چبھی اک پھانس جس دن سے میں آنکھیں بند رکھتا ہوں
رہا کرتی تھیں یہ بدخو نگاہیں چار سو پہلے

اگر ان عاشقوں کو جان بحق تسلیم کرنا ہی
مسلماں ہیں بٹھا لے زیرِ خنجر قبلہ رو پہلے

ترے قربان ساقی! بزم کی ترتیب پھر کرنا
ذرا مستوں کے آگے رکھ تو دے جام و سبو پہلے

دکھایا قتل کا دن گر مجھے ای شادؔ قسمت نے
تصدق ہو گا قاتل پر مرا خونِ گلو پہلے

مشقت کے سوا کیا مل گیا مشقِ سخن کر کے
عدو چاروں طرف پیدا کئے ہم نے یہ فن کر کے
کہا یاروں نے سب کچھ اِس طرف روئے سخن کر کے
مگر بیٹھے ہیں خاموشی کو ہم قفلِ دہن کر کے

قفس میں سوزِ غم سے میں اگر صیاد مر جاؤں
اُڑانا خاک میری رو بہ دیوارِ چمن کر کے

کسی پتّے کے لب پر بھی اگر نامِ خزاں آیا
نکالا باغباں نے اُس کو رُسوائے چمن کر کے

جوانی بھی نہیں پیری ہے کچھ دن اور مہماں ہوں
بتا ناصح کروں کیا چارۂ زخمِ کہن کر کے

سِتم کو کیوں ستم سمجھوں جفا کو کیوں جفا جانوں
گنہگاروں میں لکھا جاؤں میں بھی سوئے ظن کر کے

ملے آرام شاید **شاد** دل کو دشتِ غربت میں
ارادہ ہے کہ چندے دیکھ لوں ترکِ وطن کر کے

اشاروں ہی میں کچھ اپنا تو کام کر لیتے
وہ دیکھتے جو ادھر ہم سلام کر لیتے

فراقِ یار نے بے وجہ آنی کی تکلیف
ہم اپنے مرنے کا آپ اہتمام کر لیتے

رسائی ہوتی درمیکدہ پہ گر اپنی
تو ہم غریب بھی کچھ قرضِ وام کر لیتے

لنڈھاتے موسمِ گل میں خموں پہ خم ساقی
یہ وقت کام کا تھا کچھ تو کام کر لیتے

کسی طرح سے تو روزِ فراق کٹ جاتا
یہ دن پہاڑ سا اے شاد شام کر لیتے

مری زندگانی کا سودا گراں ہے
گھٹے تو زیاں ہے بڑھے تو زیاں ہے

جنوں لے گیا اس برس زورِ دل کا
یہ کیا ہے کہ جو آہ ہے ناتواں ہے

نکیرین تربت میں کیا پوچھتے ہیں
خدا جانے اس دم طبیعت کہاں ہے

سلامت رہے اپنی تربت کا گوشہ
کہ ہم بے گھروں کا یہی اک مکاں ہے

صدائے جرس شاد آتی نہیں کیوں
بہت دور شاید مرا کارواں ہے

عوض تدبیرِ غم کے جان کھونا ہم کو آتا ہے
الگ بیٹھے ہوئے گوشہ میں رونا ہم کو آتا ہے

نکالیں بحرِ غم سے ڈوبتوں کو یہ کہاں ہمت
خود اپنے ہاتھ سے اپنا ڈبونا ہم کو آتا ہے

نہ ہوں آنسو کی لڑیاں گو ہر مضموں کی لڑیاں ہیں ۔ کہو مژگاں سے موتی کا پرونا ہم کو آتا ہے

نچوڑیں بیٹھ کر پھر خشک کر لیں یہ نہیں آتا ۔ جہاں بیٹھے وہاں دامن بھگونا ہم کو آتا ہے

کمال ہے شاد ہم میں ہے نہ آتا ہے ہنر کوئی

مگر ایک ایک سے شرمندہ ہونا ہم کو آتا ہے

فلک کا ذکر تو کیا ہے زمیں کے بھی نہ رہے ۔ ہم اپنی چال سے آخر کہیں کے بھی نہ رہے

شکایتیں تری آئیں زباں پہ آخر کار ۔ گئی جو ہاتھ سے دنیا تو دیں کے بھی نہ رہے

سنا ہے بعد فنا کے ہے زندگانی پھر ۔ اگر یہی ہے تو پھر ہم کہیں کے بھی نہ رہے

بھلا دیا دلِ بدخو نے دھیان کا کل کا ۔ یہ دونوں سانپ مری آستیں کے بھی نہ رہے

بتاؤ کون سنبھالے گا شاد مستی میں

اگر حواس بجا ہم نشیں کے بھی نہ رہے

کل شب کو ان رخوں سے جو گیسو سرک گئے ۔ ساتوں طبق فلک کے یکایک چمک گئے

نرگس پہ منحصر نہیں اس باغ دہر میں ۔ مشتاق کتنے پھول تری راہ تک گئے

قائم رہے جہاں میں حسینوں کا دم قدم　　پھولے جو پھول دشت و بیاباں لہک گئے

آئینہ ہو جہاں میں تری پاک دامنی　　اُس پر بھی عاشقوں کے دلوں سے نہ شک گئے

ای شاد ہم تو رند تھے ہم اپنی کیا کہیں
واعظ تو بے پئے ہوئے شب کو بہک گئے

دیکھا نہ روئے عیش مرے دل غریب نے　　کاٹی کبھی نہ چین سے جنت نصیب نے

شبنم کو دن دکھایا زمانے نے کوچ کا　　کُل ایک شب قیام کیا تھا غریب نے

موت آئی عین منزلِ مقصد کے سامنے　　دھوکا دیا کہاں پہ ہمارے نصیب نے

جب دردمندِ عشق کا چارہ نہ ہو سکا　　شرما کے سر جھکا لیا آخر طبیب نے

وہ صاحبِ اثر ہوں کہ ای شاد بعد مرگ
بوسے لیئے ہیں میری لحد کے رقیب نے

اعضائے بدن سب مضطر ہیں اس دل کے شہادت پانے سے
لشکر میں تلاطم برپا ہی سردار کے مارے جانے سے

جو بات تصور میں بھی نہ ہو وہ خانہ خراب اس عشق سے ہو

پتھر کو خدا تک کہنے لگا انسان اِسی بہکانے سے

جز خاک گرہ میں خاک نہیں حسرت میں ہے وہ بھی آلودہ

فریاد کہ بالکل لٹ کے چلے دنیا کے مسافر خانے سے

ہونے کو تو مےافراط سے تھی، تھا فیض بھی جاری ساقی کا

خیر اس کا گلہ اب کس سے کریں محروم چلے میخانے سے

مشہور ہیں راتیں فرقت کی کٹ جائیں گی **شاد** آخر تو کبھی

کمبخت عبث گھبراتا ہے کیا ہوتا ہے اس گھبرانے سے

مشتاق کب سے ہم ہیں فقط ایک جام کے
قربان اپنے ساقیِ مہوش کے نام کے

خنجر سے ہاتھ کم نہیں اے محتسب ترا
یہ پارہ ہائے دل ہیں کہ ٹکڑے ہیں جام کے

دل بھی جگر بھی پڑھتا ہے کلمہ انھیں کا اب
یہ دو رفیق بھی نہ رہے اپنے کام کے

زاہد کو دیکھنا غمِ فردا سے ہے بہ تنگ
یاں روز دن گذرتے ہیں وعدے پہ شام کے

ای مجھ سے پا شکستہ کے خضر ای ہجوم شوق!
منزل تلک تو چل مرے بازو کو تھام کے

یہ لن ترانیاں ہیں چھری دل کے واسطے
گوش آشنا نہ تھے کبھی ایسے کلام کے

کچھ غم نہ کر جہاں کے نشیب و فراز کا
رکھیاں سنبھل کے پاؤں کہ زینے ہیں بام کے

تب لطف ہے کہ غم کے عوض اب خوشی کریں
ای بحر یار شاد بھی ہیں اپنے نام کے

ہم اُن سے دور ہیں کہ وہی دور ہو گئے
اس کے بھی اب سمجھنے سے معذور ہو گئے

لے کون جام ساقیِ مہوش کے ہاتھ سے
ہم تو بس اک نگاہ میں مخمور ہو گئے

ہم دیکھتے نہیں ہیں تجھے ای شبِ وصال
یا دیدہ ہائے خلق بھی بے نور ہو گئے

پرتو پڑا جو اُس رُخِ روشن کا باغ پر
کل نخل دفعتہً شجرِ طور ہو گئے

ہر ایک کی اُٹھاتے ہیں ای شاد کیا بتائیں
دنیا میں رہ کے مفت کے مزدور ہو گئے

جگر اور دل کی کیا کہئے عجب پُر غم یہ دونوں تھے

جو سچ پوچھو تو اس برداشت میں رستم یہ دونوں تھے

گمان و وہم جب موجود تھے کیونکر چلے آتے

کہ وہ تھے پاک دامن اور نامحرم یہ دونوں تھے

نہیں جب درد و غم باقی تو پھر جینے کا حاصل کیا

انھیں سے زندگی کا لطف تھا ہمدم یہ دونوں تھے

اُٹھائی ابر نے کیوں آتے ہی دیوار دیدوں پر

بھلا دریا بہا دینے کو کیا کچھ کم یہ دونوں تھے

نہ پوچھو عقربِ ابرو و مارِ زلف کا قصّہ

کہیں کیا **شاد** اپنے دل کے حق میں سم یہ دونوں تھے

دیکھے گئے نہ جور و ستم آسمان کے
گوشہ میں ہم بھی پڑ رہے چادر کو تان کے

شکوہ ہے بلبلوں کو قفس میں بہار کا
لالے پڑے ہیں آپ یہاں اپنی جان کے

افسوس ہے یہاں بھی نہ پایا دُرِ مراد
روح آئی تھی عدم میں بہت خاک چھان کے

گذری ستم کشوں پہ جو گذری فراق میں خیرا وہ بات بھی نہیں قابل بیان کے

ای شاد سیرگاہ تھی اپنی فضائے محض
عادی نہ تھے ہم ایسے بھیانک مکان کے

رو رہ کے اک دھواں سا نکلتا ہی خاک سے جو کچھ نہ ہو وہ کم ہی دلِ شعلہ ناک سے
ساقی کے ساتھ راحت و آرام بھی گیا اب کون مے پلائے گا رندوں کو تاک سے
دیوانہ مرگیا مگر اب تک بھی ای جنوں لپٹے ہیں دونوں ہاتھ گریباں کے چاک سے
کیوں ہی سحاب دیدۂ حسرت سے اشک ریز کوئی تو گل کھلے گا شہیدوں کی خاک سے

ای شاد حاسدوں پہ تعجب آئے کیوں
یہ لوگ چاند تک کو چھپاتے ہیں خاک سے

درِ دوست پر ہوں جھکائے سر مرے دل کو شغلِ نیاز ہی
نہ قعود ہی نہ قیام ہی یہ عجب طرح کی نماز ہی
جو سنے اسے بھی خلش رہے جو کہوں تو ختم نہ ہو سکے

یہ فسانہ زلفِ دراز کا، کہیں زندگی سے دراز ہے

کوئی بات اُٹھا نہ رکھی غرض تھی نگاہِ شوق وہ بدبلا

ہمیں بخش دے تو عجب نہیں وہ کریم بندہ نواز ہے

کہیں ایک وعدہ وصال کا جو وفا ہوا بھی تو کیا ہوا

مجھے حیف اپنی نگہ پہ ہے اُنھیں اپنے جلوے پہ ناز ہے

نہیں مدتوں سے وہ ولولۂ دلِ زار سینے میں جل گیا

فقط ایک ڈھیر ہے راکھ کا نہ وہ سوز ہے نہ گداز ہے

اسی در سے لغزشیں سب مری مجھے لے کے پہونچیں گی یار تک

انھیں لغزشوں کے لئے تو ہے یہی ایک در کہ جو باز ہے

جو کہیں حریف وہ کہنے دے کہ مقام بھی ہے سکوت کا

کہاں سمجھیں اہلِ قرنے اِسے کہ یہ شادؔ بانگِ حجاز ہے

چوٹوں پہ چوٹ کھائی دلِ بیقرار نے خوں کر دیا غریب کو قسمت کی مار نے

بے یار کے دکھائی ہے ظالم نے فصل گل　　کانٹے غضب کے بوئے ہیں فصلِ بہار نے

کس طرح نکلے دل سے مرے حسرتِ وصال　　گھیری ہے آکے راہ تمنائے یار نے

مخفی تھا دل میں حیرتِ حسرت کا سارا راز　　آئینہ کر دیا مرے سنگِ مزار نے

اے شاد سن نہ لے کہیں بے مہر آسماں
کیوں کر کہوں کہ آج بلایا ہے یار نے

وہ میری قبر پہ جب بے نقاب آنے لگے　　چراغ جتنے تھے روشن وہ جھلملانے لگے

وہ نیم جاں ہمیں مقتل میں چھوڑ کر جو چلے　　ہزاروں وسوسے رہ رہ کے دل میں آنے لگے

اثر اب اس سے زیادہ وفا کا کیا ہوگا　　قسم ہماری محبت کی لوگ کھانے لگے

بہت دنوں پہ جو محشر میں وہ نظر آئے　　سب اپنی اپنی کہانی انھیں سنانے لگے

بنوں کہاں تلک اے شاد مفت کا مزدور
خدا کرے مری مٹی کہیں ٹھکانے لگے

صبا وہ لاتی ہے میرا غبار کھینچے ہوئے　　ذرا لگام کو اے شہسوار کھینچے ہوئے

وہ ناتواں ہوں کہ نالہ مرا ترے در تک　　لئے گیا مجھے بے اختیار کھینچے ہوئے

چلا ہی دل مرا اُس شہسوار حسن کے ساتھ　　عنانِ توسنِ صبر و قرار کھینچے ہوئے

نہ کیوں بہار کا چل کر کریں ہم استقبال　　کہ سال بھر ہوا یہ انتظار کھینچے ہوئے

بہ چشم عبرت و حسرت نظر کرو اے **شاد**
چمن میں دامنِ گل کو ہیں خار کھینچے ہوئے

کہاں ای جوشِ سودائے جنوں آشفتہ سر ہم سے
بگولا بھاگتا ہی دشت میں منہ پھیر کر ہم سے

گذرواں ناز کا، مربوطِ شوقِ فتنہ گر ہم سے
لگاتے ہیں یہی دونوں اُدھر اُن سے اِدھر ہم سے

کیا ہی ذکر دل نے وامق و فرہاد و مجنوں کا
کہانی خفتہ بختی کی کہی ہی رات بھر ہم سے

بڑی حیرت ہی تو کہتا ہی اب کے یوں نہیں یوں کر

اُٹھا رکھتے جو بن پڑتا علاج ای چارہ گر ہم سے

لگا کر ٹھیس یوں ہی سی الگ ہونے کا کیا حاصل

جو ملنا ہی تو مل تیرِ نظر جی توڑ کر ہم سے

رہے جاتے ہیں ہم ہُشیار ہو ای ہمّت عالی!

بڑھے جاتے ہیں دیکھ ای شوقِ منزل ہم سفر ہم سے

جو ممکن ہو تو ای نعمت رساں اِس سے زیادہ دے

کہی جاتی نہیں کچھ لذتِ دردِ جگر ہم سے

چلے ای بیکسی زنداں سے چھُٹ کر لے خدا حافظ

در و دیوار سے ملتے ہیں ہم دیوار و در ہم سے

ضرورت تھی ملا کرتے تھے **شاد** احباب آ آ کر

ضرورت جب نہیں کون اب ملاتا ہی نظر ہم سے

ہمارے حصہ کی ساقی کبھی تو آہ مِلے　　　کبھی تو بھول کے اس رند بے نگاہ مِلے

حرم ہو دیر ہو آخر تھکے مسافر کو
ملے کہیں تو ٹھکانا کہیں تو راہ ملے

اس اجتناب کا زاہد پتا لگے اس وقت
جو اُس نگاہ سے دم بھر تری نگاہ ملے

ہوائے شوق میں چلاّ رہے ہیں یوں ذرّے
کسی طرف تو ہمیں تیری بارگاہ ملے

میں اور عرض کروں کیا جناب ناصح سے
بس ایک آپ غریبوں کے خیر خواہ ملے

مزاج بڑھ کے شب غم کا پوچھ لیں ہم بھی
ہمیں جو حشر میں دم بھر یہ روسیاہ ملے

کہیں تو پاؤں کو پھیلا کے سوئے راحت سے
کہیں تو شاد کو اے زندگی پناہ ملے

وہ زمانہ وصل کا کیا ہوا کبھی آشنائے جفا نہ تھے
کہ بدن سے روح الگ بھی تھی مگر آپ ہم سے جدا نہ تھے

دل مضطرب تجھے کیا کہوں عبث اُن کے پاؤں پہ سر دھرا
جو خفا بھی ہو گئے تھے تو کیا کہ وہ آدمی تھے خدا نہ تھے

ہوئے جا کے طالب دید جو یہ قصور ہے تو انھیں کا ہے

کوئی اور ہونگے وہ بدیقیں ترے آستاں کے گدا نہ تھے

دمِ نزع آکے وہ پھر گئے تو میں کیا کروں دلِ مضطرب

کہاں تاب تھی کہ نظر کروں مرے ہوش تک تو بجا نہ تھے

اسی چوک نے ہمیں کھو دیا کہیں **شاد** کس سے یہ ماجرا

کٹی عمر جن کی تلاش میں وہ ہمیں تھے ہم سے جُدا نہ تھے

ستم سے اُن کی غرض کیا ہی کوئی کیا جانے ۔۔۔ خدا کی بات کا مطلب وہی خدا جانے

میں پیر ہوں مری لغزش پہ کچھ تو رحم کرے ۔۔۔ پکڑ لے ہاتھ عدم کا جو راستا جانے

کہے سے یار کے زلفوں کو میں نے سُلجھایا ۔۔۔ جو کچھ رقیب پہ گذری مری بلا جانے

عجب نہیں کہ رسائی تری بھی ہو اے آہ ۔۔۔ درِ قبول تلک اب لگی دعا جانے

خفا نہ ہو جو کوئی ملتفت نہ ہو اے **شاد**

جو تیرے دل پہ گذرتی ہی غیر کیا جانے

غم سے اس دل کو نہ میل اور نہ ساز آتا ہی ۔۔۔ اور نہ کمبخت ترے عشق سے باز آتا ہی

لوگ کیوں جمع ہیں کیا مرا مرنا کیا چیز
ہو نہ ہو کوئی تو دیوانہ نواز آتا ہی

کھل گیا ہی جو مرے شوق کا احوال تو اب
نالہ بھی سینہ سے کرتا ہوا ناز آتا ہی

قید تن سے ابھی آزاد نہ ہونا دم نزع
ٹھہر ای روح مرا بندہ نواز آتا ہی

کھینچ لے دل کو مرے دور سے یہ ہی منظور
تا کمر کھولے ہوئے زلف دراز آتا ہی

غم نے بے صبر کیا مجکو جنوں نے رسوا
جو یہاں آتا ہی وہ دشمن راز آتا ہی

دل کو بہلائے رہے شاد شب ہجر میں یوں
اب سحر ہوتی ہی اب وقت نماز آتا ہی

ساتھ دل کے کب فقط ای آہ تو مشکل میں ہی
کشمکش میں ہیں امیدیں آرزو مشکل میں ہی

جذب بلبل کھینچتا ہی اک طرف اک سو صبا
دم گھٹا جاتا ہی کیا پھولوں کی بو مشکل میں ہی

قتل کس کس کو کرے عشاق کی اک بھیڑ ہی
بن نہیں پڑتی عجب وہ تندخو مشکل میں ہی

دل تو کہتا ہی ٹپک جا شرم کہتی ہی ٹھہر
کیا ہمارے دیدۂ تر کا لہو مشکل میں ہی

زندگی دل کو ہی پیاری موت عزت کو پسند
بیچ میں ان دو کے کیا ای شاد تو مشکل میں ہی

زباں پہ آہ کے ساتھ اُس کا نام آتا ہے
یہ درد کیا شبِ فرقت میں کام آتا ہے

جلو میں پیرِ مغاں اہتمام میں ساقی
یہ آمد آمدِ جمشید ہے کہ جام آتا ہے

اب ارتباط یہ باقی ہے اُن کو میرے ساتھ
کہ خط میں غیر کے لکھ کر سلام آتا ہے

ملے جو دل تو یہ کہنا کہ اپنی منزل پر
سحر کا بھولا ہوا وقتِ شام آتا ہے

بہ صدقِ پیرِ مغاں کو دعائیں دے اے **شاد**
وہ دیکھ جام علیہ السلام آتا ہے

ادھر سے بھی کسی دن وہ سراپا ناز آ نکلے
کبھی ہم سے غریبوں کے بھی دل کا حوصلا نکلے

عجب معیار ہے اے مے پرستو بزمِ ساقی کی
جنھیں ہم رند سمجھے تھے وہ اکثر پارسا نکلے

وہ آنکھیں ہیں کہاں جن پہ کھلیں سب راز دنیا کے
تماشا دیکھنے بیکار اس میلے کا آ نکلے

مزا آزادیوں کا اپنی تھا فصلِ جوانی میں
قفس سے ہم اگر پیری میں نکلے بھی تو کیا نکلے

چھری چلتی ہے یارب انتظارِ قتل میں دل پہ
گھٹا جاتا ہے دم کب دیکھیے تیغِ جفا نکلے

پلٹ کر پھر نہ پوچھا شاد جیتا ہے کہ مرتا ہے
وفادار و عدم میں جا کے تم بھی بے وفا نکلے

زندگی تک ہجر کی حد ہو گئی
دیدیا صدقہ بلا رد ہو گئی

بیکسی کو بے مرے کیا ہو قرار
آکے اکثر سوئے مرقد ہو گئی

بے رُخی سے ہم کو گھبرانا نہ تھا
روکنے سے اور بھی کد ہو گئی

میں جہاں ہوں ہجر بھی ہو ساتھ ساتھ
یہ بلا حرف مشدّد ہو گئی

اقربا کہتے ہیں یہ ہم میں نہیں
شاد رسوائی کی بھی حد ہو گئی

کون سی بات نئی اے دلِ ناکام ہوئی
شام سے صبح ہوئی صبح سے پھر شام ہوئی

باتیں واعظ کی کہاں تو نے اُڑائیں اے مست
میکشی مفت تری چال سے بدنام ہوئی

غیر کی موت کہاں سچ ہو مری موت کہاں
اب پریشانی تری زلف سیہ فام ہوئی

خضر بھی راہ رضا میں یوں ہی دکھلا کئے منہ
مرحلہ سخت تھا لغزش مجھے ہر گام ہوئی

شاد ایجاد کرو پھر نئی ترکیب کوئی
جو روش خاص تمہاری تھی وہ اب عام ہوئی

یا بڑھاپا ہی یا جوانی تھی عمر دو بول کی کہانی تھی

کس زمانے سے حشر ہوتا ہی بات یہ بھی تری زبانی تھی

میں نہ بھولوں گا حشر تک ای عمر کیا ہی دل کش تری کہانی تھی

غم کے کھانے میں بھی مزا نہ ملا تلخ عاشق کی زندگانی تھی

سرگذشت اپنی کیا سناؤں **شاد**

رشک پیری مری جوانی تھی

لاش پر بھی قسم ہی آنے کی چال یوں ہو گئی زمانے کی

چشم بد دور فتنہ گر وہ نگاہ ٹھیک تصویر ہی زمانے کی

چار سو دیکھتا ہوں حیرت سے کچھ نہ پوچھو مرے زمانے کی

اس لئے پالتا ہوں جسم اپنا خاک ہو تیرے آستانے کی

یا ہمیں کچھ بدل گئے ای **شاد**

یا نظر پھر گئی زمانے کی

کسی کی بات بھلا اُس کے دل پہ کیا لگتی
خدا کے بندوں نے یوں تو کہی خدا لگتی

وہ تیغ عید سمجھتی اگر مرا دیدار
ضرور میرے گلے سے کبھی تو آ لگتی

ہوائے دہر اگر چاہتی تو کشتیِ غم
کسی کنارے سے اب تک ضرور جا لگتی

خدا سے چاہتا میں اس کی ناقبولی کو
ذلیل ہوتی اگر منہ مرے دعا لگتی

بتوں نے چھوڑ دیا **شاد** بات تک کرنا
تمھیں سے بھول ہوئی کہہ گئے خدا لگتی

بے ترے مر جاؤں گا ای آرزو یہ جان لے
منہ موڑ کر مجھ سے نہ جا آ میری جاں آمان لے

مانا کہ ہو سفاک تو کافر! مگر انصاف کر
لمد دو نوں کو نہ لے یا جان یا ایمان لے

وصل و جدائی کے مزے اس عشق میں ہیں سب بھلے
بر حق ہو مرنا ہر طرح دل میں یہ پہلے ٹھان لے

وہ شادؔ ہی باقی نہیں پہلے بھی دیکھا تھا جسے
لو ہارتے ہیں اپنا دل کوئی اگر پہچان لے

نہ آرزو نہ کسی شی کی جستجو ہوگی ۔۔۔ سحر تلک تو شبِ غم! نہ میں نہ تو ہوگی
ازل سے ساتھ ہوئی تا بہ مرگ ساتھ رہی ۔۔۔ مری نہیں تو کسی کی کب آرزو ہوگی
شبِ فراق! نکل جا ابھی سویرا ہے ۔۔۔ قضا اگر آئی تو بدنام مفت تو ہوگی
ہوائے دہر بگاڑے ہزار پھولوں کو ۔۔۔ نہ ہو وہ رنگ شرافت کی کچھ تو بو ہوگی

ستائے شادؔ کو اے آرزو جہاں تک ہو
زمانہ آتا ہے ایسا کہ وہ نہ تو ہوگی

موئے ہم اپنی قضا سے ہماری بات رہی ۔۔۔ لگائی تیغ نہ تم نے تمھیں سے گھات رہی
نہیں ہے کوئی غریبوں کا پوچھنے والا ۔۔۔ بس ایک آپ رہے یا خدا کی ذات رہی
دکھا دیا مجھے حیرت نے اک نیا عالم ۔۔۔ چلو فراق کا اب دن رہا نہ رات رہی
پڑھا کیا ہوں امیدوں کی فاتحہ ناصح ۔۔۔ تمام رات مرے گھر شبِ برات رہی

فلک نے سب کو برابر بنادیا اے **شاد**

کسی کی اب نہ شرافت رہی نہ ذات رہی

سنتا ہے کون میرے دلِ داغدار کی — بیکس کی مبتلا کی غریب الدیار کی

رکھ لی ہے بولتی ہوئی تصویر یار کی — یارب دراز عمر شبِ انتظار کی

انصاف بھی ہے شرط کرے کیا مقابلہ — پیری ہے آسماں کی جوانی ہے یار کی

جادو و دل فریبی و اعجاز کے سوا — اک بات اور بھی ہے نگاہوں میں یار کی

یا میری قبر تک کا نہیں اب کہیں نشاں — یا گھر بنالیا تھا نگاہوں میں یار کی

راتیں فراق کی نہ قیامت نہ وقت نزع — ان سب سے سخت ایک گھڑی انتظار کی

جب آنکھ اُٹھاکے دیکھ لیا قتل کردیا — چھریاں بندھی ہوئی ہیں نگاہوں میں یار کی

ہے کچھ تو بات ورنہ خموشی کا کیا سبب — پہچانئے نگاہ تو اُمّیدوار کی

اے **شاد** میں وطن میں ہوں اک ذرّہ حقیر

اس شہر کا شرف ہوں نہ عزّتِ بہار کی

کب سے پکارتا ہوں جوانی کدھر گئی ۔۔۔ سُن گن کہیں ذرا نہیں کمبخت مرگئی

ساقی تری نگاہ عجب کام کرگئی ۔۔۔ گویا شراب حلق کے نیچے اُتر گئی

ناحق ہے دل کو صبحِ شبِ غم کا انتظار ۔۔۔ تھوڑی سی رہ گئی ہے بہت کچھ گذر گئی

سمجھے تھے ہم کہ خلق کے بگڑے بس اب نصیب ۔۔۔ بارے تمھاری زلفِ پریشاں سنور گئی

عمرِ رواں کی تیزروی کا بیان کیا ۔۔۔ اک برق کوند کر ادھر آئی اُدھر گئی

اس سے تو تھا مرے لئے بہتر کہیں عدم ۔۔۔ دو دن کی زندگی مجھے بدنام کر گئی

جنّت میں دے جگہ مری امید کو خدا ۔۔۔ ایسی رفیق تھی کہ مرے ساتھ مر گئی

ہوں رازدار روح کا کیا پوچھتے ہو تم ۔۔۔ چلنے لگی تو لب پہ مرے مُھر کر گئی

ای شادؔ یوں حسد سے کوئی کچھ کہے مگر

جو بات تونے کی مرے دل میں اُتر گئی

ے

سینہ وہی ہے دل وہی ہم وہی مدعا وہی ۔۔۔ حسرت و درد و غم وہی یاد وہی خدا وہی

قطع نظر کی وجہ کیا اب وہ اثر کدھر گیا ۔۔۔ رات وہی ہے دن وہی ہاتھ وہی دعا وہی

فصل بہار جا چکی دورِ خزاں بھی آگیا
زخم کی ابتدا وہی درد کی انتہا وہی

کیا کہوں اتفاق وقت پڑ گیا منزلوں کا پھیر
راہ وہی قدم وہی ہم وہی رہنما وہی

کیا ہے سبب جو اے خدا اب کے ہوا نہ باریاب
در وہی آستاں وہی سر ہے وہی گدا وہی

تیری خطا نہیں فلک دل ہے اداس خود بخود
ہم وہی نخلِ گل وہی سایہ وہی ہے جا وہی

المدد اے ہوائے شوق سعی میں کچھ کمی نہ ہو
راہ وہی وہی ہیں خار **شاد** شکستہ پا وہی

تا مرگ دل نے بات نہ مانی طبیب کی
اتنی تو آن رہ گئی جنت نصیب کی

کانوں کو بند کر لیا گھبرا کے ہم نے خود
کب تک سنیں زباں سے شکایت نصیب کی

کیا منہ جو راہِ دوست میں بیجا قدم دھرے
صحبت ہے جس کو عشق سے کامل ادیب کی

آتی کبھی تو گلشنِ امید میں بہار
سنتے کبھی تو آپ ہم ایسے غریب کی

اے **شاد** دل غریب کا خوں ہو کے بہ گیا
گل نے کسی طرح نہ سنی عندلیب کی

کٹے چین سے زندگانی ہماری جو سُن لو گھڑی بھر کہانی ہماری

جگہ دی تمھیں عمر بھر اپنے دل میں امید و فقط مہربانی ہماری

وہ غیروں کو بھی قتل کرتے نہیں اب اُنھیں یاد ہو سخت جانی ہماری

کسی دن تو رو لو مصیبت زدوں پر کسی دن تو سُن لو کہانی ہماری

زمانہ میں ای شاد جب ہم نہ ہوں گے

سنو گے بہ حسرت کہانی ہماری

دُنیا کو جھیکتے ہیں عبث اہل فن پڑے اس بیسوا کو ترک نہ کردیں جوبن پڑے

آمادگانِ مرگ کو کرتے نہیں وہ قتل سڑتے ہیں مدتوں سے ہزاروں کفن پڑے

پہونچائی بوئے گل نے مرے نازک مزاج تک پتھر تری سمجھ پہ نسیم چمن پڑے

زاہد وہ اپنے ہاتھ سے دیدیں اگر شراب میرے تمھارے شرط بھلا کچھ جوبن پڑے

جاتے ہو سیر باغ کو باریک ہی نقاب عارض کا نور دامنِ گل پر نہ چھن پڑے

گیسو سے اپنے دل کو کہو تو نکال لوں سر کاٹ لو جو بال برابر شکن پڑے

اے **شاد** یہ حیات بھی ہے اک طرح کی موت

گویا سسک رہے ہیں ہم ارباب فن پڑے

نہ خوش زمیں سے نہ آسماں سے خدا ہی جانے ملال کیا ہے

ہمیں پہ ظاہر نہیں یہ اب تک کہ خود ہمارا خیال کیا ہے

شہید تیرے یوں ہی ابد تک لحد کے اندر پڑے رہیں گے

اگر نہ آئے قیامت اب بھی تو پھر تری مست چال کیا ہے

شراب پینے دے پہلے واعظ پھر اس کی تحقیق ہو رہے گی

یہی نہ اب تک کھلا کہ آخر حرام کیا ہے حلال کیا ہے

مزاج پرسی مریضِ غم کی عبث ہے کچھ اور ذکر چھیڑو

قریب مرنے کے آچکا ہے غریب کا اور حال کیا ہے

نہ علم و فن سے کسی کو رغبت نہ شاعری کی ہے قدر باقی

کمال پیدا کیا بھی تم نے تو **شاد** اس کا مآل کیا ہے

مصیبت پر خموشی مقتضائے طبعِ عالی ہے
بیانِ حال نااہلوں کے آگے زار نالی ہے

فلک ایسی چالیں چل کہ تیری ریش خندی ہو
ہماری نوجوانی ہے تری پیرانہ سالی ہے

صبا کیونکر کہوں لے جائے گی پیغام اسیروں کا
قفس تک آ تو جاتی ہے مگر پھر لاؤبالی ہے

بناتی ہے بہارِ باغ جب سرتاج پھولوں کو
خزاں کہتی ہے قسمت میں تو اک دن پائمالی ہے

تقاضا کر نہ ساقی میکشوں سے قیمتِ مے کا
زمانہ اِن دنوں ہے ناموافق ہاتھ خالی ہے

بہار آئے کہ جائے قیس کی قسمت میں اے لیلےٰ
وہی صحرا نوردی ہے وہی آشفتہ حالی ہے

دورنگی ہے عیاں باغ جہاں کی نرگس و گل سے
اِدھر آنکھوں میں زردی اُس طرف مُنہ پر بحالی ہے

فقط تسکینِ دل کے واسطے لکھتا ہوں خط ورنہ
مرا جو حال ہے اے نامہ بر سب اُس پہ حالی ہے

عبث اے **شاد** حیرت ہے تغافل پر زمانے کے
نہ قدرِ ذی کمالی ہے نہ ننگِ بے کمالی ہے

برسوں سے خوگرفتۂ فرقت مزاج ہے
پہلے تو اک مرض تھا مگر اب علاج ہے

کانٹوں میں ہے گھرا ہوا چاروں طرف سے پھول
اس پر کھلا ہی پڑتا ہے کیا خوش مزاج ہے

پیغام بھیجتا ہے نہ لکھتا ہے خط کوئی
یہ بھی عجب طرح کا عدم میں رواج ہے

بلبل کا ذکر کیا ہے کچھ اپنی کہو گلو
اُس کا جو رنگ گل تھا خزاں میں وہ آج ہے

فرصت کہاں ہے دل کو جو یکسو رکھے مزاج
کمبخت کے سپرد بہت کام کاج ہے

جاتا ہے سوئے کعبۂ دل غم کا قافلہ
امید کی ذرا سی جھلک میرحاج ہے

آزاد ہم نہ سمجھیں گے اُس وقت تک تمہیں
جس وقت تک کہ شاد کوئی احتیاج ہے

کہیں سے جب صدائے نالہ و فریاد آتی ہے
تڑپ جاتا ہے دل اپنی مصیبت یاد آتی ہے

تو سچ سچ کہو تم کو چھپانے کی ضرورت کیا
وفا بھی جانتے ہو یا فقط بیداد آتی ہے

جفا آمیز ادائیں یاد ہیں گر تیری آنکھوں کو
مجھے بھی آہ کرنی اے ستم ایجاد آتی ہے

بہت دشوار ہے جلد اس تعلق کا مٹا دینا
قفس میں بوئے گل کو سوں سے اے صیاد آتی ہے

اُسی جانب چلا ہے تیغ کو تولے ہوئے قاتل
نہ گھبراؤ کوئی دم میں قضا اے شاد آتی ہے

ترے کوچہ میں ہیں پڑے ہوئے ترے نام سے ہمیں کام ہے

نہ قعود سے کوئی بحث ہے نہ قیام سے ہمیں کام ہے

مَیں نثار تجھ پہ ہوں ساقیا تجھے مل سکے تو کہیں سے لا

جو پلا دیا تھا الست میں اُسی جام سے ہمیں کام ہے

وہ نہیں ہو سایہ نہیں سہی وہاں آگ برسے کہ دھوپ ہو

ترے کوچہ سے ہمیں بحث ہے ترے نام سے ہمیں کام ہے

کبھی رودیے کبھی سر دُھنا کبھی سوزِ غم نے فنا کیا

یہی مثل شمع کے صبح تک سرِ شام سے ہمیں کام ہے

تری دوستی میں ہیں مبتلا ترے جو صفات ہوں ہم کو کیا

تری ذات سے ہے فقط غرض ترے نام سے ہمیں کام ہے

شبِ ہجر اپنی دعا یہ ہے کسی وقت ہو مگر آئیں وہ

نہ تو صبح سے ہے کوئی غرض نہ تو شام سے ہمیں کام ہے

نہ لحاظ وقتِ عزیز کا نہ حیات کی کوئی قدر ہے

نہ تو شغل سے ہمیں شغل ہے نہ تو کام سے ہمیں کام ہے

وہ دریچے پر ہوں کشادہ رو نظر اپنی اُن سے لڑی رہے

نہ تو گفتگو سے مراد ہے نہ کلام سے ہمیں کام ہے

تجھے بیچتے ہیں جو لے کوئی ترا مول ہے نگہ وفا

ملے نقد اگر تو متاعِ دل اسی دام ہیں ہمیں کام ہے

ترے حُسن کا ہے جہاں میں غل اسی دیکھنے کا ہے ولولہ

نہ سلام سے ہے غرض کوئی نہ پیام سے ہمیں کام ہے

ملے **شاد** اگر کہیں ناصحا تو سُنائیں یار کا خط اُسے

کسی پختہ کار سے کیا غرض اسی خام سے ہمیں کام ہے

رندو مناؤ عیش یہ میری صلاح ہے ڈھالو! پیو پلاؤ! اسی میں فلاح ہے

واعظ بہشت بزمِ حسیناں کو ایک جان تیرا لغت وہ ہے یہ مری اصطلاح ہے

کہہ دو یہ مفتیوں سے کہ نیت پہ ہی مدار
تم کو جو می حرام ہے ہم کو مباح ہے

ان کے لئے شراب سے انکار زاہدو
کمبخت اس میں کیا ہے ذرا انشراح ہے

صورت دکھا کے چھوڑ دئے پردہ ہائے بام
عاشق کی یاں تو جان گئی واں مزاح ہے

پیدا کرے دلوں میں حسینوں سے حسنِ ظن
گویا کتابِ عشق کی یہ افتتاح ہے

میری زباں جو ہے مجھے اُس سے غرض ہے شاد
قاموس ہاتھ میں نہ بغل میں صراح ہے

اک جہاں نے یہ روز یہ نالہ شب کرتا ہے
دل سے لیکن جو نکلتا ہے غضب کرتا ہے

میں جفا پر تری خاموش ہوں اے پیر فلک
ورنہ کون اگلے بزرگوں کا ادب کرتا ہے

کیا کروں کیا نہ کروں تنگ ہوں ان شکووں سے
بزم میں جو ہے وہ دریافت سبب کرتا ہے

نالہ فی الفور پہونچ جاتا ہے بالائے سما
قصد جانے کا درِ یار پہ جب کرتا ہے

مجھ پہ موقوف نہیں دیکھ کے آئینہ کو
کششِ حسن پہ خود یار عجب کرتا ہے

دل کئے دیتا ہے رہ رہ کے کلیجہ پانی
مجھ سے پھر ناشدنی داد طلب کرتا ہے

شاد کو اپنی فصاحت پہ بجا ہی نازش

اب وہ تقلیدِ فصیحان عرب کرتا ہی

یہ شب نگاہ کے گھائل پہ سخت بھاری ہی
سُنا ہی چارہ گروں سے کہ زخم کاری ہی

نہ دل دہی نہ مروت نہ غمگساری ہی
یہ اس زمانۂ نا آشنا کی یاری ہی

تعلقات میں جکڑے ہوئے کہاں جائیں
علاوہ ضعف کے زنجیر بھی تو بھاری ہی

نہ جمع خاطرِ مضطر نہ دل کو اطمینان
یہ زندگی ہی کوئی یا کہ دم شماری ہی

ہر ایک بل میں ہیں لاکھوں بناؤ صلِ علیٰ
خدانے زلف ترے رخ پہ خود سنواری ہی

ہمارا خط تو لیا اُس طرف کا رخ نہ کیا
پیام بر پہ نہیں سب کو جان پیاری ہی

ہمارے حال سے غافل نہ ہونا ای شبِ ہجر!
شب وصال تو اُن کی ہی تو ہماری ہی

نہ پوچھئے کہ گذرتی ہی شاد کی کیونکر

نہ زہد و فقر، نہ رندی و بادہ خواری ہی

کس سے تاراجیِ گلزار کی فریادی ہی
مفت ای بادِ صبا وقت کی بربادی ہی

جورِ صیاد غنیمت ہو اسیروں کے لئے | موت میں عمرِ ابد قید میں آزادی ہو

اوس پڑتی ہو تو ہوتے ہیں شگفتہ غنچے | رنج اس باغ میں شاید سببِ شادی ہو

فصلِ گل آئی کہ شادی کی سہالک آئی | ہر شجر پہنے ہوئے خلعتِ دامادی ہو

دیکھ گلچیں کی طرف ایک خزاں پر کیا ہو | الغرض باغ کی تقدیر میں بربادی ہو

شکر نعمت نہ کریں آپ کے مہماں کیونکر | دی وہی چیز کہ جس چیز کا جو عادی ہو

دل ملے دیتی ہو پازیب کے دانوں کی صدا | کون پامال ہوا ہو جو یہ فریادی ہو

ظلم کا کوئی دقیقہ نہ اُٹھا رکھ قاتل | آگے خود آپ ہو تو اور تری جلادی ہو

گہر فکر زمانے سے پڑے ہیں میلے
آب دو اِن میں جو اے **شاد** تو اُستادی ہو

اُٹھا نقاب کہ بندے سوال ہونے لگے | اب اور کچھ تری جانب خیال ہونے لگے

لیا تھا نام فقط عشق کا قیامت میں | ہزاروں طرح کے ہم پر سوال ہونے لگے

ہوئی ہو زہر ستم کی مجھے غضب عادت | یہ یوں نہ ہیں تو مرا غیر حال ہونے لگے

یہ کچھ زمانے کی بدلی ہوا کہ آپس میں ذرا ذرا سی خلش پر ملال ہونے لگے

صبا بھی ہم سے عداوت کی چال چلتی ہے نقاب رخ ترے گیسو کے بال ہونے لگے

غضب کا پیچ پڑا تیری لن ترانی سے اس اک نہیں پہ ہزاروں خیال ہونے لگے

اب اجتناب مناسب ہے **شاد** رندی سے
سفید آپ کی ڈاڑھی کے بال ہونے لگے

ترے حریص پہ دنیا بہت تاسف ہے وفا کسی سے نہ کی تو نے بیسوا تف ہے

یہ شیوہ تھی کہ غنی تھے ہر ایک حال میں ہم متاعِ صبر کے جانے کا کیا تاسف ہے

اٹھا لے ہاتھ میں ساغر نہ پوچھ ساقی سے ہوا حجاب گر اس میں تو پھر تکلف ہے

مریضِ غم کو ترے کیا اجل نے سمجھایا کہ آہ آہ لبوں پر ہے اب اُف اُف ہے

اجل کے آنے کے ساماں تو جمع ہیں اے **شاد**
مگر سمجھ میں نہ آیا کہ کیوں توقف ہے

مکتب میں عاشقی کے پہلا یہی سبق ہے جو میں کہوں وہ باطل جو تو کہے وہ حق ہے

اک آسماں ہے پیڑ اک جھرو وہ لبِ بام — کس بات پر بتاؤ پھولی ہوئی شفق ہے

عشق بتاں کی ہجویں کرتا ہے واعظِ شہر — جاہل کا کیا ٹھکانا جو کچھ کہے وہ حق ہے

وعدے کے شب کی حسرت شمعِ سحر سے پوچھو — جلنے سے بچ رہی ہے تو بھی تو رنگ فق ہے

مجھ سے کسی نے پوچھا یہ بھی نہ اس گلی میں — کیوں پھر رہے ہو مضطر کس بات کا قلق ہے

ناصح کتابِ الفت میں پڑھ کے کیا کروں گا — ہم عاشقوں کو ازبر اس کا ہر اک ورق ہے

اے شاد اس بیاں کو آساں تم نہ سمجھو

مشکل ہر ایک مضموں مطلب ہر اک ادق ہے

بے دل کی ہیں آنکھیں دیکھنے کی اور منہ میں زباں بھی نام کی ہے

جس فوج کا افسر کھیت رہا وہ فوج کہو کس کام کی ہے

جب سے یہ سنا ہے رندوں سے اک روز بنے گا تو ساقی

تصویر کھچی ان آنکھوں میں اس ہاتھ کے اوپر جام کی ہے

سب صبر و سکوں لے جائے گی بیتابی و غم دے جائے گی

آنے کو جو پوچھو آئے گی لیکن شبِ وعدہ نام کی ہے
غمخوار محبت کرتا ہے سمجھانے پہ ناصح مرتا ہے
جب تک نہ اثر ہو خود دل پر پھر کون سی شکل آرام کی ہے
جس وقت سے پائی آنکھ میں جا ہے خاک میں ملنا مدنظر
اشکوں سے خود اپنے سیکھ جفیض آغاز سے فکر انجام کی ہے
اے **شاد** شگوفے گل کے جو ہیں ہے اُن میں شبیہ اُنگلوں کی
پژمردہ جو پتی لالہ کی ہے تصویر دلِ ناکام کی ہے
کوچہ سے ترے مرقد میں بھی رسوائی و ذلت لے کے چلے
تھے صاحب غیرت اہل وفا، آپ اپنی ملامت لے کے چلے
ہو دل کی حکایت حیرت زا، کیا اول و آخر اس کا کہیں
اک خاک کا تودہ لائے تھے ہم صحرائے قیامت لے کے چلے
کیا کہئے طمع کو جب یہ سنا دیدار کی دولت لٹتی ہے

کئی بار دلِ بے مایہ کو ہم تا درِ دولت لے کے چلے

دیدار سب اُن کا دیکھیں گے بے پردہ وہ ہوں گے ہم کو کیا

گردن کو اُٹھائیں گے کیوں کر جب بار ندامت لے کے چلے

ہر باغ جہاں میں فیض ترا پھولوں سے ہیں دامن سب کے بھرے

قسمت کی بُرائی کس سے کہیں ہم آئے تو حسرت لے کے چلے

گھبرائے ہوئے ہیں مدت سے تسکین تو ذرا ہو جائے گی

اغیار کے گھر جانا ہو اگر ہم کو شبِ فرقت لے کے چلے

اے شاد تلافی جنت میں اب اس کے عوض ہو جائے گی

کیا لوگ تھے جو ہو آئے وہاں ہم شوقِ زیارت لے کے چلے

رقیبوں سے جفاؤں کے عوض کچھ تو لئے ہوتے

جہاں برسوں جئے تھے اور بھی کچھ دن جئے ہوتے

شبِ فرقت کی سختی عمر بھر کیوں جھیلنی پڑتی

نظر اُن پر پڑی تھی جب اُسی دم مر لئے ہوتے

گلوں پر اے صبا افسوس کیا غربت برستی ہے
کسی دن تو گریباں ان غریبوں کے سیئے ہوتے

بھلا آپس کی باتیں حشر پر ناحق اُٹھا رکھنا
میں دُکھڑا ہجر کا کہتا وہ گردن خم کئے ہوتے

مصائب ہم پہ جو گذرے اُنھیں اے شاد کیا کہئے
اگر ہم نظم کر دیتے تو وہ بھی مرثئے ہوتے

گذر گئے ہیں جوانی کے دن جو غفلت سے
اب ایک ایک کا منہ تک رہے ہیں حسرت سے

میں بال بال ہوں ممنون اس عنایت کا
بھرا ہے جام کو ساقی نے کس محبت سے

جو انتظار میں تیرے مری اجل آئی
لپٹ کے روئے گی امید وصل تربت سے

اجل جب آئی تب اعمال کا خیال آیا
جب آئی نیند تو چونکے ہیں خواب غفلت سے

کبھی یہ عمر دو روزہ نہ تلخ ہو جاتی
وہ زہر بھی مجھے دیتے اگر محبت سے

بقدر ظرف ہر اک کو عطا ہوئی تو بھی   رُکی زبان نہ کسی رند کی شکایت سے

ہزار صاحبِ جرأت ضعیف ہوا ی **شاد**

پہاڑ کو بھی اُٹھا لے گا اپنی ہمت سے

بند آنکھیں ہیں کسی کا دھیان ہے   مرنے والوں کی یہی پہچان ہے

قہقہہ کیسا کہ باتیں بھی گئیں   اب تو نالہ حلق کا دربان ہے

ہم گئے دنیا سے وہ آتے رہے   اس میں کیا ہے اپنی اپنی آن ہے

اک ادا کے ساتھ دونوں ہی گئے   جسم میں دل ہے، نہ دل میں جان ہے

میرے گھبرانے کا ہو کیوں کر اثر   دل ہے اپنے بس میں اطمینان ہے

اللہ اللہ ماہ رویوں کا نکھار   جس طرف دیکھو خدا کی شان ہے

بات کرنا ہے بہت دشوار **شاد**

یوں تو ظاہر میں بہت آسان ہے

دل کو نثار کر دیا جانِ عزیز کھو چکے   فرض تھے ہم پہ جتنے کام آج تمام ہو چکے

دن کو تو اپنے حال پہ بیٹھ کے خوب رو چکے
کم نہیں اس پہ بھی قلق آج بھی شب کو سو چکے

اُن کی بھلی کہی صبا کیوں ہوں اب کنارہ کش
عین بھنور میں لا کے جب ناؤ مری ڈبو چکے

ہے لبِ بام آفتاب عمر کا دن اخیر ہے
کام بہت ہیں روح کو جسم کا بوجھ ڈھو چکے

شرطِ وفا تو ہے یہی ساتھ دیا تو ساتھ دے
ابر برس کے کھل گیا دیدۂ تر بھی رو چکے

اک تو اُگے نہ آپ سے اور جو اُگے تو پھل نہ دے
اب تو زمینِ دل میں ہم تخمِ وفا کو بو چکے

گریہ بھی حیرتیں ہیں **شاد** دیدۂ غم نصیب کی
رکھ کے جبینِ شوق ہم یار کے در پہ رو چکے

رہے بھی ہم تو سریع الزوال ہو کے رہے
بتوں کے دل میں خیالِ وصال ہو کے رہے

جفا و جور و ستم کا بھی سلسلہ نہ رہا
تری گلی میں ہم آشفتہ حال ہو کے رہے

تنِ ضعیف تری راہ میں بہت ہی نزار
مثالِ نقشِ قدم پائمال ہو کے رہے

بسر کی اشکِ ندامت کی طرح آنکھوں میں
جبیں پہ ہم عرقِ انفعال ہو کے رہے

کبھی ہوا نہ کوئی اپنا مدعا حاصل
ترے گدا کی زباں پر سوال ہو کے رہے

نہ یوں سیاہیِ تقدیر گھیر لے دل کو رہے تو چہرۂ عاشق پہ خال ہو کے رہے

ہنسی خوشی سے زمانہ بسر کیا اے **شاد**

مثالِ نخلِ گلستاں نہال ہو کے رہے

پڑا ہوا تھا دل اُس کوچہ میں اُٹھا لیتے مگر جو دی ہوئی شئے تھی پھر اُس کو کیا لیتے

یہ اتفاق کہ دیدار ہو گیا دمِ قتل وہ ایسے وقت منہ اپنا اگر پھرا لیتے

بہ وقت نزع وہ ناحق چلے گئے اُٹھ کر ہم اس کے بعد تو آنکھوں کو خود پھرا لیتے

خدا جو حشر میں کہتا کہ لے جو لینا ہو تو پھر اسی دلِ محزوں کو ہم اُٹھا لیتے

یہ کان طنز کی باتوں سے آشنا ہی نہیں جو دل ہم اور کو دیتے تو آپ کیا لیتے

شہیدِ ناز کو واجب ہے شکریہ اُن کا وہ رکھ کے حلق پہ خنجر اگر اُٹھا لیتے

ابھی تو **شاد** شکایت کا بھی نہ تھا موقع

وہ پہلے کھول کے دل خوب سا ستا لیتے

ایک ستم اور لاکھ ادائیں اُف ری جوانی ہائے زمانے

ترچھی نگاہیں تنگ قبائیں، اُف ری جوانی ہائے زمانے

ہجر میں اپنا اور ہی عالم، ابر بہاراں دیدۂ پُرنم

ضد کہ ہمیں وہ آپ بلائیں، اُف ری جوانی ہائے زمانے

اپنی ادا سے آپ کھٹکنا، اپنی ہوا سے آپ جھجکنا

چال میں لغزش منہ پہ حیائیں، اُف ری جوانی ہائے زمانے

ہاتھ میں آڑی تیغ پکڑنا تاکہ لگے بھی زخم تو اوچھا

قصد کہ پھر جی بھر کے ستائیں، اُف ری جوانی ہائے زمانے

کالی گھٹائیں باغ میں جھولے دھانی دوپٹے لٹ چھٹکائے

مجھ پہ یہ قدغن آپ نہ آئیں، اُف ری جوانی ہائے زمانے

پچھلے پہر اُٹھ اُٹھ کے نمازیں ناک رگڑنی سجدے پہ سجدے

جو نہیں جائز اُس کی دعائیں، اُف ری جوانی ہائے زمانے

شاد نہ وہ دیدار پرستی اور نہ وہ بے نشّہ کی مستی

تجکو کہاں سے ڈھونڈھ کے لائیں اُف ری جوانی ہائے زمانے

دل پہ نگہہ کا زخم ہی کاری ہوچکا جینا اب نہ جئیں گے

سینہ پہ برچھی تان کے ماری ہوچکا جینا اب نہ جئیں گے

آڑی نگاہیں جان کی دشمن سانپ وہ گیسو زلفیں ناگن

ناز و نزاکت تیز کٹاری ہوچکا جینا اب نہ جئیں گے

ناز سے دامن اپنا سنبھالے دوش پہ کالی زلفیں ڈالے

اب نہ بچے گی جان ہماری ہوچکا جینا اب نہ جئیں گے

خط میں لکھا ہے خط نہ لکھا کر تو نہ بچے گا کیا کروں آکر

جینے کی بھی امید سدھاری ہوچکا جینا اب نہ جئیں گے

شاد تمہارا ضبط کہاں تک آگئی نوبت اب تو یہاں تک

روح بھی اب گھبرا کے پکاری ہوچکا جینا اب نہ جئیں گے

جو مرض کوئی ہو دوا کرے، جو بلا کوئی ہو دعا کرے

جو دوا، دعا میں اثر نہ ہو تو بتائیے کہ وہ کیا کرے

چلے آئے موج میں اس طرف کہ فقیر طالبِ دید تھے

نہیں سنتے میری جو ای بت تو خدا تمھارا بھلا کرے

نہیں یاد قصۂ طور کیا کہ قصور کیا تھا کلیم کا

نہیں مانتا دلِ بے حیا کہو کاش اب تو حیا کرے

یہ تغافل اُس کا مٹے کہیں مری جان جاتی ہے دوستو

کہو ہاتھ جوڑ کے یار سے کہ بلا سے خوب جفا کرے

ملے یار **شاد** کو گر کہیں تو یہ چاہتا ہے کہ دردِ دل

یہ کہا کرے وہ سُنا کرے، وہ سُنا کرے یہ کہا کرے

تمام رات ہلے بھی نہ اُن کی چوکھٹ سے
گذار دی شبِ غم جاگے ایک کروٹ سے

شبِ فراق میں نالوں کے ساتھ دم نکلا
چلو نجات ہوئی ہر گھڑی کی کھٹ کھٹ سے

میں آپ میں نہیں مجکو فشارِ قبر نہ چھیڑ
نہ کیوں اداس ہوں آیا ہوں ایسے جمگھٹ سے

امید مردہ کو دیتا ہی کون دل میں جگہ
اُٹھا کے لاتا ہی مردے کو کون مرگھٹ سے

نگاہِ شوق سے ہم لے رہے ہیں کام اپنا
وہ چاہے منہ کو چھپائے رہیں بناوٹ سے

صدائے صور کو بھی سُن لیا ہی کانوں نے
مقابلہ نہیں ای یار تیری آہٹ سے

خیال آنکھوں میں یوں بجا رہا ہی یوں آنسو
گھڑوں کو لاتے ہیں بھر بھر کے جیسے پنگھٹ سے

وہ چین کیا کہ نہ ہو کچھ دنوں قیام اُس کو
ہزار مرتبہ بہتر زمیں چھپپر کھٹ سے

خدا کے واسطے ای **شاد** پاک لو اب بھی
ہی اب تو زلزلہ برپا قلم کی سرپٹ سے

رہا کیا ہی دلِ ویراں میں اک ارمان خالی ہی
جدھر آنکھیں اُٹھاؤ منزلوں میدان خالی ہی

ترے ملنے کی خواہش مقتضائے آدمیت ہی
وہ انساں کیا ہی اس حسرت سے جو انسان خالی ہی

گئی لیتی ہوئی درد و مصیبت روح ساتھ اپنے

دلِ ویراں میں بس اک آپ کا ارمان خالی ہے

اگر ہم خاک بھی ہوں گے تو خاک اپنی پکارے گی

یہ گھر مدت سے اک تیرے بغیر اے جان خالی ہے

بغل میں چھوڑ کر حسرت کو دل نے راہ لی اپنی

سدھارا گھر سے باہر میزباں مہمان خالی ہے

مری آنکھوں کے موتی لے گیا رونا شبِ غم کا

متاعِ بے بہا سب لٹ گئی دوکان خالی ہے

فقط ہمّت سے اپنی جی رہے ہیں **شاد** ہم ورنہ

جوانی لے گئی سب زورِ تن کا، آن خالی ہے

اپنے گدا کو خود وہ پکارے اُٹھ مرے کالی کملی والے

اُٹھ مرے عاشق اُٹھ مرے پیارے اُٹھ مرے کالی کملی والے

دل کو ہے میرے تجھ سے محبت دے نہ زیادہ جان کو کلفت

اُس شہِ حُسن نے آخر مرا دل چھین لیا

شاد جھولی میں یہی ہم فقرا کھتے تھے

مرغانِ باغ دیکھ کے تجکو مچل گئے
کیوں ای بہار ہم پہ یہ فقرے نہ چل گئے

اب ای صنم خدا کی طرف لو لگائیں گے
وعدے ترے اگر یونہی دو چار ٹل گئے

ناخن زنی و جامہ دری ہو چکی تمام
دو کام خوب ہاتھ سے اپنے نکل گئے

لوٹا خزاں نے آکے مرے دل کے باغ کو
پودے جو آرزو کے لگے تھے وہ جل گئے

دنیا میں حال طفل مزاجوں کا کچھ نہ پوچھ
دیکھے جو ہر طرح کے کھلونے مچل گئے

حاصل ہوئی مراد نہ محشر میں بھی مگر
کیا کم ہوا کہ آپ کے وحشی بہل گئے

ای **شاد** کیا قیاس کریں عقل دنگ ہے

یہ شہر ہی بدل گیا یا ہم بدل گئے

کمال دل کو خوشی ہوئی تھی کہ عشق دنیا میں مغتنم ہے

مگر ہوا تجربہ تو دیکھا کہ عشق بھی حوصلہ سے کم ہے

بیٹھ نہ ہر دم آسن مارے اُٹھ مرے کالی کملی والے

چاند کی رنگت زرد ہی پیارے صبح کے دیکھ آثار ہیں سارے

ڈوب چلے دم بھر میں ستارے اُٹھ مرے کالی کملی والے

جن و بشر کو خواب نہیں ہی ارض و سما کو تاب نہیں ہی

غم سے فرشتے غش ہوئے سارے اُٹھ مرے کالی کملی والے

رو کے ہمارا نام جو لے گا نالۂ شب سے کام جو لے گا

ٹوٹ پڑیں گے عرش کے تارے اُٹھ مرے کالی کملی والے

رات چلی ہی جوگن ہو کر اوس سے اپنے مُنہ کو دھو کر

لٹ چھٹکائے بال سنوارے اُٹھ مرے کالی کملی والے

صدموں پہ صدمے دل پہ سہے گا در پہ مرے تا چند رہے گا

جان کو توڑے جی کو ہارے اُٹھ مرے کالی کملی والے

شاد ہر اک کا دل بھر آیا جس نے سُنا وہ تاب نہ لایا

تھے یہ غضب کے اُن کے اشارے اُٹھ مرے کالی کملی والے

اُس شۂِ حُسن نے آخر مرا دل چھین لیا
شاد جھولی میں یہی ہم فقرا رکھتے تھے

مرغانِ باغ دیکھ کے تجکو مچل گئے — کیوں ای بہار ہم پہ یہ فقرے نہ چل گئے
اب ای صنم خدا کی طرف لَو لگائیں گے — وعدے ترے اگر یوہیں دو چار ٹل گئے
ناخن زنی و جامہ دری ہو چکی تمام — دو کام خوب ہاتھ سے اپنے نکل گئے
لوٹا خزاں نے آکے مرے دل کے باغ کو — پودے جو آرزو کے لگے تھے وہ جل گئے
دنیا میں حال طفل مزاجوں کا کچھ نہ پوچھ — دیکھے جو ہر طرح کے کھلونے مچل گئے
حاصل ہوئی مراد نہ محشر میں بھی مگر — کیا کم ہوا کہ آپکے وحشی بہل گئے

ای شاد کیا قیاس کریں عقل دنگ ہی
یہ شہر ہی بدل گیا یا ہم بدل گئے

کمال دل کو خوشی ہوئی تھی کہ عشق دنیا میں مغتنم ہی
مگر ہوا تجربہ تو دیکھا کہ عشق بھی حوصلہ سے کم ہی

شبِ جوانی کے سونے والو یہ خوابِ نوشیں نہیں ہے سم ہے
اُدا سی کہتی ہے آسماں کی قریب ہے صبح رات کم ہے

کہاں کی یہ بیخودی سمائی کہ دُکھ کا دُکھ ہے نہ غم کا غم ہے
پڑا ہوں مُردوں سے شرط کر کے نہ جی میں جی ہے نہ دم میں دم ہے

ہے منزلِ عمر جائے حیرت قدم کہیں اپنے ڈگ نہ جائیں
عجب دوراہے پہ میں کھڑا ہوں اِدھر ہے ہستی اُدھر عدم ہے

رہِ محبّت میں رکھ قدم کو ہوس نہ کر سَیر کی جہاں کے
کہ اس میں جو نقشِ پا ہے غافل نگاہِ عاشق میں جامِ جم ہے

تری خوشی کا ہے نام جنّت ترے غضب کا لقب جہنم
اسی میں تیری رضا اگر ہے تو ہم کو دوزخ بھی پھر ارم ہے

تمام اعضا کو سمجھو دولت غنی ہیں پھیلائیں ہاتھ کیوں ہم
خود اپنی مٹھی ہے اک خزانہ کہ اس میں جو نقش ہے درم ہے

نہ بزمِ ساقی کا حال پوچھو، خدا جو پہونچائے جا کے پہونچوں
مباح ہو واں تو خم کا خم بھی، یہاں تو قطرے کی بھی قسم ہو

الٰہی شبنم رہے سلامت بہار کی یادگار ہو یہ
کہ باغ سوکھا پڑا ہوا ہو مگر زمیں دیکھیے تو نم ہو

زمانہ اک یہ بھی ہجر کا ہو، لحد سے لے تا بہ روزِ محشر
مگر کچھ اس کا بھی غم نہیں ہو، لقب اسی کا اگر عدم ہو

کہاں تلک بے نتیجہ محنت کہاں تلک شاد دل کو کاہش
ہوئی جو نفرت تو دور پھینکا نہ پاس کاغذ نہ اب قلم ہو

رکھتا ہو دل عزیز تجھے اپنی جان سے — اے حُسن تیری مدح کریں کس زبان سے
صیاد کیوں اسیر کیا عندلیب کو — بیزار ہو غریب تو آپ اپنی جان سے
کیوں مضطرب ہو روح نہ میری جسم میں — ہوتا ہو دل کو خوف پرانے مکان سے
آنکھوں کو رو رہا تھا کہ دل نے دیا جواب — لو اک عزیز اور چلا اپنی جان سے

یوسف میں اور یار میں کیا فیصلہ کروں دیکھا نہیں ہے آنکھ سے سنتا ہوں کان سے

کہنا تمام باتوں کے بعد ای پیامبر آؤ نہ آؤ ہم تو چلے اپنی جان سے

کٹ جائیں گی کبھی تو ہماری بھی بیڑیاں

ای **شاد** ہم بھی جائیں گے اک دن جہان سے

ہمیں کیا ہوا جو بدل گئے، بڑی حیرتوں کا مقام ہے

کہ وہی فلک ہے وہی زمیں وہی صبح ہے وہی شام ہے

مَیں نثار اپنے خیال پر کہ بغیر مے کے ہیں مستیاں

نہ تو خم ہے پیشِ نظر کوئی نہ سبو ہے پاس نہ جام ہے

بڑی مشکلوں سے ہوا ہے حل یہ کتابِ عمر کا مسئلہ

اُنھیں وصلِ غیر حلال ہے ہمیں شب کی نیند حرام ہے

کسی خود پسند کے ہاتھ میں نہ پڑے کوئی یہ دعا کرو

شبِ عمر اپنی بسر ہوئی، وہاں صبح کی ابھی شام ہے

کوئی مر گیا تو یہ کہتے ہیں کہ فلاں نے نقل مکاں کیا
یہی قول مان لیں ہم اگر تو وجود حبس دوام ہے

اسی سوچ میں ہے دلِ حزیں کہ قیامت آنے کو آئے بھی
ہوئے اُن سے طالب دید ہم وہ کہیں گے مجمع عام ہے

کہیں بے دہن ہے ترا لقب، کہیں کم سخن ہے ترا خطاب
غرض اصل بات یہ کھل گئی کہ سکوت ہی میں کلام ہے

مَیں فدائے ساقیِ مہ لقا، یہی میکشی کا ہے مسئلہ
وہی حکم دے تو حلال ہے وہی روک دے تو حرام ہے

سنوں میں نصیحتِ بے محل کروں **شاد** ترک شراب کو
نہ خدا ہے واعظِ ہرزہ گو، نہ رسول ہے نہ امام ہے

وہ شاید تو نہیں وہ ہم نہیں جو ہم نے سمجھا ہے
سمجھ لینے کو یہ بھی کم نہیں جو ہم نے سمجھا ہے

نہ دیکھا جب تجھے دل نے کہا یہ چشم غلط بیں سے
حقیقت میں یہ وہ عالم نہیں جو ہم نے سمجھا ہے

مبارک باد ہی چھوٹا ہی قید جسم سے قیدی
یہ شورِ گریہ و ماتم نہیں جو ہم نے سمجھا ہی

عرق آ آ گیا ہی شرم سے فریاد بلبل کی
گلوں پر قطرۂ شبنم نہیں جو ہم نے سمجھا ہی

وہی پیری میں ہی ای شاد تھے جیسے جوانی میں
مگر افسوس اب وہ ہم نہیں جو ہم نے سمجھا ہی

طبقے فلک سے لاکھ ملاؤ زمین کے
لے جائیں گے مگر وہ مرے دل کو چھین کے

وحشت نے ہاتھ چھوٹتے ہی پہونچا پکڑ لیا
بغلوں تلک پہونچ گئے چاک آستین کے

کھونا نہ تھا گلی میں تری نقد عمر کو
محتاج ہیں پڑے ہوئے دو گز زمین کے

مانیں گے عشق کی ہمیں اوروں سے کام کیا
نوکر ہیں کفر کے نہ ملازم ہیں دین کے

گھر کر کے دل میں زہر اُگلتے ہیں رات دن
نالے تو اور بن گئے سانپ آستین کے

نالے مرے جو خاک اُڑانا کریں شروع
مل جائیں آسمان سے طبقے زمین کے

ای شاد جس کے پاس امانت ہی نقد دل
قربان جان و دل سے ہم ایسے امین کے

ظاہر میں جو نیاز تھا وہ بات بھی گئی — ای خواہش وصال ملاقات بھی گئی

آئی نہ آج بھی شبِ فرقت میں اپنی موت — افسوس انتظار میں رات بھی گئی

دیکھا جوابِ خط تو دیا عمر نے جواب — صد حیف جان بھی گئی اور بات بھی گئی

آنکھوں میں جو تری تھی وہ اب تک ہی جوں کی توں — جاڑوں کی فصل آگئی برسات بھی گئی

رونا تھا میکدہ میں اس طرح لے کے جام

ای شاد آبروئے خرابات بھی گئی

ہماری قبر پہ ہی بھیڑ خوش جمالوں کی — یہ گُل کھلاتی ہو مٹی کمال والوں کی

دلوں پہ کیا ہی یہ مہ رو تو عرش تک جائیں — کمند ہاتھ میں ہی لمبے لمبے بالوں کی

وفورِ رنج سے دم توڑنے لگے آخر — مگر نہ لی خبر اُس نے شکستہ حالوں کی

فرشتے کانوں پہ رکھتے ہیں اپنے ہاتھوں کو — فلک پہ دھوم مچی ہی ہمارے نالوں کی

وہ بیٹھیں صدر میں ای شاد جو ہیں لائق صدر

صفِ نعال ہی جا ہم سے پائمالوں کی

تا مرگ لو لگی ہوئی کوئے بتاں کی تھی
آخر وہیں پہنچ گئی مٹی جہاں کی تھی

صیاد نے پھنسا لیا جس دن سے دام میں
پھر باغ کا خیال نہ دُھن آشیاں کی تھی

کیونکر پسند دل کو نہ ہو گوشۂ لحد
اک عمر سے تلاش ہمیں اس مکاں کی تھی

تم اور مدحِ پیر خرابات العجب
اے واعظو! یہ بات تو میری زباں کی تھی

نرگس کو دیکھ کر یہی ہوتا ہے اب یقیں
حسرت بھری یہ آنکھ کسی نوجواں کی تھی

پتھر چٹا کے حلق پہ خنجر کو پھیرتا
جلاد کو پڑی ہوئی ایسی کہاں کی تھی

دم بھر میں قتل گاہ کو لاشوں سے بھر دیا
اے شاد وہ نگہ نہیں تیغ اصفہاں کی تھی

نگاہباں ہیں کچھ ایسے ادا و ناز اُن کے
کہ بچتے جاتے ہیں لغزش سے پاکباز اُن کے

تجھی کو نزع میں پوچھا ترے خموشوں نے
اخیر وقت جب آیا چھپے نہ راز اُن کے

نظر اُٹھانے میں ہوتا ہے باز پرس کا ڈر
جھکائے رکھتے ہیں گردن کو سرفراز اُن کے

دلوں میں گھر نہیں کرتے جو خود پسندی سے
پھرے ہیں کعبہ سے پیچھے نہ پڑھ نماز اُن کے

مراد یہ ہے کہ آئے نہ راستی پہ کبھی
فلک کو پھانستے ہیں گیسوئے دراز اُن کے

جنھوں نے ناز اُٹھائے نہ ناز والوں کے
پسند آئیں گے کیونکر وہاں نیاز اُن کے

تعلقات میں دنیا کے پھنس چلے تھے ہم
بچائے جاتے ہیں گیسوئے فتنہ ساز اُن کے

اجل کے غمزۂ بیجا سمائیں کیا دل میں
تمام عمر اُٹھائے ہوئے ہوں ناز اُن کے

نہیں پسند جنھیں شاد عاشقانہ کلام
معاف کر دو اُنھیں دل نہیں گداز اُن کے

بھلا منظور ہو اپنا تو خدمت کر فقیروں کی
قضا کو روک دیتی ہے دعا روشن ضمیروں کی

گذرگاہِ جہاں میں راہ رَو سب ایک سے کب ہیں
رٹے جاؤ، کبھی تو کوئی سن لے گا فقیروں کی

جہاں میں جس طرف دیکھو جمالِ یار کا غل ہے
ٹھکانے سے رہے کیونکر طبیعت گوشہ گیروں کی

شکار افگن ہیں صید اندازیوں پر لیس رہتے ہیں
نگاہیں اُن کی پیکاں ہیں مژہ سریاں ہیں تیروں کی

اسیری سے قضا چھٹنے نہ دے اس کا نہیں چارہ
ہلا دیتی ہیں دل صیاد کا آہیں اسیروں کی

نہ گھبرانا دلا! ترک طلب خالی نہ جائے گا
بھرے گا خشک روٹی سے خدا جھولی فقیروں کی

فقیر اللہ کے، بستر پہ اپنے ہر طرح خوش ہیں
خدا آباد رکھے **شاد** ڈھوڑی ان امیروں کی

ہائے کیا بات آپ کے لب کی
سب سمجھتے ہیں اپنے مطلب کی

کچھ تو سنبھلا تھا کل ترا بیمار
وہی نوبت ہے آج اب تب کی

چشم ہو یا جگر ہو یا دل ہو
عشق میں ایک مت ہوئی سب کی

پوچھ زاہد نہ مجھ سے عشق کا حال
چھیڑ اچھی نہیں ہے مذہب کی

دن تو جوں توں گذر گیا ای **شاد**

ہم ہیں اور سختیاں ہیں اب شب کی

پیری میں اُمنگیں وہ نہیں جوش نہیں ہی
آپ اپنے کو سمجھوں یہی اب ہوش نہیں ہی

خمخانۂ توحید میں جتنے ہیں قدح نوش
بدمست تو سب ہیں کوئی مدہوش نہیں ہی

اللہ رے کرم بادِ بہاری کا چمن میں
وہ کون سا ہی نخل جو گل پوش نہیں ہی

کہتے ہیں نکیرین بتا اپنے خدا کو
صد شکر کہ وہ یاد فراموش نہیں ہی

اب راز چھپانے لگے می نوش مجھی سے
شاید کسی خم میں می سر جوش نہیں ہی

تو دے تو صدا ہی در میخانہ اگر بند
ہو کوئی پہ ساقی تو گراں گوش نہیں ہی

جرم اپنا ہی ای **شاد** کسی پر عبث الزام

آنکھیں نہیں یا دل نہیں یا گوش نہیں ہی

عدو کے دل کی گرہ اک ادا میں کھول گئے
وہ کیا چھپاتے ہیں ہم اک نظر میں تول گئے

اسی لیئے تو بنے تھے وہ بزم میں ساقی
ہماری عمر کے ساغر میں زہر گھول گئے

عدو کی باتوں کا ہو وزن آپکے دل میں — کہیں شُ آپ مگر ہم نظر میں تول گئے

امید دولتِ دیدار کی نہیں باقی — وہ چور بن کے مرا دل بہت ٹٹول گئے

غضب ہی پیرِ مغاں کی جناب میں واعظ — بحس زباں سے بڑا بول آج بول گئے

غریب خانہ میں تشریف لائے دم بھر کو — بہت دنوں کی گرہ تھی جسے وہ کھول گئے

ہوئے جو پیرزر داغ مٹ گئے ای **شاد**

یہ مال بیش بہا کوڑیوں کے مول گئے

سیر کر سیر جو ہی دیدۂ بینا باقی — جب تک آنکھیں ہیں جبھی تک ہی تماشا باقی

تیرے دم سے ہی فقط ساغر و مینا ای رند — نہ رہا تو ہی تو دنیا میں رہا کیا باقی

قصۂ مہر و وفا مٹ نہیں سکتا ای دل — رہ گیا تا بہ ابد اب یہ فسانا باقی

مجھ سے مایوس ہزاروں ہی تصدق تجھ پر — تو سلامت رہے تجھ سے ہی تمنا باقی

نت نئے کھیل زمانے کو نظر آئیں گے — جب تک اس خاک یہ ہی خاک کا پتلا باقی

شکل ہر شی کی زمانے نے بگاڑی ہر چند — اب تک آنکھوں میں ہی پہلے ہی کا نقشا باقی

جلوۂ یار ابھی تک وہی عالم ہی ترا | شجر طور سلامت ہی نہ موسا باقی
نہ سہی چار گرہ کا جو گریباں نہ سہی | مدوای عشق کہ ہی دامنِ صحرا باقی

ہاتھ اُٹھاکر جو دہ دیں تم کو غنیمت سمجھو
شاد آتا نہیں کچھ اُن پہ تمھارا باقی

لکھا برگِ گل پر بہ خطّ جلی ہی | خوشا وقت اُس کا جواب تک گلی ہی
شبِ ہجر کی سخت گیری نہ پوچھو | جو لے لیں ہیں جانیں تو کافر ٹلی ہی
اجل توڑ آکر نہ امید پیری | لڑکپن سے دامن میں میرے پلی ہی
مری قبر پر لکھنے والو یہ لکھ دو | یہ عاشق اُسی کا تھا جس کی گلی ہی
خرابات کا حال کیا پوچھتے ہو | کہیں شور ہُو حق کہیں یللّی ہی
کرے ترک جو وصل کی آرزو کو | وہ ہم عاشقوں کے جتھے میں ولی ہی
بسیرا ہی جس شاخ پر بلبلوں کا | وہی تیشہ زن کی نظر میں بھلی ہی
نشیمن کرے شاخ گل پر نہ بلبل | کسی کو بھی یہ شاخ اب تک پھلی ہی

مصیبت سے پھیر اپنے مُنہ کو نہ ای دل　　پھر اپنی تو ہی گو بُری یا بھلی ہی

محمدؐ ہیں سرِ تاج عالم میں سب کے
محمدؐ کا ای **شاد** نائب علی ہی

شراب دیکھ کے دل بیقرار ہوتا ہی　　بڑھے جو اور طرف ناگوار ہوتا ہی

خلاف وعدہ کیا ہی ہزار بار اُس نے　　میں کیا کروں مجھے پھر اعتبار ہوتا ہی

گلوں پہ رحم کر اب بھی خدا کو مان ای چرخ　　خزاں کے ہاتھ سے خونِ بہار ہوتا ہی

کہا نیاں اثرِ آہ کی غلط ہیں **شاد**
کسی کے دل پہ کسے اختیار ہوتا ہی

مایوس کیجئے نہ مجھے مان جائیے　　میرا ہی نام **شاد** ہی پہچان جائیے

لیتے نہیں وہ جنسِ وفا کو نہیں سہی　　ہم خود بڑھائے لیتے ہیں دو کان جائیے

بے اختیار دل یہی کہتا ہی بزم میں　　ساقی کی بات بات پہ قربان جائیے

کہتی ہی روح نقدِ قناعت کو دیکھ کر　　سب کچھ ہمیں دیا ترے قربان جائیے

دل چور، رنگ زرد، فغاں لب پہ، تن نزار
لے کر عدم میں **شاد** یہ سامان جائیے

جو رات کٹ گئی ہے کیا آئے گی نہ اب کے
پھر شمع کیوں بہ حسرت منہ دیکھتی ہے سب کے

اے مرغِ صبح ڈر ہے برپا کریں نہ محشر
نالے نہیچے بچائے سینہ میں ہیں جو شب کے

لپٹی بلا کی صورت آخر شبِ جدائی
کچھ آج شام ہی سے آثار تھے غضب کے

بالیں سے جلد اُٹھ کر یوں جائیے نہ للہ
دو حرف سن تو لیجئے بیمارِ جاں بلب کے

اے **شاد** دیکھتے ہو احوال شمع کا تم
دل سوز تھے پتنگے کیا جانے اس کے کب کے

بدلی وہ وضع طور سے بے طور ہو گئے
تم تو شباب آتے ہی کچھ اور ہو گئے

دیکھا کئے وہ مست نگاہوں سے بار بار
جب تک شراب آئے کئی دور ہو گئے

تیغ نگہ نیام سے نکلی ہی تھی اُدھر
آمادہ ہم بھی قتل پہ فی الفور ہو گئے

آپس کا اختلاط، وہ ساقی کا ڈھالنا
اب وقت دوسرا ہے وہ سب دور ہو گئے

آئینہ لے کے ہاتھ میں کہتا ہوں کیوں فلک
ہم اور ہو گئے کہ وہی اور ہو گئے

چارہ ہوا نہ **شاد** کو آخر کسی طرح
راضی تری رضا پہ بہ ہر طور ہو گئے

آخر ہی عمر ضیق میں دل بھی ہی جان بھی
مردانہ باش ختم ہی یہ امتحان بھی

مٹ جائے تیری راہ میں پھیرے نہ اپنا منہ
عاشق کو چاہیئے کہ رہے اتنی آن بھی

ساقی پلائے غیر کو اور میں رہوں خموش
ای شوقِ جام سخت ہی یہ امتحان بھی

کہہ دو مریضِ غم سے کہ آئیں گے قبر پر
رکھ لو خدا کے واسطے اتنی سی جان بھی

تیغِ ستم کھچی ہی سروں پہ جدھر چلو
راحت تو کیا کہ اب نہیں ملتی امان بھی

کچھ تجھ پہ شک نہیں ہی مگر ای پیامبر
ہوتے ہیں چند طرح کے آخر بیان بھی

تکیہ ہو ساتھ والوں پہ کیا راست باز کو
اس ہمرہی پہ تیر سے کج ہی کمان بھی

دل کی کہانیوں میں ہیں صدہا کہانیاں
حمزہ کی داستان ہی یہ داستان بھی

ای موت سچ بتا کہ یہ کیسا پیام ہی
خاموش دل کے ساتھ ہی اپنی زبان بھی

ماتھے پہ اپنے داغ جو سجدے کا تھا عیاں — ای خاکِ آستاں ش رہا وہ نشان بھی

ای **شاد** کب شریف کریں گے مضائقہ
ساتھ آبرو کے جائے اگر جائے جان بھی

جو کوئی آبلہ سینہ کا اپنے ٹوٹ جاتا ہی — تو ای سوزِ محبت کیا کہوں جی چھوٹ جاتا ہی

سکوتِ بے محل سے توڑ کر دینا جواب اچھا — یہ سب سچ ہی مگر عاشق کا دل تو ٹوٹ جاتا ہی

جو مے دیتا ہی ساقی غیر کو یوں اس کو سہتا ہوں — کوئی کڑوی دوا کو جس طرح سے گھوٹ جاتا ہی

تعلق جب سوا ہوتا ہی جمعیت نہیں رہتی — یہ سر آہنگ میرے قافلہ کو لوٹ جاتا ہی

کہیں ہو **شاد** آوارہ مگر دو چار وقت آکر
تمھارے سنگِ در پر روز ماتھا کوٹ جاتا ہی

ہماری روح جہاں سے کشادہ رو گئی — ذرا سی اس میں جو خو تھی تری وہ خو نہ گئی

اگر نکل کے مری روح قبلہ رو نہ گئی — تو یوں سمجھ کہ ترے رخ کی یاد چھو نہ گئی

بڑا ہی رات سے زلفوں کی لہر میں ای دل — کہیں پلٹ کے یہ ناگن تجھے تو چھو نہ گئی

در آئی دل میں طہارت کے ساتھ خواہشِ وصل
ادب شناس تھی کعبہ میں بے وضو نہ گئی

نہ ہے بلندیِ ایوانِ جلوہ گاہِ حبیب
ٹھٹک کے بیٹھ گئی عقل حیلہ جو نہ گئی

ہزار ہو گئے میلے لباس پھولوں کے
جو میرزا منشی کی تھی بو وہ بو نہ گئی

جہاں کے باغ سے جنت نصیب پھول گئے
یہی ہے شرطِ وفا عندلیب تو نہ گئی

لگے پر لنے شرابی سے مستیاں کرنے
ابھی زباں پہ ہے حالانکہ تا گلو نہ گئی

شکایتیں ہیں عبث شاد دوستوں کو مرے
یہ طرح وہ ہے کہ مشکل تو اس کو چھو نہ گئی

ولولے پھر بھی غنیمت ہیں دلِ مغموم کے
جینے والے دیکھ لیں گے بعد اس مرحوم کے

لوگ باتیں مجھ سے کرتے ہیں زبانِ شعر میں
پھر کیا زندہ خدا اُس قادر قیوم کے

کھو نہ دیں اگر عدوبت اپنے لب کی حرفِ تلخ
منہ کئے ہوں بند تیرا آستانہ چوم کے

گیسو و رخسارِ جاناں کی چھڑی ہے داستاں
میکدہ میں جمع ہیں میخوار شام و روم کے

اپنے دل کی آرزوؤں پر خدا رحمت کرے
دیکھے ہیں اِن کے جنازے میں نے کس کس دھوم کے

پنبۂ مینا کی زاہد گر مذمت تو نے کی
تجکو روئی کی طرح رکھ دیں گے میکش تو م کے

حضرتِ واعظ سے ہم سے دیکھئے کیسی بنے
میکسارو آج تیور اور ہیں مخدوم کے

شاد کیا بے غل و غش اپنی گذرتی تھی حیات
پھنس گئے پھندے میں ناحق آکے بخت شوم کے

ملے جنت یہ زاہد کی دعا ہی
بجز خود مطلبی کے اور کیا ہی

بھروسا کر لیا ہی تو نے جس پر
وہی ای آدمی تیرا خدا ہی

قیامت خود نہیں ہی وحشت انگیز
قیامت بیچ کی بیم و رجا ہی

سزائیں اور جزائیں مل رہی ہیں
جدھر دیکھو اُدھر محشر بپا ہی

کمند زلف ہی دنیا کا جنجال
پھنسا جو اس میں پھر کب چھوٹتا ہی

مسافر دن دھاڑے لٹ رہے ہیں
یہ دنیا ای خدا کیسی سرا ہی

فقط سچ تھا کہانی کا یہی بول
کہ سب سوتے ہیں اک تو جاگتا ہی

سہارا کیوں نہ مے پیری کی ہمت
یہی مجھ پا شکستہ کا عصا ہی

کروں اے شاد کیا صہبا کی تعریف
اگر کم پیجیے حاصی دوا ہے

قدرِ ہنر تھی جن سے وہ اہلِ ہنر گئے — یہ دور اور ہے وہ زمانے گذر گئے
اُس بزم میں ہوا نہ کوئی باریاب حیف — نالے بھی جو کئے تھے وہ سب بے اثر گئے
بگڑے تھے واعظوں کی جو صحبت میں ساقیا — صد شکر میکدے میں وہ آکر سنور گئے
خواہانِ ملک و زر نہیں سودائیانِ عشق — خوش ہیں کہ اب سر و سے وہ سب دردِ سر گئے
غمخوار تیری اشک فشانی پہ مرحبا — جو داغ دل میں ڈوب چکے تھے اُبھر گئے
توبہ کی یاد آئی ہے اے شیخ کب مجھے — دو چار گھونٹ جبکہ گلے سے اُتر گئے

تکلیف اُٹھائی دل نے کہ آرام سے کٹی
ہر طرح شاد دونوں زمانے گذر گئے

تجھے اُبھار دیا ظلم پر مثالوں نے — فساد ڈال دیا مفت بیچ والوں نے
اے ایک ماہِ شبِ چاردہ پہ کیا موقوف — بہت اُٹھائے ہیں نقصان بالکالوں نے

خمیدہ پشت نہیں اس لیے کہ پیر ہوئے　　جھکا دیا ہمیں ترچھی نظر کے بھالوں نے

تری تو بات گئی آہِ نیم شب خالی　　مجھے تباہ کیا کان بھرنے والوں نے

سُنا کہ راہ میں تیری نہ چاہیے فریاد　　جبھی سے سانس تلک لی نہ مرنے والوں نے

وفا سی چیز میسر بھی ہے، ہزار افسوس　　گھٹا کے دام لگائے نگاہ والوں نے

پھنسا لیا دلِ وحشی کو بے طرح اے **شاد**

کمند پھینک کے اُن لمبے لمبے بالوں نے

خود اپنے بس میں ہے یا تڑپ کے مر جائے　　جہاں میں اپنی سی انسان کچھ تو کر جائے

شبِ فراق میں اور آہ بے اثر جائے　　حیا جو آپ کے عاشق کو ہو تو مر جائے

نہ آئے پھر کوئی آفت غریب شانہ پر　　خدا کرے کہ وہ گیسو کہیں سنور جائے

خموش ہے متحیر ہے کے ہاتھ میں خط　　اگر کہیں کا پتا ہو تو نامہ بر جائے

مٹا ہوں یوں کہ نشاں تک نہیں کہیں باقی　　بغور دیکھ جہاں تک تری نظر جائے

یقیں کی راہ تو مشکل ہے راہِ شوق آساں　　تو ہی بتا کہ ترا راہ رو کدھر جائے

یہ مے مُسکّن دردِ فراق ہے اے شاد
جو ایک گھونٹ بھی پی لو تو دل ٹھہر جائے

خجل کیا ابھی واعظ کو یوں اشاروں سے
کبھی چڑھائی تو ہو گی چھپا کے یاروں سے

کہاں نہیں تری ترچھی نگاہ کے زخمی
کوئی جگہ نہیں خالی خدا کے پیاروں سے

نہ چھوٹ جائیں غریبوں کے دل کہیں مغموم
وہ امتحان نہ لیں اپنے جاں نثاروں سے

نفس کی آمد و شد تا بہ کے شمار کریں
وہ کوئی کام تو لیں ہم امیدواروں سے

وہ ایک ہیں نہیں دنیا میں دوسرا ویسا
یہی کلام سُنا، ایک کیا ہزاروں سے

جو بخشیں دیں تو کرم ہے نہ بخشیں دیں نہ سہی
وہ بات توڑ کے کہہ دیں گناہ گاروں سے

کچھ اور دُھن ہے چلا ہوں جو باغ کو اے شاد
مجھے گلوں سے نہ مطلب نہ کام خاروں سے

جو مرنے والے تھے اے جان مر رہے کب کے
مگر تمہاری طرف مُنہ پھیرے رہے سب کے

بہار دیکھ کے ساقی کی یاد آتی ہے
نثار ہاتھ کے اور ساغرِ لبالب کے

رقیب ہو کہ عدو سب کا اُن پہ تکیہ ہو
تو کیا جہاں میں وہی غمگسار ہیں سب کے

حسین ایک نہیں سو سہی زمانہ میں
مگر ہمیں تو دکھائی دیئے نہ مطلب کے

میں کیا بیاں کروں ای شمع اپنی حیرت کو
سحر کو ٹپکے ہیں آنسو بھرے ہوئے شب کے

ہمیشہ ہجر میں زندہ رہیں یہ مشکل ہو
خدا کی شان کہ ای عشق بچ گئے اب کے

ہمارے کام میں دیتے کبھی مدد ای **شاد**
ملے نہ ہم کو زمانے میں لوگ اس ڈھب کے

عاشق کا اگر دل نہ دُکھائے نہیں بنتی
افسوس کہ خود اُس کے بنائے نہیں بنتی

عقبیٰ بھی تو موقوف ہو دنیا ہی کے اوپر
دنیا سے غرض ہاتھ اُٹھائے نہیں بنتی

ہو دیکھ کے دل سینہ میں ہو جاتا ہو بیچین
ہم سے تو قسم ترک کی کھائے نہیں بنتی

ہر چند بنی رہتی تو ہو جان کے اوپر
تو بھی تو تجھے دل سے بھلائے نہیں بنتی

اُس کوچہ میں ہو **شاد** عجب مضطرب الحال
آئے نہیں بنتی جو نہ آئے نہیں بنتی

داغ وحشت میرے سینہ سے مٹایا تونے
دے کے الفت مجھے انسان بنایا تونے

مر مٹے پھر بھی کدورت نہیں جاتی ای دوست
ہر طرح سے مجھے مٹی میں ملایا تونے

خواب دنیا کا ابھی دیکھ رہا تھا کیا کیا
ای اجل کیوں مجھے سوتے سے جگایا تونے

پھر ہوا عالم پیری میں ترا عشق مجھے
پھر اس اُجڑی ہوئی بستی کو بسایا تونے

اِس شب تار میں فریاد ہی یارب کی بلند
ای غم یار کسی دل کو دُکھایا تونے

کچھ شکایت نہیں ای دوست جو میری نہ سنی
یہی کیا کم ہو کہ ہم بزم بنایا تونے

اُس کے دامن کی طرف ہاتھ کھچا جاتا ہو
اب تو ای شوق بہت پاؤں بڑھایا تونے

تجکو بے پردگی راز گوارا ہی نہیں
کچھ سمجھ کر مجھے دیوانہ بنایا تونے

کون ہو وہ جو کھچا جاتا ہو دل اُس کی طرف
کس کا قصہ مجھے ای **شاد** سُنایا تونے

بھلی بنا دیں گے اپنی قسمت عوض جفا کے وفا کریں گے
جو ہم بُرے ہوں تو ہوں بلا سے وہ پوچھ کر ہم کو کیا کریں گے

جو بزم میں اُن کی بھیجتا ہو تو سوچ لے ای دلِ حزیں تو
کہ آنسوؤں کے ہیں سَو بہانے علاج آہوں کا کیا کریں گے

سکھا رہی ہو یہ دل کی حسرت کہ ترک کر دے بس اب تعلق
اگر رہے گا نہ شغل کوئی تو رہ کے دنیا میں کیا کریں گے

ستا رہا ہو جو دردِ فرقت تو صبر کر جی نہ چھوڑ ای دل
جہاں تلک ہم سے بن پڑے گا دوا کریں گے دعا کریں گے

لگائے بیٹھا ہو آسرا یہ، ہمیں تو ای **شاد** ہو مروت
بتائیے شوق کیا کہے گا جو ترک ہم مدعا کریں گے

دلوں کو چین ہو امید اگر فنا ہو جائے — تو بے دوا کے مریضوں کو خود شفا ہو جائے

جمائے نقش اگر دل میں الفت ساقی — کسی کو بد بھی جو منہ سے کہوں دعا ہو جائے

مرض خودی کا مٹا جلد ابتدا ہو ابھی — خدا نہ کردہ کہ یہ درد لا دوا ہو جائے

رکھوں نہ عرش پہ بھی پیر اپنا پیر مغاں — اس آستاں پہ جو سجدہ کوئی ادا ہو جائے

غریبِ وادیِ غربت میں ہو قدم سے لگا
خدا نہ کردہ کوئی خار اگر جدا ہو جائے

کہے جو غیر تو سمجھیں کہ شکر کرتا ہو
وہی کلام اگر میں کروں گِلا ہو جائے

جو پی کے جام اُن آنکھوں کی یاد آئے مجھے
تو ابتدا ہی میں مستی کی انتہا ہو جائے

ہر ایک ذرہ خضر ہو رہِ محبت میں
قدم دھرے تو یہاں غول رہنما ہو جائے

کراہتے ہو بہت دردِ ہجر سے اے **شاد**
ڈرو ڈرو کہیں ایسا نہیں سوا ہو جائے

کسی کی لَو ہو جو سینہ میں داغ روشن ہو
اندھیرے گھر میں بھی اک چراغ روشن ہو

نظر کے سامنے پاتا ہوں عرش کو ساقی
کچھ ایسی پی ہو کہ سارا دماغ روشن ہو

اُدھر کی دین ہو اس آب آتشیں میں یہ رنگ
کہ خم کا خم ہو منور ایاغ روشن ہو

ضیا نکلتی ہو یوں چاند جیسے کھیت کرے
نقابِ سبز ہو رخ پر کہ باغ روشن ہو

مقامِ شکر ہو جھک جاؤ **شاد** سجدے میں
ہزار بخت سیہ ہو دماغ روشن ہو

اس در پہ ہیں امیر بھی حاضر فقیر بھی | آزاد بھی ہیں بستۂ الفت اسیر بھی

خالی نہیں ہے معنی و مطلب سے کوئی شے | آنکھیں جو ہوں تو حرف کی جا ہے لکیر بھی

صیاد فصل گل میں جو ضد ہے تو ضد رہے | اچھا تو اب چھوڑیں گے زنداں اسیر بھی

محتاج سب ہیں سب پہ برابر رہے نظر | در پر ترے غریب بھی ہیں اور امیر بھی

اے شاد تم تو روتے تھے نکہت کے واسطے

واحسرتا کہ آج سدھارے صفیر بھی

سرکار دل کی ہوش ربائے زمانہ ہے | وسعت تو کچھ نہیں مگر اک کارخانہ ہے

خالی سمجھ کے پھینک نہ اے موج رائگاں | ہر کیسۂ حباب میں بند اک خزانہ ہے

اِن دو سے چھوٹنا نہیں ممکن کسی طرح | آفت ہے عشق، حُسن بلائے زمانہ ہے

نکلی جو تن سے روح دکھاتی چلی بہار | جاتی ہے جس طرف نظر آئینہ خانہ ہے

اب درد و غم کے سہنے کی طاقت نہیں رہی | دل کے خلاف آب و ہوائے زمانہ ہے

آنکھیں ہیں دونوں کور جو دیکھا بھی ہو تجھے | تجھ سے خلوص دل کو مرے غائبانہ ہے

پیری میں ہے فلک قدر انداز کس قدر — کو سوں سے جس کو تاک لیا وہ نشانہ ہے

آنکھیں شبِ فراق میں کیوں ہو چلی ہیں بند — آئی ہے نیند موت کا شاید بہانہ ہے

اُلجھاؤ گیسوؤں کا الٰہی کہیں مٹے — وہ دستِ نازنیں بھی مددگار شانہ ہے

گر عشق ہے تو یار کے در پر جھکا جبیں — ایماں کے بعد فرضِ بشر پنجگانہ ہے

اے شادؔ کھینچ لیتا ہے بے اختیار دل

کیا پوچھنا کلام ترا عارفانہ ہے

نظر میں خلق کی، حرمت نہ رکھی بادہ خواروں کی

الٰہی مے سے بھر تحت الحنک پرہیزگاروں کی

وہ خود احوال پوچھیں اور یہاں مُنہ سے نہ کچھ نکلے

قیامت ہے یہ جرأت اُن کے آگے شرمساروں کی

نظر ملتے ہی بجلی کی طرح معدوم ہوتے ہیں

زمانے سے جُدا ہوتی ہیں باتیں بیقراروں کی

ستاتی ہو نہ گرد اُن کو، نہ زحمت دھوپ دیتی ہو

بلائیں دُور رہیں اے آسماں چابک سواروں کی

ہجوم آہوئے مضموں کہیں اے شاد دیکھا ہو

کمندیں بے سبب کھلتی نہیں معنی شکاروں کی

مجلس وعظ بھی صحبت ہوئی دیوانوں کی
دھجیاں اُڑتی ہیں ہم چاک گریبانوں کی

تیر شوریدہ سر اس دشت سے گذرے ہیں ضرور
دھجیاں خار میں اُلجھی ہیں جو دامانوں کی

جس کا چسکا ہو زبانوں کو وہ چیز اور کہاں
میکشو خیر منایا کرو میخوانوں کی

بزم ساقی میں کدورت کا کہاں نام و نشاں
طینتیں صاف کہے دیتی ہیں پیمانوں کی

اب تو جانے لگا مسجد کی طرف وہ کافر
گر یہ سچ ہو تو شہادت ہو مسلمانوں کی

اے سرا تیرے مسافر نہ تجھے بھولیں گے
خوب جی توڑ کے خاطر ہوئی مہمانوں کی

شاد کچھ پوچھ نہ اِن اہل تقدس کے صفات

شکلیں عاقل کی ہیں باتیں وہی دیوانوں کی

تمنا مرکے بھی ہو دولتِ دیدار پانے کی
مہوس کی ہوس جاتی نہیں سونا بنانے کی

لپٹ کر اُس کفِ رنگیں سے کیا کیا ناز کرتا ہو
وہ زلفِ مشکبو بگڑی ہُو بن آئی ہو شانے کی

کوئی مژدہ تو ایسا ہو کہ مرکر گوش زد ہوگا
وگرنہ وجہ کیا پھر روح کو قالب میں آنے کی

مجھے کیا علم کیوں عشاق پر وہ ظلم کرتے ہیں
خبر ہو کچھ خدا ہی کو خدا کے کارخانے کی

صفائے قلب سے عشاق غافل ہوتے جاتے ہیں
بگڑتی جاتی ہو صورت ترے آئینہ خانے کی

صدائے الرحیل آتی ہو لو خود کان سے سُن لو
کرو فکر اس سرا سے **شاد** اب بستر اُٹھانے کی

دیکھنا غافل ذرا دنیا کو پہچانے ہوئے
کل جو قصے پیش پا تھے آج افسانے ہوئے

وہ صفیں مژگاں کی وہ اُن کی نگہ خنجر گذار
دو طرف فوجیں کھڑی ہیں برچھیاں تانے ہوئے

ساغر و مینا و صہبا پر نہیں کچھ منحصر
میکدے میں سب کے سب ہیں اپنے پہچانے ہوئے

کچھ تو راحت دے ہمیں اے گوشۂ تاریک و تنگ
آئے ہیں سارے بیابانِ جنوں چھانے ہوئے

طاقِ ابرو کس کا یاد آیا جو پھینکے سب لباس
کیوں مسلماں دیکھ کر کعبہ کو دیوانے ہوئے

اک دل ہے جس کی حالت آج تک ہے ایک سی
شہر کتنے بس گئے اور کتنے ویرانے ہوئے

جوشِ وحشت میں کسی جانب نظر کرتا نہیں
تیرا دیوانہ چلا جاتا ہے کچھ ٹھانے ہوئے

منزلِ عرفاں سے کوئی مست گذرا ہے ضرور
جا بجا رستہ میں کیوں آباد میخانے ہوئے

جب چلے دنیا سے پھر کر ہم نے دیکھا بھی نہ شاد
اقربا کی کیا خطا ہم آپ بیگانے ہوئے

کرو وہ کام جو ہیں کام کر گذرنے کے
سمجھ لو شاد کہ دن آچکے ہیں مرنے کے

یہ بحرِ عشق ہے اے عقل اس کی تھاہ کہاں
جو اس میں ڈوب گئے پھر نہیں ابھرنے کے

بغیر یار پئیں مے جو ہم تو اچھو ہو
کبھی وہ گھونٹ نہیں حلق سے اترنے کے

خدا کے واسطے تیغ نگہ سے جی نہ چرا
یہی تو دن ہیں جوانی ہمارے مرنے کے

مجھے تو تیغِ نگہ سے ہے اپنی موت پسند
جہاں میں یوں تو ہیں لاکھوں طریق مرنے کے

خیالِ زلف میں اللہ ری پریشانی
وہی الجھ گئے جو کام تھے سنورنے کے

تم آپ انڈیل لو اے شاد اپنے ہاتھوں سے
یہ مغبچے نہیں جام شراب بھرنے کے

اُن سے رستہ کی ملاقات ہے یہ بھی سہی — دل میں دونوں طرف اک بات ہے یہ بھی سہی

آج وعدے کی ہے شب دیکھئے کیا ہوتا ہے — عمر بھر میں یہی اک رات ہے یہ بھی سہی

پاس کیا اپنے ہے اس دل کے سوا مال و متاع — یہی اک اپنی کرامات ہے یہ بھی سہی

گذرے جاتے ہیں ترے ہجر میں ساون بھادوں — دو مہینے کی تو برسات ہے یہ بھی سہی

پاس اپنے نہیں کچھ **شاد** مگر فکر بلند
اک اسی پر تو مباہات ہے یہ بھی نہ سہی

مرنے والوں کی وہ آنکھیں نہ رہیں دل نہ رہے — اُس نے کب یاد کیا جب کسی قابل نہ رہے

جاؤں گا وادیِ حسرت کی طرف میں تنہا — ہمہ تن شوق ہوں دل تک مرے شامل نہ رہے

آرزو دل کی نکلنی تھی وہ نکلی صد شکر — نہ رہے خیر، اگر ہم کسی قابل نہ رہے

پہلے ہی سب کے پلا دی مجھے ساقی نے شراب — مدعا یہ کہ تمیزِ حق و باطل نہ رہے

ہوتی تھی جن کے سبب اہل ہنر کی عزت
شاد اُس وضع کے اس شہر میں کامل نہ رہے

اچھا ہی دمِ نزع جو بے ہوش رہیں گے — شکوے تو شبِ غم کے فراموش رہیں گے

پھل نخلِ تمنا میں نہ آئے یہی بہتر — اس باغ میں ہر طرح سبکدوش رہیں گے

نالے ترے جاری رہیں ای بلبلِ ناکام — کیا حشر تلک پھول گراں گوش رہیں گے

قاتل ترے کوچہ میں کسی اور کو کیا دخل — ہر پھر کے یہی چند کفن پوش رہیں گے

ای شاد یہی جام جو آخر میں ملا ہی

تا حشر اسی جام سے مدہوش رہیں گے

رہیں چشم و دل سلامت ہمیں کیوں قرار آئے — اسے اضطراب آئے اُسے انتظار آئے

ترے دامنِ محبت کی ہوا فقط ہی کافی — مرے دل کے آئینہ پر جو کبھی غبار آئے

کرو لاکھ شور و غوغا تو بتاؤ کیا نتیجہ — یہ دعا کرو کہ وہ بھی سرِ رہ گذار آئے

تجھے عندلیبِ نالاں ہو نجات اگر قفس سے — مرا تذکرہ بھی کرنا جو کبھی بہار آئے

فقط ایک شاد پر کیا موئے کتنے مرنے والے

کہ خدا کرے کسی دن وہ سرِ مزار آئے

کیوں ہر اک فقرہ نشاط انگیز و معنی خیز ہی ہو نہ ہو اقرار تیرا مصلحت آمیز ہی

خنجرِ مژگانِ قاتل ہو کہ پیکانِ نگاہ دونوں ہی نشتر ہیں سر ڈوب سر تیز ہی

پھول داغِ دل کے ای لیلیٰ دکھاتے ہیں بہار کیا خطا مجنوں کی موسم بھی تو سودا خیز ہی

شوق کی افراط رہ کر تمنائے وصال خود خطا اپنی خود اپنا دل فساد انگیز ہی

زخم کا اس کے کوئی مرہم نہیں جز معذرت

حرفِ تلخ ای **شاد** خنجر کی طرح خوں ریز ہی

آفتابِ روزِ محشر تاب اُن گالوں کی ہی اللہ اللہ کیا نظر ان دیکھنے والوں کی ہی

چونک چونک اُٹھتے ہیں مردے فتنۂ رفتار سے دیکھنے والی قیامت بھی انھیں چالوں کی ہی

جس کو ڈھونڈھ کر فرشتے لے گئے سوئے ارم یہ وہی مٹی ترے کوچے کے پامالوں کی ہی

نشۂ جوشِ جوانی میں کسے شک ہی مگر یوں نہ چلئے جھوم کر یہ چال متوالوں کی ہی

بستہ لب کیونکر نہ ہوں ای **شاد** دہرانے سے کیا

اُن پہ حالی ہی جو حالت ہم سے بدحالوں کی ہی

پس از معشوق مرنا عشق کو بدنام کرنا ہی　　خدا مجنوں کو بخشے مر گیا اور ہم کو مرنا ہی

تعلق چھوڑ دیں پائیں کہاں تیرا سا دل اہلؔ　　ہمیں تو زندگی بھر دم اُسی کا فر کا بھرنا ہی

اکڑ لیں اہل دولت ہم کو اُن کی ریس کیا لازم　　اُنھیں مرنا نہ ہو شاید مگر ہم کو تو مرنا ہی

اُمید و نا اُمیدی کی طرف رُخ تک نہیں کرتے　　بہر صورت ہمیں تو کام اپنا کر گذرنا ہی

کبھی غافل نہ رہنا نفس سے ای **شاد** سن رکھو

اگر ڈرنا ہی دنیا میں تو اس دشمن سے ڈرنا ہی

تمھارا وعدۂ فردائے وصل کافی ہی　　مریضِ غم کے لئے یہ جواب شافی ہی

ہیں اُس گلی کے کفن پوش معترف بہ خدا　　بندھے ہیں ہاتھ ہر اک طالبِ معافی ہی

بہت سے دل کئے زخمی نقاب کے اندر　　یہ تیغِ ابروئے قاتل کی خوش غلافی ہی

ہیں بال بال گرفتار ہم ہوں یا اغیار　　غضب کی کاکل جاناں کی موشگافی ہی

اگر درست نہیں تار و پود نظم کلام

تو شاعری نہیں ای **شاد** شعر بافی ہی

مے کی سبیل رکھتے ہیں رستہ میں دیر کے
بانی ہیں غنچے فقط اس کارِ خیر کے

قاتل خدا کے واسطے اتنا تو فرق کر
یہ ہیں مرے شہید وہ کشتے ہیں غیر کے

دیکھی بقا کی شکل فنا سے ملی نجات
ساحل تک آئے ہم کئی دریا کو پیر کے

اے زیست سچ بتا مجھے اے چشم دے جواب
اُن پر یہ قید بند جو عادی ہیں سیر کے

کیوں **شاد** ہم نہ کہتے تھے تکیہ نہ کیجیے
کہنے میں یار آگیا پھر آیہ غیر کے

فراقِ یار کی ہر رات اور مر مر کے جینا ہے
یہ شب دیکھی نہیں جاتی خدا دانا و بینا ہے

جمالِ یار کے پرتو سے دل کیونکر نہ روشن ہو
یہ وہ جلوہ ہے جس سے طورِ سینا اپنا سینا ہے

اُٹھاتا ہوں مگر بارِ کمال اُٹھتا نہیں مجھ سے
عزیزو پاؤں تک پہونچا ہوا سر کا پسینا ہے

لگا کر ہاتھ دیکھو دل سراپا چور ہے اپنا
بہت سی ٹھیس کھائی جس نے یہ وہ آبگینا ہے

خرابہ ہو گیا پیر مغاں کے بعد میخانہ
نہ ساغر ہے نہ خم اے **شاد** باقی ہے نہ مینا ہے

ہجر اور یہ دل اُسی کی شان تھی
اُف عجب ضغطے کے اندر جان تھی

مُنہ کئے سوتے تھے سب تیری طرف
تیرے کشتوں کی یہی پہچان تھی

کچھ نہ خاطر داشت ہم سے ہو سکی
آرزو دو چار دن مہمان تھی

کچھ بہانہ ڈھونڈھتی تھی اے فراق!
موت کیا تیری طرح نادان تھی

وہ نہ آئے **شاد** اور ہم مر گئے
یہ ہماری اور وہ اُن کی آن تھی

خفا ہو کر رہ و رسمِ وفا وہ اور کم کرتے
شبِ غم کا گلہ کیا مُنہ لگا کر اُن سے ہم کرتے

بہت چوکے جو مانگی موت آخر کیا علاج اس کا
ستم کرنے کی بھی حد ہو کہاں تک وہ ستم کرتے

مقدر، آسماں، خود اپنا دل، سب تھے مخالف تھے
بتا ناصح ہم اپنے ساتھ کس کس کو بہم کرتے

چمن میں کے اے وحشت! تمنا ہی رہی دل کو
تماشائے گل و نسرین و سنبل کوئی دم کرتے

کوئی دم تنگنائے دل میں آنا شرط تھا اُن کا
ہم اس تاریک گھر کو روکشِ باغِ ارم کرتے

کہاں تک رو سیاہی **شاد** شرم آتی نہیں تم کو
ضعیفی آگئی دنیا کا لالچ اب تو کم کرتے

یوں ہی راتوں کو تڑپیں گے، یوں ہی جاں اپنی کھوئیں گے
تری مرضی نہیں ای دردِ دل اچھا نہ سوئیں گے

اکڑلے ای شبِ غم! چند دن اپنے ستانے پر
یوں ہی دیکھے گی تو اور سونے والے خوب سوئیں گے

ابھی خاموش ہیں واعظ، ذرا فصلِ بہار آلے
یہی حضرت مرے رستہ میں کیا کانٹے نہ بوئیں گے

وفاداروں کا خوں اُس وقت رنگ اپنا دکھائے گا
وہ مقتل میں خفا ہو ہو کے جب تلوار دھوئیں گے

سر آنکھوں پر ہمارے جھڑکیاں ناصح سے مشفق کی
لگی ہو **شاد** جب دل سے تو ہم کیونکر نہ روئیں گے

اکڑ کے دوش پہ کیونکر نہ زلف ناز کرے ‏ ‏ ‏ ‏ اُسی کے ہاتھ ہو جس کو وہ سرفراز کرے

مرے حسابوں تو عاشق نہیں حریص ہو وہ ‏ ‏ ‏ ‏ فراق و وصل میں ای دل جو امتیاز کرے

نگاہِ ناز سے مطلب نہیں مرا کچھ اور | کسی طرح سے خدا اس کو دل نواز کرے
یہ یک اشارہ نہ میں تھا نہ غیر محفل میں | اُن ابرووُں کی خدا زندگی دراز کرے
کہیں تو جام دھرا ہی کسی طرف ساغر | کدھر جھکائے سر انسان کدھر نماز کرے
فقط بھروسہ پہ تیرے ہو زندگی اپنی | خدا حیات تری ای اجل دراز کرے
ہم اپنے آپ نہیں جب تو ہوں گے غیر کے کیا | زمانہ **شاد** ہم ایسوں سے احتراز کرے

ای شبِ غم! ہم ہیں او باتیں دلِ ناکام سے | سوتے ہیں نامِ خدا سب اپنے گھر آرام سے
نالہ کرنے کے لیے بھی طبع خوش درکار ہو | کیا بتاؤں دل ہٹا جاتا ہو کیوں اس کام سے
جاگنے والوں کی راتوں کا انھیں کیا علم ہو | اپنے اپنے بستروں پر سوتے ہیں جو شام سے
ای جنوں! دو چار باتیں تھیں مجھے اس کی پسند | کام میں نے بھی لیے ہیں عقلِ نافرجام سے
اسم کو اپنے مسمیٰ سے ہو لازم کچھ لگاؤ | **شاد** آخر کس طرح خوش ہوں ہیں اپنے نام سے

زمانہ آرزو کا جاچکا اب آرزو کیسی | خزاں سے دل لگا ای گل تلاش رنگ و بو کیسی
خموشی مقتضائے طبع اربابِ محبت ہو | کسے کہتے ہیں حیرت حیرت ای آئینہ رو کیسی

کہیں زہر اور کہیں امرت سمجھ میں کچھ نہیں آتا ۔۔۔ نگاہیں لے کے آئے ہیں بتانِ خوبرو کیسی

اثر انگیزیاں اے آہ! تو نے کھیل سمجھی تھیں ۔۔۔ میں اے ناداں نہ کہتا تھا ہوئی شرمندہ تو کیسی

کیا خوں محتسب نے بزم میں آتے ہی کس کس کا ۔۔۔ چلی احباب کی گردن پہ شمشیر عدو کیسی

وہ عالم کون ہے پر تو ہے جس کا صفحۂ جاں بھی ۔۔۔ تصور نے گھڑی کی ہے یہ صورت روبرو کیسی

کرو اس کی گلی میں یاد اس کو شاد رو رو کر ۔۔۔ قیام بے محل کیسا نماز بے وضو کیسی

کیوں ساقیا! ہمارے ہی حصہ کی گھٹ گئی ۔۔۔ پہونچے جو ہم تو آئی صدا یہ کہ بٹ گئی

رشک رقیب بھی ہے شبِ غم کے ساتھ ساتھ ۔۔۔ یہ اور اک بلا مرے پیچھے لپٹ گئی

ہم تو نہیں کسی کی فصاحت کے معترف ۔۔۔ پیاری تھی وہ زباں جو ترا نام رٹ گئی

کیوں باغباں نے پھول دیا مجکو توڑ کر ۔۔۔ ناحق لگی لگائی طبیعت اُچٹ گئی

ہم خود گھٹے تھے جب تو درازی تھی عمر کی ۔۔۔ جب ہم بڑھے تو عمر عزیز اپنی گھٹ گئی

غنچوں کے مسکرانے پہ کہتے ہیں ہنس کے پھول ۔۔۔ اپنا کرو خیال ہماری تو کٹ گئی

ماتم کا شور ہوتا ہے ہمسائے میں کہیں ۔۔۔ بیڑی کسی اسیر کی اے شاد کٹ گئی

نہ دوست اور نہ کسی کا کوئی عدو نکلے | اگر یہ نقش مٹا دیں تو تو ہی تو نکلے

ہر ایک ذرہ ہی شاہد مری شہادت کا | جہاں کی خاک کریدوں وہیں لہو نکلے

مٹا نہ کوئے مُغاں کا خیال حشر تلک | جو نکلے قبر سے بھی ہم تو قبلہ رو نکلے

عجب نہیں کوئی میخانہ راہ میں مل جائے | جو گھر سے نکلے تو میخوار باوضو نکلے

بپا تھا شورِ قیامت تڑپ سے بسمل کی | بھلے کو آپ قریبِ رگِ گلو نکلے

اسی نے مرے کے دلاسے تو ڈھائی ہی آفت | دل اپنے سینہ سے نکلے تو آرزو نکلے

بتاتے تھے جو بہت خود کو صلح جو ای شادؔ | زیادہ سب سے ریاکار و فتنہ خو نکلے

نگہ کی برچھیاں جو سہہ سکے سینا اُسی کا ہی | ہمارا آپ کا جینا نہیں جینا اُسی کا ہی

یہ بزمِ مے ہی یاں کوتاہ دستی میں ہی محرومی | جو بڑھ کر خود اُٹھا لے ہاتھ میں مینا اُسی کا ہی

مکدّر یا مصفّا جس کو یہ دونوں ہی یکساں ہوں | حقیقت میں وہی میخوار ہی پینا اُسی کا ہی

اُمیدیں جب بڑھیں حد سے طلسمی سانپ ہیں زاہد! | جو توڑے یہ طلسم ای دوست گنجینہ اُسی کا ہی

کدورت سے دل اپنا پاک رکھ ای شادؔ پیری میں | کہ جس کو مُنہ دکھانا ہی یہ آئینا اُسی کا ہی

سب اپنے حال میں ہیں مست کیسا بادہ خانہ ہے ترے صدقے مگر اک تو یہاں ساقی یگانہ ہے

خدا جانے اُنھیں حیرت ہے کیوں ہنگام آرایش نظر ہے آئینہ پر، ہاتھ میں گھڑیوں سے شانہ ہے

حقیقت کچھ نہ اِس دنیا کی پوچھو آنکھ والوں سے یہ بزم اندھوں کی مجلس اور یہ گھر آئینہ خانہ ہے

وہ غیروں پر ستم کرتے ہیں صبر اللہ دے ہم کو کٹھن ہے یہ گھڑی سر پر مصیبت کا زمانہ ہے

مٹایا وقف حاجی گنج نے شاد اس محلہ کو وہ شاہانہ عمارت ہے نہ وہ دیوان خانہ ہے

حاضر ہے گر پسند ہو کیا دل کا مول ہے قیمت کو پوچھتے ہو تو سونے کی تول ہے

خلقت ہجوم کرتی ہے جاتا ہوں جس طرف نالے ہیں یا گلے میں منادی کا ڈھول ہے

پیری میں نادرست ہوا جامۂ بدن جس جس طرف نگاہ اُٹھاتا ہوں جھول ہے

ناحق خُمِ فلک سے امیدِ شرابِ عیش سمجھاؤں کیا سمجھ بھی تو رندوں کی گول ہے

پوری طرح سے آ مرے ہونٹوں پہ اے فغاں کٹ کر جو نکلے ساز سے ناقص وہ بول ہے

اے شاد سچ ہے کچھ نہیں وعظ کا اعتبار جو کچھ زباں سے اپنی کہے اول قول ہے

حیرت زدہ ہوں کیوں نہ جوانی سے چھوٹ کے سب نقد مال لے گئی کمبخت لوٹ کے

اوروں کی طرح گو نہیں ناصح پہ اختیار
اک یہ بھی اپنے دوست سہی جھوٹے موٹے کے

آپ اپنا پردہ پوش ہوا حسن تو نہ کیوں
بھر دی خدا نے تجھ میں حیا کوٹ کوٹ کے

چالیں جو آسماں کی یہی ہیں تو دیکھنا
برپا اس آبلہ نے کیا حشر ٹوٹ کے

نکلی شب فراق کی بیکار داستاں
محفل میں **شاد** رونے لگے پھوٹ پھوٹ کے

نگاہ یار عاشق کو جلا کر خاک کرتی ہے
خوشا وہ دن کہ جس دن خاک سے پھر پاک کرتی ہے

لگا کر ٹھوکریں تو بوس سے جھولا جھلا دینا
سر عاشق سے کیا کیا شوخیاں فتراک کرتی ہے

جو دیکھے غور سے سارا بھرم کھل جائے دنیا کا
مصیبت آدمی کو صاحب ادراک کرتی ہے

شب غم کے ڈرانے پن کو مجھ سے کچھ نہ پوچھو تم
یہ کافرات بام و در کو وحشت ناک کرتی ہے

یوں ہی رہ رہ کے تو اے نا امیدی دل کو چھیڑے جا
یہی مہمیز رخش عمر کو چالاک کرتی ہے

خضر بھی تھک گئے اے نہ خلقت ٹھیک رستہ پر
خودی اے **شاد** انساں کی سمجھ کاواک کرتی ہے

سحر سے آہ بہت مضمحل ہماری ہے
تمام شب ترے دروازے پر پکاری ہے

پلا دے ایسی تو ساقی کہ بیخودی آجائے
بلائے جاں یہی کمبخت ہوشیاری ہے

وہ دیتے دُکھ مگر اتنا تو دیکھ لینا تھا
کہ ناتواں ہے یہ مزدور، بوجھ بھاری ہے

سمجھ رہا ہوں کہ ہر سانس ہے اخیر کی سانس
یہ کون جینے میں جینا ہے، دم شماری ہے

ہجومِ غم میں بنی آ کے جان پر جس وقت
یقیں ہوا کہ حقیقت میں جان پیاری ہے

خلاصہ یہ ہے کہ دنیا ہے آپ منزلِ سخت
کوئی تھکا ہے، نہ ہمت کسی نے ہاری ہے

خدا کا شکر ہے اس طولِ عمر پر اے **شاد**
یہ پچاس سال کی اب شاعری ہماری ہے

آپ ہیں اور مجمعِ احباب ہے
کیا ہوئی اگلی روش، آداب ہے

دل کی تب خوبی ہے جب بے جرم ہو
آج کل ایسا نگیں نایاب ہے

میں تو صبر و ضبط سے بھی کام لوں
کیا کروں اندر سے دل بیتاب ہے

چند روزہ زندگی کو کچھ نہ پوچھ
خواب ہے لیکن پریشاں خواب ہے

آنکھ والو **شاد** کو سمجھو فقیر
خاں بہادر ہے نہ اب نواب ہے

محبت کاش اتنی جان رکھ لے
کہ جب مرنے لگوں ایمان رکھ لے

نہ دیکھے عمر بھر منہ آرزو کا
خدا مایوس دل کی آن رکھ لے

یوں ہی بیخود بنا ای جذبِ الفت　　مری دیوانگی کی شان رکھ لے

خوشی کے دھیان سے راحت ہای دل　　اسی کو چند دن مہمان رکھ لے

جو طالب معرفت کا تو ہو ای **شاد**　　تو پاس اپنے مرا دیوان رکھ لے

خموشی سے مصیبت اور بھی سنگین ہوتی ہو　　تڑپ ای دل تڑپنے سے ذرا تسکین ہوتی ہو

اُسی مُنہ کی کہی اس جاں بلب سے کچھ تو کہہ قاصد　　کہ ہر آیت کلام اللہ کی لیسین ہوتی ہو

بظاہر مٹ چکا ہی عشق کا آزار لیکن پھر　　طبیعت ہر گھڑی رہ رہ کے کیوں غمگین ہوتی ہو

وتیرہ ہی یہی دنیا کا اس سے جی نہ چھوڑ ای دل　　بُرائی پیٹھ پیچھے روبرو تحسین ہوتی ہو

امیدِ وصل قسمت میں تری لکھی تھی محرومی　　بتوں کا کیوں گلہ کرتی ہو کیوں بے دین ہوتی ہو

دل مضطر نہ کھولوں راز کو تیرے کبھی لیکن　　کسی کا نام لینے سے ذرا تسکین ہوتی ہو

بُرا کہتے ہیں گر تجھ پیر کو ای **شاد** کیا شکوہ　　جوانوں کی طبیعت کچھ نہ کچھ رنگین ہوتی ہو

ترے ہجر میں زندگی جاں گسل ہو　　یہی پھول سا دل کلیجہ پہ سل ہو

کہو چین سے سوئے بستر پہ اپنے　　خوشا وہ بشر جس کا قابو میں دل ہو

شبِ غم میں دشوار ہی آہ کرنا　　کچھ اندر سے دل خود بخود مضمحل ہی

لگائی جو تھی عشق نے روزِ اول　　وہی آگ اس وقت تک مشتعل ہی

نہ کہہ **شاد** احوال خلوت کا دل کی　　جہاں غیر تو غیر خود تو مخل ہی

دہن سے دَیر میں نکلی تھی کعبہ میں فغاں پہونچی

پکارا تھا کہاں اُس کو پکار ای دل کہاں پہونچی

مجھے اس بے مروت آہ پر آتا ہی رہ رہ کر

مزا دیکھو وہیں کی ہو رہی کافر جہاں پہونچی

شہیدانِ وفا کی شان دیکھو کھول کر آنکھیں

لحد تھی جس جگہہ اُتنی زمیں تا آسماں پہونچی

تم اُس کوچہ کی حالت سالکوں سے پوچھتے کیا ہو

اِدھر رکھے قدم اور ناک میں بوئے جناں پہونچی

صعوبت سہہ چکے ای **شاد** لو اب چین سے کاٹو

مبارک ہو قضا خود لے کے فرمانِ اماں پہونچی

ہنسنا تو کیا کہ رونے رُلانے کے دن گئے — جس دل پہ تھا مدار وہ حضرت تو چھن گئے

اک ہم ہیں یاد کرکے عدم کو ہیں مضطرب — آخر وہ کون لوگ تھے جو مطمئن گئے

کیا اُس گلی سے مَیں نہیں واقف پہ کیا کروں — کمبخت چین ہی نہیں آتا ہے بن گئے

تو خود تو چند روز میں سوئے گا چین سے — تیرے سبب سے ہم دلِ نامطمئن گئے

ان عاشقوں میں **شاد** بھی ہے کوئی یا نہیں — تم ایک سے ہزار تلک نام گن گئے

کچھ تو پھولوں سے تسلی دلِ ناکام کی ہے — اِن میں بو باس مرے یارِ گل اندام کی ہے

موت قائم رہے دنیا میں ہمیشہ یارب — اک یہی شکل تو اپنے لئے آرام کی ہے

کہتے ہیں موت کو سب لوگ کہ یوں ہے وہ دن ہے — گر نہ آئی شبِ فرقت میں تو کس کام کی ہے

مر مٹیں گے ترے غم میں تو گلہ کیا اس کا — آرزو یہ بھی تو اپنے دلِ ناکام کی ہے

منتظر شام سے رہتے ہیں کہ ہو جائے سحر — اور ہوئی صبح تو اب منتظری شام کی ہے

بیخودی! پوچھے جو مذہب کوئی کیا اس کو بتاؤں میں — نہ خبر کفر کی ہم کو ہے نہ اسلام کی ہے

شاد مشکل مری آساں ہو یہی دُھن ہے بس
آرزو دولتِ دنیا کی نہ اب نام کی ہے

مرے دانتوں کی عمر ای آرزو مجھ سے بھی چھوٹی ہے
اُنھوں نے ساتھ چھوڑا دانت کاٹی جن سے روٹی تھی

شکایت آرزو کی بے کئے ناصح نہیں بنتی
یہ سب دل جو یساں ظاہر کی تھیں باطن میں کھوٹی تھی

ہوا در در لئے پھرتی ہے اب تو میری مٹی کو
یہ ہے وہ خاک جو اک دن ترے قدموں پہ لوٹی تھی

بہت گہرے نہ ہوں اوچھے سہی، پر کے تو پورے ہیں
خطا قاتل کی کیا ہے، اک ذرا تلوار چھوٹی تھی

یہ سچ ہے شاد کیا تھا۔ کچھ نہ تھا لیکن تمھارا تھا
نہ سمجھا تم نے ای باریک بینو! بات موٹی تھی

ترے میہماں ہیں جہاں بٹھا سرِ عرش ور روئے زمیں سہی

ہمیں بیٹھ رہنے سے کام ہے کوئی جا نہیں تو نہیں سہی

صفِ اولیں تو ہے خاص صف وہاں پاؤں جائے یہ کہاں شرف

صفِ آخریں سے بھی دُور تر، جو اشارہ ہو تو وہیں سہی

نہ مٹے گی دل سے یہ آرزو کہ لگا کے آنکھوں سے چوم لیں

ترے پاؤں تک نہیں دسترس ترے آستاں کی زمیں سہی

ہمیں کیا پڑی کہ اُلجھ کے دیں اُسے اور موقعِ این و آں

ترا بندہ ہے ترے بس میں ہے وہ ہزار منکرِ دیں سہی

جسے پاک رکھنے کی تھی ہوس وہ تو تیرے در پہ پہونچ گئی

یہ جو مشتِ خاک زمیں پہ ہے اسے پھینک آؤ کہیں سہی

ہمہ شب زخیلِ کرو بیاں رسدایں صدائے مُہیمنی

کہ محاسبے سے مرے ڈرو، مری بخششوں کا یقیں سہی

ملے شاد کچھ تو ہمیں مزہ کوئی ماحصل بھی ہو شعر کا
جسے جذب کر لے مذاق دل نہ مٹھاس ہو نمکیں سہی

متفرقات

دل کیا بجھا کہ ہو گیا اندھیر ہر طرف
گھر بھر میں اے نسیم یہی اک چراغ تھا

ہلکا ہے جسم روح کا تن سے خلل گیا
صد شکر ہر گھڑی کا یہ کانٹا نکل گیا

وہی اک نیستی اللہ اکبر
ہماری ابتدا کیا انتہا کیا

یہ کچھ نئی نہیں مدت سے ہوتی آتی ہے
اگر نہ مار کھپائے تو وہ محبت کیا

کیا پوچھنا بہار میں دل کی امنگ کا
پھول ایک بھی کہیں نہیں اس آب و رنگ کا

گلہ کیونکر نہ کرتا ہر خریدار
ترا اے زندگی سودا گراں تھا

بچھا کر جو گیا بستر پہ کانٹے
وہی ظالم مرا آرام جاں تھا

خزاں کا دور گیا موسم بہار آیا
مگر نہ اس دل بے صبر کو قرار آیا

جب اختیار چمن پر نہیں تو ہم کو کیا ہزار بار اگر موسمِ بہار آیا

شکایتِ دلِ مضطر کہاں تلک ای موت دعائیں دوں گا تجھے گر اسے قرار آیا

سدھاری تیرہ بختی منزلوں تک چاندنی چھٹکی مرے گھر چودھویں کا چاند بن کر وہ حسیں آیا

اُٹھے جب اُس گلی سے تو کیسی مکاں کی قید چھوڑا جب اپنے گھر کو تو نزدیک دور کیا

جب ٹھان لی کہ رُخ سے اُٹھائیں گے ہم نقاب پھر گھر کسی غریب کا کیا کوہِ طور کیا

بدنام دوسرے کو ہم ای شاد کیوں کریں بے صبر آپ ہم ہیں دلِ ناصبور کیا

جس کا دل مرجھا چکا ہو ای صبا اُس کے لئے فصلِ گُل آئی تو کیا ابر بہار آیا تو کیا

سرائے دہر ہی بازار خود فروشی کا ہمیشہ سب کو گرفتارِ ماؤ من دیکھا

اسی بد قماش دل نے نہ مجھے کہیں کا رکھا یہی چیز اگر نہ ہوتی تو میں شاد کیا نہ ہوتا

جو مثل شمع کے ملتا مجھے بھی اک گوشہ تو اپنے حال پہ آنسو ذرا بہا لیتا

کام بن جائے گا ہم عشق کے درماندوں کا نام رہ جائے گا ای جذبِ محبت اتیرا

لحد میں جلتے ہیں مُردے تو رشک ہوتا ہو یوں ہی مَیں کاش ترے در پہ سر کے بل جاتا

دل خوں کیے لاکھوں نگہہِ ناز کو دیکھا ۔ پھر پاک ہے اس قہر کے انداز کو دیکھا

غضب کی معرکۂ عاشقی نے ڈالی پھوٹ ۔ میں اپنے دل کو تو دل مجکو آزمانے لگا

نہ ہو نہ ہو درِ جاناں کوئی خرابہ ہو ۔ صبا! کہیں تو مری خاک کو ٹھکانے لگا

بھلا ہوا کہ اُڑا دی صبا نے خاک مری ۔ ترا تو سر پہ نہ احسان اے زمین لیا

اُسی کو شادؔ شب و روز دیکھتے گذری ۔ جو بچپنے میں کھلونا کوئی حسین لیا

اپنے پہلو میں وفورِ شوق سے دینا جگہہ ۔ ناوکِ قاتل کو بھی دل کے برابر جاننا

تھا اجل کا میں اجل کا ہو گیا ۔ بیچ میں چونکا تو تھا پھر سو گیا

لطف تو یہ ہے کہ آپ اپنا نہیں ۔ جو ہوا تیرا وہ تیرا ہو گیا

آئے تھے دمِ نزع وہ اے روزِ قیامت ۔ اُس روز زیارت ہوئی یا آج کی تاریخ

شبِ تار و دامنِ دشت میں کوئی بدنصیب ہے نالہ کش

جو گھروں میں سوئے ہیں چین سے اُنھیں اک غریب کی کیا خبر

کرے فلک کا گلہ اور نہ بحر کا شکوہ ۔ نیاز مند کو ایسا وہ بے نیاز کریں

خدا کرے ترے رُخ کی بہار ہم دیکھیں — فروغِ جلوۂ جنّت نثار ہم دیکھیں

یہی ہے دھن کہ تری جلوہ گاہ میں جا کر — ہزار آنکھیں ہوں اور سب سے یار ہم دیکھیں

یقین خود ہی ہمیں اپنی سخت جانی کا — مُڑی نہ ہو ترے خنجر کی دھار، ہم دیکھیں

مکدر ہو نہ جا، قاتل کی نیت دیکھ او بسمل — دعا سے بڑھ کے ہے دشنام افراطِ محبت میں

ذرا سی اک جھلک امید کی پھر یاس کا ریلا — دلِ ناداں گھبرانا یہی ہوتا ہے الفت میں

بُرائی کی سزا خود اپنا دل ہر آن دیتا ہے — یہیں تم دیکھ لو آنکھوں سے جو ہوگا قیامت میں

دلِ گم گشتہ اپنا، اک دہکتی آگ ہے یارب — یہ دوزخ بھی کہیں کمبخت کچھ آئے نہ جنت میں

یہ نامرادامیدیں کب دفع ہوں گی دل سے — کب چھوٹتی ہیں دیکھیں لپٹی ہوئی بلائیں

میں کہاں اور قرارِ دلِ ناکام کہاں — مل گیا خاک میں آرام اب آرام کہاں

نظر آتی ہیں لاکھوں مختلف شکلیں مرے دل میں — یہ اک چھوٹا سا آئینہ لگا ہے صدرِ محفل میں

اسیرانِ مصیبت قید کا شکوہ بھی کرتے ہیں

تماشا ہے کہ اس زنداں میں رہنے پر بھی مرتے ہیں

پتا ای بیخودی پائیں گے اُن کا　　اسی دنیا میں وہ آخر کہیں ہیں

وہ موتی کانپ اُٹھیں جو سُن کے فریاد　　تمھارے کان کے لائق نہیں ہیں

تمھاری نت نئی چالوں سے ہر دن اک قیامت ہے　　قیامت کا الگ اک دن ہے یہ غوغا بھی سنتے ہیں

جس سے تیرا بیان سنتے ہیں　　نت نئی داستان سنتے ہیں

بُرا اِس بزم میں تھا یا بھلا ئیں　　خدا حافظ ہے لے ساقی چلا ئیں

نہ چھوڑا ای آرزو پیری میں اب ساتھ　　ترے دامن میں بچپن سے پلا ئیں

عبث دھڑکا ہے تجکو سیامنا اُن کا تو ہوا ای دل　　بیانِ مدعا کرنے کی تمہیدیں بہت کچھ ہیں

عدم میں آپکے دعدوں کو دیکھنا ہے مجھے　　وہاں یہاں کی طرح سے تو صبح و شام نہیں

عالم میں ایک تو ہے باقی کہانیاں ہیں　　جو جو ترے سوا ہیں تیری نشانیاں ہیں

یا چشم تر ہے اپنی یا آہِ بیکسانہ　　جنّت نصیب دل کی یہ دو نشانیاں ہیں

دل گیا سینہ سے جب اپنے تو آزادی کہاں　　جس کا مالک مر گیا اُس گھر میں پھر شادی کہاں

اُس گلی کی خاک جتنی چھاننی ہو چھان لیں　　ای اجل پھر ہم کہاں اور دل کی بربادی کہاں

کبھی اُٹھائیں گے سر کو نہ آستانے سے قسم حضور کے قدموں کی کھائے بیٹھے ہیں
بہارِ داغ کی نزہت گلوں سے ہے افزوں یہ باغ تیری بدولت لگائے بیٹھے ہیں

آرام کرلو قبر میں چندے مسافرو منزل تک اور اب کوئی مہماں سرا نہیں
دو چار وقت جاتے ہیں روز اس گلی سے ہم اب تک کوئی نماز ہماری قضا نہیں
جیسے کسی کو ہو نہیں جاتی کسی سے ضد میں تو اب آسماں کی طرف دیکھتا نہیں

یہ سختیاں بھی اُٹھائے ہوئے ہوں دور از حال فراق یار کی راتیں غضب کی راتیں ہیں

داں فصل گل نے آگ لگائی ہے باغ میں افسوس یاں قفس میں کوئی چاک بھی نہیں
دیکھوں جفا کی ملتی ہے خدمت کسے وہاں ملکِ عدم میں گردشِ افلاک بھی نہیں

خلوصِ دل سے وہ ملتے نہیں یہ مان لیا اُنھیں یہ کیا ہے بتاؤ یہ وصف ہے کس میں
چمن میں گل تو قفس میں غریب بلبل ہے بُرا زمانہ کا ہو تفرقہ ہے کس کس میں

اک غم فقط نہیں ہے دلِ ناشکیب میں ایسے بہت پڑے ہیں ہم ایسوں کی جیب میں

ہیں خوش نصیب وہی جو ہیں اُن کے در کے غلام اُنھیں کی جیت ہے جو اُن سے قول ہارے ہیں

عمر بھر سہتے ہیں کس طرح جفا کیا جانیں
مرنے والے ترے، مرنے کے سوا کیا جانیں

ہر چند کہ مرنا تو ہے اک روز مقرر
لیکن جو تمھارے ہی قدم پر ہو تو کیا ہو

اجازت اک نگہہ کی مل گئی ہم پاکبازوں کو
خدا آباد رکھے **شاد** اِن مسکیں نوازوں کو

ہوئے گو خاک بھی عاشق نہیں کوتاہ دست اب تک
کوئی سمجھا تو دیتا کاش ان دامن درازوں کو

رسائی حلتِ حرمت کے کوچہ تک ہی بس تیری
کہاں پہونچے گا تو اے شیخ میخانے کے رازوں کو

ابرو و چشمِ یار سے جو نہ ہو اس کو کم سمجھ
خشم میں کوئی لائے کیوں مستِ کماں کشیدہ کو

شبِ غم تو سلامت رہ سحر سے کام کیا مجکو
مزا ملتا ہے آہوں میں اثر سے کام کیا مجکو

دستار کوئی سر پہ کج کرکے اگر باندھو
اک تیغ بھی چھوٹی سی بالائے کمر باندھو

رشتہ ہے عقیدت کا ساقی سے بہت محکم
اُس دامنِ اطہر سے یہ دامنِ تر باندھو

نہ فلک اور نہ کیا دل نے پریشاں مجکو
تجکو بدنام کروں یہ نہیں شایاں مجکو

نصیحت کرکے تڑپاتے ہیں ناحق دل فگاروں کو
یہاں ہم مر رہے ہیں دل لگی سوجھی ہے یاروں کو

اب تو غیروں سے بھی سُن لیتا ہوں شکوہ ترا
پہلے سمجھا تھا کہ ہوگا نہ گوارا مجکو

ہر ایک خوکردۂ وفا تھا بہ حالتِ نزع رہ گذر میں

ادھر تو للہ پھر کے دیکھو دلوں میں نشتر چبھونے والو

بس اب کرو صبر، ہم کو بھولو، پھر اب نہ ہم تم کو مل سکیں گے

اسی طرح روزِ حشر تک بھی جو روئے جاؤگے رونے والو

کٹھن ہو عمرِ رواں کی منزل بہت ہو دشوار اس کا رستہ

اُلجھ کے گرتے ہو کوئی دم میں گناہ کا بوجھ ڈھونے والو

شب غم میں کیا ہو ضبط کیا کیا دل نالے کو
حیا میں فرد تھا اللہ بخشے مرنے والے کو

بھیڑ کیسی ہو یہ ای ہوش و ہواس
آمد عشق ہو جاتے جاؤ

غرض کیا راحت و آرام سے آفت رسیدوں کو
کہاں تک اس کا رونا ترک کر بیٹھیں اُمیدوں کو

بصد حسرت گئے تیری گلی سے تیرے دیوانے
امیدیں کب تلک دھوکے میں رکھیں نا اُمیدوں کو

مزا مل جائے گا جینے کا تجکو
کسی ظالم پہ ناصح تو بھی مر دیکھ

وہ اُس کی جھوم کے انگڑائیاں خدا کی پناہ
وہ چشمِ مست کی ترچھی سناں خدا کی پناہ

کہاں قیامتِ کبریٰ کی شورش بیجا — وہ مست چال کہاں الاماں! خدا کی پناہ

ٹھہر ٹھہر کے وہ عاشق کا نعرۂ یارب! — وہ پچھلی رات موثر فغاں، خدا کی پناہ

لگا کے آس ہم اے پیر میفروش آئے — کچھ آج ایسی پلاوے کہ پھر نہ ہوش آئے

امید کی دولت ہے نہ اب دل کا خزانہ — دیکھا کئے اور لٹ گئی سرکار ہماری

ہلا دیکھو زمین و آسماں کچھ بن نہیں پڑتی — جہاں قسمت بگڑتی ہے وہاں کچھ بن نہیں پڑتی

مجھے اس سے ہے کب انکار خوبی اس نے سب پالی — تری آنکھوں کے صدقے یہ حیا نرگس نے کب پائی

اے فلک تجھ سے یہ امید کہ تو دے گا شراب — خود تو تصویر ہے الٹے ہوئے پیمانے کی

ایذا دہی کو ہر چند اک پاؤں پر کھڑا ہے — الجھو نہ آسماں سے پھر عمر میں بڑا ہے

ہیں ولولے ہزاروں دل میں دبے دبائے — مٹی تلے دفینہ کیا کیا نہیں گڑا ہے

ایسا نہ ہو ملائک کرنے لگیں شکایت — تیر نظر تمہارا کچھ دور جا پڑا ہے

لے چلی کھینچ کے صحرائے عدم میں تقدیر — اپنے کوچہ میں ہمیں آپ بلاتے ہی رہے

اپنی تقدیر پہ آتی ہے کہ اللہ ری ضد — وہ بھی سوتی ہی رہی ہم بھی جگاتے ہی رہے

لٹا بیٹھے شکیبائی کی دولت پٹ پڑا پا سا
مقدر میں تو اُن کو جیتنا تھا ہار تھی دل کی

دلاسا دینے والا کوئی اتنا اب نہیں باقی
خدا بخشے غریب امید کو غمخوار تھی دل کی

ساقی کی عنایت سے تو لبریز ہے لیکن
دھڑکا ہے کہ لغزش سے مری جام نہ چھلکے

کیا پوچھتے ہو زندگی و موت کی شورش
طوفانِ حوادث کے یہ دو جھونکے تھے ہلکے

طفلی ہی سے مرتے رہے جلوے پہ تمہارے
ہم لوگ تو پالے گئے دامن میں اجل کے

سمجھ میں خاک نہ آیا فسانۂ شب عمر
عجب طرح کی یہ اُلجھی ہوئی کہانی تھی

کیا زمانے نے مینائے دل بھی چور مرا
بس اک بچی ہوئی ساقی کی یہ نشانی تھی

میں دل کو سینہ کے اندر جگہ نہ دوں کیونکر
یہی تو یاد دلاتا ہے روز و شب تیری

تجھی کو تیرے مسافر اگر نہ پائیں گے
وطن میں جا کے مُنہ اپنا کسے دکھائیں گے

جو مجھ سے رند کو ساقی نہ دیگا بزم میں راہ
تو کیا فلک سے فرشتے اُتر کے آئیں گے

ہوں ابتدا میں شکستیں ہزار کیا پروا
جو حق پہ ہیں وہی آخر کو فتح پائیں گے

رہِ وفا میں قدم ڈگ نہ جائیں دیکھ اے دل
ستانے والے بہت کچھ ابھی ستائیں گے

کیوں بزم میں ساقی کوئی سرشار نہیں ہے — بے فیض تو ایسی تری سرکار نہیں ہے

ہر جنس بہ کثرت ہے خریدار بہ افراط — اگلی سی مگر رونقِ بازار نہیں ہے

دیکھتا ہے کسی پردے میں تماشا کوئی — دل یہ کہتا ہے کہ ہے انجمن آرا کوئی

یہ ادا یہ اُن کا ملنا، یہی کہہ رہا ہے مجھ سے — کہ جفا بھی اب جو ہوگی تو بہ شکلِ ناز ہوگی

نہ کمی کریں گے آنسو نہ ملے گا اب وہ کوچہ — نہ وضو تمام ہوگا نہ مری نماز ہوگی

اسی آرزو میں اب تک میں جفائیں سہہ رہا ہوں — کہ جفا جو ہوگی اب کے تو وہ دل نواز ہوگی

پییں چھپ چھپ کے ساقی اور چھپائیں ہم یاروں سے — کہیں ہم بادہ خوار اچھے ہیں ان پرہیزگاروں سے

کبھی وہ یاد کر لیتے ہیں مرجانے پہ عاشق کو — جو یہ سچ ہے تو پھر اچھے ہمیں نکلے ہزاروں سے

اگر پوچھو تو اس نے لاکھ کا گھر خاک کر ڈالا — زمیں نے بھی مروت کچھ نہ کی ہم بے دیاروں سے

یہاں دُھن دوسری رہتی ہے دل جوئی کا حاصل کیا — کہاں تک شرم اک دن صاف کہہ دیں غمگساروں سے

مضطرب یوں تو ہیں پردیس میں سب پردیسی — مطمئن ہے وہی جس پاس کچھ اندوختہ ہے

اے شبِ وصل بتا تکتے ہیں تارے کس کو — کس کے چہرے کی طرف چاند نظر دوختہ ہے

ہم جوانی میں اجل کے ہو رہے　　صبح اُٹھنا تھا سویرے سو رہے

آچکے ہیں **شاد** کے پیری کے دن　　اب تو یہ ظالم کسی کا ہو رہے

لئے دل اُمیدوں کو ہمراہ نکلے　　کوئی ان غریبوں کی بھی راہ نکلے

عبث گھبرا رہے ہیں لوگ طولِ روزِ محشر سے　　ہم اپنا حال اگر کہنے کو بیٹھے شام کر دیں گے

نظر آئے نہ آئے کوئی آنسو پوچھنے والا　　مرے رونے کی داد ای بیکسی دیوار و در دیں گے

مجرم دراصل ناز بھری وہ نگاہ ہی　　دیکھیں وہ غور سے تو مرا کیا گناہ ہی

دل ایک حال پر نہیں رکھتی ہوائے دہر　　طوفان میں جہاز ہمارا تباہ ہی

بتوں کو مجھ سے مقدر کبھی جدا نہ کرے　　بغیر ان کے جیوں ای فلک خدا نہ کرے

بہارِ باغ کو دل سے بھلا چکا ہوں میں　　دعا یہی ہی کہ صیاد اب رہا نہ کرے

آثار مٹ گئے مرے سینہ سے داغ کے　　کیا خوفناک ہی یہ مکاں بے چراغ کے

پہلی سی داغِ دل میں تر و تازگی کہاں　　برسوں سے پھول خشک ہیں اس خانہ باغ کے

قضا پہ بھی عقیدہ اب رہا باقی نہ انساں کا　　تری کافر نگہ نے لے لئے ایمان دنیا کے

گذرا ہیں آرزو سے غنیمت ہی مجکو یاس — جو آپ چاہتے ہیں وہی ہو خدا کرے
اُس کے لئے تو ہاتھ اُٹھانا بھی ہی گناہ — جس کی دعا ہوں آپ وہ پھر کیا دعا کرے
ای شاد وصل و ہجر میں جس کا ہو ایک حال — اللہ اس طرح کا تجھیں دل عطا کرے

سونگھ لیتا ہوں نظر پڑتی ہی جب پھولوں پر — بوئے ہمدردیِ فریاد رس آجاتی ہی

ہر ایک شی میں وہی ہی یہ دل نشیں کرلے — نظارہ یار کا ای چشمِ بد یقیں کرلے
مثالِ نقش بر آب ایک دن تو مٹنا ہی — جہاں میں نام تو کچھ صورتِ نگیں کرلے

تمیزِ حق و باطل کثرتِ غم میں نہیں رہتی — گلے مِل کر کبھی ناصح، کبھی غمخوار سے روئے
بہت دن پر بیاباں میں جو میں ای شاد آنکلا — تو کیا کیا آبلے مِل مِل کے نوکِ خار سے روئے

وہ آڑی نگاہیں خدا کی پناہ — چھُری بن کے دل میں اُتر جائیں گی

مایوسیوں میں کیا ہو خوشی روزِ عید کی — بدتر ہی شامِ غم سے سحر نا اُمید کی

عشق جب ہی تو کبھی وصل کبھی ہجر بھی ہی — یوں ڈریں ہم تو جگہ چاہیئے ڈرنے کے لئے
پھول کھلنے کو چمن میں ہیں کہ مرجھانے کو — داغ مٹنے کے لئے ہیں کہ اُبھرنے کے لئے

شہنا میں جانگداز صدا کس بلا کی ہے آواز ہو نہ ہو کسی درد آشنا کی ہے

یاد تھیں راتیں بھیانک ہجر کی شکل دیکھی شام کی گھبرا گئے

دل کو اب حسرت ستاتی کیوں ہو شادؔ ہم تو اُمیدوں سے بھی باز آ گئے

بہت کچھ کام نکلے تھے تری مشکل کشائی سے بڑے گھاٹے میں ہوں اے آرزو تیری جدائی سے

اجل بیکار بھی بدنام ہے ہم مرنے والوں میں مروت کو جو پوچھو اُٹھ گئی ساری خدائی سے

کر کے دکھلائے یہی گھات تو کوئی ناصح میں بھی کہتا ہوں کہ دل لینے میں ہاں گھات ہوئی

خوب ساون کی جھڑی یاد دلائی تو نے چشم تر آج تو بے فصل کی برسات ہوئی

لن ترانی کی صدا تھی کہ اجل کا پیغام خلق کی جان گئی آپ کی اک بات ہوئی

تری گلی میں پہونچ گئے ہم تو یاد رکھ عمر بھر رہیں گے

یہی تو دنیا میں اک جگہہ ہے ملیگا موقع تو مر رہیں گے

موتی تمھارے کان کے تھرّا رہے ہیں کیوں فریاد کس غریب کی گوش آشنا ہوئی

اے چشم رات دن تجھے رونے سے کام ہے ملتے ہیں دونوں وقت ذرا تھم کہ شام ہے

کہتے ہیں کس کو حسن کی خدمت گزاریاں — جس مبتلا کو دیکھئے دل کا غلام ہے

کسے انکار ہے ہم بیوفا تھے مٹ گئے آخر — وہ آئے اب گلی میں آپ کی جس کو وفا آئے

گلستانِ جہاں میں بس وہی آزاد انساں ہے — صبا کی طرح جس گل سے ملے اُس کو ہنسا آئے

محبت میں نہیں کچھ سوجھتا یہ حال میرا ہے — کہ اب دن دوپہر میری نظر میں گھپ اندھیرا ہے

اسی میں عمر کٹی ہم ستم رسیدوں کی — کبھی تو یاس کبھی پھر جھلک امیدوں کی

ہجر کا دن بھی دن تو ہے لیکن — کچھ عجب طرح کی اداسی ہے

قطعہ تاریخ طباعتِ دیوان شاد

از

حمید عظیم آبادی

حضرتِ اُستاد یعنی شاد کا دیواں چھپا — جس کے ہر ہر شعر میں سرمستیِ صد جام ہے

مصرعِ تاریخ لکھا از سرِ جوشِ سرور — یادگارِ شاد ہے میخانۂ الہام ہے

۱۳۵۷ ہجری

راقم الحروف علی حسن مقیم پٹنہ شاہ کی املی